

عام فھم زبان، مشکل الفاظ کے سلیس معانی، اور اختلافی مسائل کے محققانہ حل سے مزین تفسیر

الفوائد التفسیریۃ السلفیۃ

تالیف
محمد ابوسعید
ابن
شیخ القرآن
علامہ سید عبدالسلام رستمی

ناشر:
الجامعۃ العربیۃ
سیفن چوک کوہاٹ روڈ بڈھ بیر پشاور
091-2325499



لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ
اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو اور اللہ (سب کچھ)
سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَإِنَّ
سنتا (اور) جانتا ہے۔ اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا بُرائی سے درگزر کرو گے تو
اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ
اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) قدرت والا ہے۔ جو لوگ اللہ سے اور اُس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ
وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ
اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے
وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾
اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں ۔
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾
وہ بلا شبہ کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔
وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ سَوْفَ
اور جو لوگ اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں کسی میں فرق نہ کیا ایسے لوگوں کو وہ عنقریب
يُؤْتِيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْئَلُكَ أَهْلُ
ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ (اے محمد ﷺ!) اہلِ کتاب تم سے مطالبہ
الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوْا مُوْسٰٓى أَكْبَرَ مِنْ
کرتے ہیں کہ تم اُن پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لاؤ۔ تو یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی مطالبے کر چکے ہیں

ذٰلِكَ فَقَالُوْا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ
(اُن سے) کہتے تھے کہ ہمیں اللہ ظاہر (یعنی آنکھوں) سے دکھا دو۔ ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔
ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ
پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنا بیٹھے تو اس سے بھی ہم نے درگزر کی
وَآتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطَانًا مُبِيْنًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا
اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا ۔ اور ان سے عہد لینے کو ہم نے ان پر کوہِ طور اٹھا کھڑا کیا اور انہیں حکم دیا کہ
لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ
(شہر کے) دروازے میں (داخل ہونا) تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہفتے کے دن (مچھلیاں پکڑنے)
وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ
میں تجاوز (یعنی حکم کے خلاف) نہ کرنا۔ غرض ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا)
مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے
وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ
اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مَردُود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے ہیں
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾
نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ۔
وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾
اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ
اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے
وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ
(اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اُن کی سی صورت معلوم ہوئی [٢٠]
وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ
اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئ
الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝١٥٧ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ
ظن کے سوا ان کو اُس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝١٥٨ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ
اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے
مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝١٥٩ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا
ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔[٢١] تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت

---

(٢١) سورۂ ال عمران کی آیت: '' یاعیسی انی متوفیک'' الایۃ، میں حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن یہود کے عزائم کو ناکام بنانے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دستبرد سے بچانے کے سلسلہ میں پانچ وعدے فرمائے تھے، جن کی تفصیل و مکمل تشریح اور تفسیر سورۂ ال عمران کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے، ان وعدوں میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ یہود کو آپ کے قتل پر قدرت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ آپؑ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھا لیں گے، اس آیت میں یہود کی شرارتوں اور جھوٹے دعووں کے بیان میں اس وعدہ الٰہیہ کی تکمیل اور یہود کے مغالطہ کا مفصل بیان اور یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

ان آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ: '' وماقتلوہ وماصلبوہ '' یعنی ان لوگوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو نہ قتل کیا

اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورت حال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کردیا گیا۔

"**ولکن شبہ لھم**" کی تفسیر میں امام تفسیر ضحاک فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہوگئے، عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا، اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کرلیا، عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا! کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے امادہ ہیں کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کردیا جائے۔ اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس عرض کے لئے آپنے آپ کو پیش کردیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ، عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی، اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے، اور سولی پر چڑھادیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا (قرطبی)۔

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالی نے اٹھالیا تھا۔ اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا تھا، یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہے، اور اس اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کردیا۔ (مظہری)۔

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو، سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم کے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے، کہ یہود نصاری کو زبردست مغالطہ ہوگیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا، اور اپنے گمان وقیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے۔ اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ اسی حقیقت کیطرف قرآن کریم کی ان الفاظوں میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ﴾ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے، جن جن لوگوں نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں ہیں، صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالی نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کردیا ہے۔ اس لئے کہ یہ مقتول چہرے میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں، اور یہ کہ اگر یہ مقتول عیسیٰ علیہ السلام ہیں

تو ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسٰی علیہ السلام کہاں ہیں؟

وکان اللہ عزیزا حکیما'' یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے لیکن جب اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کی حفاظت کا ذمہ لیا، تو اس کی قدرت وغلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے؟ وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر رفع عیسٰی علیہ السلام کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی اپنی کمزوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کے ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

آخر میں اسی مضمون کے تتمہ کے لئے فرمایا کہ ''**وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته**''، یہ لوگ اس وقت اگر چہ بغض وحسد کی وجہ سے حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور عیسٰی علیہ السلام کے متعلق باطل خیالات رکھتے ہیں، نیز محمد مصطفیٰ کی نبوت کا بھی انکار کر رہے ہیں، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جبکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، اور اس وقت انہیں یقین ہو جائیگا، کہ عیسٰی علیہ السلام اور محمد ﷺ کے متعلق جو کچھ ہمارا خیال تھا، وہ سب باطل تھا، اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ''موتہ'' کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع کی جائے اور آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ یہ یہود اپنی موت سے چند لمحے پیشتر جب عالم برزخ کو دیکھیں گے، تو عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے، اگر چہ اس وقت کا ایمان ان کے حق میں نافع نہیں ہوگا، جس طرح کہ فرعون کو اس کے اس ایمان نے فائدہ نہیں دیا تھا، جو وہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا۔

دوسری تفسیر جسکو صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے، اور حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یہ ہے کہ ''موتہ'' کی ضمیر عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور آیت کے مطلب یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگر چہ اس وقت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے، یہود تو انہیں نبی ہی تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں العیاذ باللہ مفتری اور کاذب قرار دیتے ہیں، اور نصاریٰ اگر چہ ان پر ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں مگر بعض تو ان میں اپنی جہالت میں یہاں تک پہونچ گئے کہ یہود ہی کی طرح عیسٰی علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کے قائل ہو گئے، اور بعض اعتقاد کے غلو میں اس حد تک نکل گئے کہ انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا سمجھ لیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اگر چہ اس وقت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے، لیکن جب وہ قیامت کے قریب اس زمین پر نازل ہونگے۔ تو یہ سب اہل کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے، نصاریٰ تو سب کے سب صحیح اعتقاد کے ساتھ مسلمان ہو جائیں گے، یہود میں جو مخالفت کریں گے قتل کر دیئے جائیں گے، باقی مسلمان ہو جائیں گے، اس وقت کفر اپنی تمام قسموں کے ساتھ دنیا سے فنا کر دیا جائے گا۔

اوراس زمین پرصرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی۔

ابوہریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ: **عن النبی ﷺ انه قال لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیقتلن الدجال ولیقتلن الخنزیر ولیکسرن الصلیب وتکون السجدة واحدةلله رب العالمین.**

ثم قال ابوھریرةؓ ،واقرؤوا ان شئتم ،وان من اھل الکتاب الالیؤمنن به قبل موته ،قال ابوھریرةؓ ،قبل موت عیسٰی ،یعیدھاثلاث مرات ۔(قرطبی)۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام ایک عادل حکمران بن کرضرور نازل ہونگے ،وہ دجال اورخنزیر کوقتل کردیں گے ،صلیب کوتھوڑ ڈالیں گے،اور اس وقت عبادت صرف پروردگارعالم کی ہوگی،اس کے بعدابوہریرہؓ نے فرمایااگرتم چاہوتو قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو،جس میں اسی حقیقت کا ذکرکیا گیاہے،کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا،مگر یہ کہ وہ ان پران کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا،آپ نے فرمایاعیسٰی علیہ السلام کی موت سے پہلے، اوریہ تین باران الفاظ کودہرایا۔

آیت مذکورہ کی یہ تفسیرایک جلیل القدرصحابی ابوہریرہؓ سے بروایت صحیحہ ثابت ہے ،جس میں ''قبل موتہ'' سے مرادقبل موت عیسٰی علیہ السلام قراردیاہے،جس نے آیت کامفہوم واضح طورپرمتعین کردیا،کہ یہ ایت قرب قیامت میں عیسٰی علیہ السلام کے نازل ہونے کے متعلق ہے،اس تفسیرکی بناء پر یہ آیت ناطق ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی، بلکہ قیامت کےقریب جب وہ آسمان سے نازل ہونگے ،اوران کےنزول سےاللہ جل شانہ کی جوحکمتیں وابستہ ہیں وہ حکمتیں پوری ہوجائیں گی،تب اس زمین پرہی ان کی وفات ہوگی۔

اس کی تائیدسورۂ زخرف کی اس آیت سےبھی ہوتی ہے:﴿ **وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ** ﴾(٦١)۔یعنی عیسٰی علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں،پس تم قیامت کےآنے میں شک مت کرو،اورمیرا کہامانو!

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں پرلکھاہے کہ''انہ'' کی ضمیرعیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہے،اورمعنی یہ ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام قیامت کی ایک علامت ہیں،اس سےمعلوم ہوا کہ اس آیت میں عیسٰی علیہ السلام کےنزول کی خبردی گئی ہے،کہ قیامت کےقریب نازل ہونگے ،اوران کا آنا قیامت کی علامات میں سے ہوگا۔اس آیت میں ایک=

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

سی) پاکیزہ چیزیں جوان کوحلال تھیں ان پرحرام کردیں اوراس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اوراس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سُود لیتے تھے اوراس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے

وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ

اوران میں سے جوکافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔مگر جولوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں

=دوسری قرأت "لَعَلَمٌ" بھی منقول ہے،اس سے یہ معنی زیادہ واضح ہوجاتے ہیں، کیونکہ علم بفتح اللام کے معنی علامت کے ہیں،ابن عباسؓ کی تفسیر بھی اس کی مؤید ہے:عن ابن عباسؓ فی قولہ "وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ "قال خروج عیسٰی علیه السلام قبل یوم القیامة .

ابن عباسؓ سے "إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ " کے بارے میں منقول ہے، کہ اس سے عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں، جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔(ابن کثیر)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایت مذکورہ "قبل موته" کے ساتھ جب ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح کے ساتھ تفسیر کوشامل کیا جائے،تواس سے واضح طور پر عیسٰی علیہ السلام کا زندہ ہونا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہوکر یہود پر مکمل غلبہ پانا ثابت ہوجاتا ہے،اسی طرح آیت "إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَة " سے بھی حسب تفسیر ابن عباسؓ کا یہ مضمون یقینی ہوجاتا ہے،امام ابن کثیر نے ایت "إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَة" کی تفسیر میں لکھا ہے:وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسٰی علیه السلام قبل یوم القیامة امام عادلا(ابن کثیر)۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں، کہ آپ ﷺ نے قیامت سے پہلے عیسٰی علیہ السلام کے دنیامیں نازل ہونے کی خبردی ہے،ان روایات متواترہ کوشاہ انوشاہ کشمیری نے جمع فرمایا،جن کی تعداد سو١٠٠ سے زائد ہیں۔اور والدمحترم نے بھی اپنی کتاب "انکار حدیث سے انکار قرآن تک" میں جمع کی ہیں۔

مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَا أُنۡزِلَ إِلَيۡكَ وَمَا أُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ

اور جو مومن ہیں وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں

وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡآخِرِ

اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت کو مانتے ہیں ۔

أُوۡلٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ أَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿١٦٢﴾ إِنَّا أَوۡحَيۡنَا إِلَيۡكَ كَمَا أَوۡحَيۡنَا

انکو ہم عنقریب اجرِ عظیم دیں گے ۔ (اے محمدؐ!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح

إِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡ بَعۡدِهٖ وَأَوۡحَيۡنَا إِلٰى إِبۡرَاهِيۡمَ وَإِسۡمَاعِيۡلَ وَإِسۡحَاقَ

نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡأَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَأَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهَارُوۡنَ وَسُلَيۡمَانَ وَآتَيۡنَا

یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی

دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنَاهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ

اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی ۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں

وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿١٦٤﴾

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے اور موسیٰ سے تو اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں ۔

رُّسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعۡدَ الرُّسُلِ

(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ

لوگوں کواللہ پرالزام کا موقع نہ رہے اوراللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔[22]لیکن اللہ نے جو(کتاب)تم پرنازل کی ہے

---

[22] ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اورعدی بن زید نے کہا اے محمدﷺ !ہم نہیں مانتے کہ موسی علیہ السلام کے بعد اللہ تعالی نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو،اس پر یہ آیات اتریں۔محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں جب آیت ''یسئلک اھل الکتاب'' سے '' عظیما''تک اتری،اور یہودیوں کے برے اعمال کا ایئنہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا،توانہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پراللہ نے کوئی اپنا کلام نازل نہیں فرمایا،نہ موسیٰ علیہ السلام پر،اورنہ عیسیٰ علیہ السلام پر،اورنہ کسی اور نبی پر۔آپﷺ اس وقت گوٹ لگائے لیٹے تھے اسے آپﷺ نے کھول دیااورفرمایاکسی پربھی نہیں؟۔پس اللہ تعالی نے ایت:''و مــاقـدرو االلہ''الایۃ، نازل فرمائی،لیکن یہ قول تأمل طلب ہے،اس لئے کہ یہ ایت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے،اورسورۂ نساء کی مندرجہ بالا ایت مدنیہ ہے،جوان کے ردمیں ہے،جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اسمان سے کوئی کتاب آپ اتارلائیں،جس کی جواب میں فرمایا گیا کہ موسی علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا پھران کے عیوب بیان فرمائے،اوران کی پہلی اوراب کی سیاہ کاریاں کھولیں،پھرفرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندے اوررسول اللہﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے،جس طرح اورانبیاء کی طرف زبوراس کتاب کا نام ہے جوداؤدعلیہ السلام پراتری تھی،

پھرفرماتا ہے اس ایت:یعنی مکی سورت کی ایت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کانہیں بھی ہوا،جن انبیاء علیہم السلام کے نام قران کے لفظوں میں آگئے ہیں یہ ہیں آدم علیہ السلام،ادریس،نوح، ھود،ابراہیم،لوط اسمٰعیل،اسحاق،یعقوب،یوسف،شعیب موسی،ہارون،یونس،داوٗد،سلیمان،الیسع،زکریا،عیسیٰ،یحیٰ علیہم السلام،اوربقول اکثر مفسرین ذوالکفل،ایوب،اورالیاس علیہم السلام اوران سب کے سردار محمدﷺ۔

اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کاذکرقرآن میں نہیں کیا گیا۔اسی وجہ سے انبیاء اورمرسلین کے تعداد میں اختلاف ہے۔اس بارے مشہورحدیث ابوذرؓ کی ہے جوتفسیرابن مردویہ میں یوں ہے:کہ آپ نے پوچھایارسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟فرمایاایک لاکھ چوبیس ہزار،میں نے پوچھا کہ ان میں رسول کتنے ہیں؟فرمایا تین سوتیرہ،بہت بڑی جماعت۔ میں نے دریافت کیا،سب سے پہلے کونسے ہیں؟فرمایاادم علیہ السلام،میں نے کہا کیاوہ بھی رسول تھے؟فرمایاہاں،اللہ =

بِـمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَآئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے [23]

=تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھران میں اپنی روح پھونکی، پھر درست اور ٹھیک ٹاک کیا، پھر فرمایا ای ابوذر! چار سریانی ہیں، آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، اور نوح علیہ السلام، اور خنوخ علیہ السلام، جن کا مشہور نام ادریس علیہ السلام ہے، انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، اور تمہارے نبی ﷺ۔ اے ابوذر! بنو اسرائیل میں پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور اخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تمام نبیوں میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام ہے اور سب سے اخری تمہارے نبی ہیں۔ ابن کثیر۔

اور یہ حدیث دوسری سند سے ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں، اور قاسم بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں، اور ایک حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں، چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف، یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زیدی اور اس کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں، واللہ اعلم۔

ابویعلی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں، ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آئے، ان کے بعد میں آیا ہوں، اور حدیث میں ہے، کہ میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں، جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہے اور سند میں کوئی خوف نہیں بجز احمد بن طارق کے، ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی۔ مسند احمد: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

[23] **عن ابی هريرةؓ عن رسول اللهﷺ انه ذكر رجلامن بنی اسرائیل، سأل بعض بنی اسرائیل، ان يسلفه الف دينارفقال ائتنی بالشهداء اشهدهم، فقال كفی بالله شهيدا، قال فأتنی بالكفيل قال كفی بالله كفيلا، قال قال صدقت، فدفعهااليه الی اجل مسمی، فخرج فی البحرفقضی حاجته ثم التمس مركبايركبها، يقدم عليه للاجل الذی اجّله، فلم يجدمركبافاخذخشبة فنقرهافدخل فيها الف**

دینارو صحیفة منه الی صاحبه، ثم زجج موضعها،ثم اتی بها الی البحرفقال اللهم انک تعلم انی کنت تسلفت فلاناالف دینارفسألنی کفیلافقلت کفی باللہ کفیلافرضی بک، وسألنی شهیدافقلت کفی باللہ شهیدا ،فرضی بک ،وانی جهدت ان اجدمرکباابعث الیه الذی له فلم اقدر،وانی استودعکها،فرمی بهافی البحرحتی ولجت فیه ،ثم انصرف وهوفی ذلک یلتمس مرکبا،یخرج الی بلده فخرج الرجل الذی کان اسلفه ینظر ،لعل مرکباقدجاء بماله فاذابالخشبة التی فیها المال،فاخذلاهله حطبا،فلمانشرهاوجدالمال و الصحیفة ،ثم قدم الذی کان اسلفه فاتی بالف دینار،فقال واللہ مازلت جاهدافی طلب مرکب لآتیک بمالک فماوجدت مرکباقبل الذی اتیت فیه ،قال هل کنت بعثت الیّ بشیءٍ؟ قال اخبرک، انی لم اجدمرکباقبل الذی جئت فیه ،قال فان اللہ قدادی عنک الذی بعثت فی الخشبة فانصرف بالف الدینارراشدا.(بخاری کتاب الکفالة: ۲۲۹۱).

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا،انہوں نے بنی اسرائیل کے دوسرے شخص سے ہزار اشرفیاں قرض مانگیں،اس نے کہا اچھا گواہوں کو بلا لا،تا کہ میں ان کے سامنے دوں،ان کو گواہ کروں،اس نے کہا! اللہ کی گواہی بس کرتی ہے،اس نے کہا سچ کہتا ہے، پھر اس نے کہا اچھا،ضمانت دے،اس نے کہا اللہ کی ضمانت بس کرتی ہے ،اس نے کہا سچ کہتا ہے ،اور ہزار اشرفیاں اس کو وعدے پر دے دیں، پھر جس نے قرض لیا تھا،اس نے سمندر کا سفر کیا،اور اپنا کام پورا کر کے یہ چاہا کہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وعدہ پر پہنچ جائے ،(اور قرض ادا کرے)لیکن کوئی جہاز نہ ملا،آخر اس نے ایک لکڑی کریدی ،اس میں ہزار اشرفیاں اور ایک خط رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا اور سمندر پر آیا۔ کہنے لگا کہ، یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلانے شخص سے ہزار اشرفیاں قرض لی تھیں،اس نے مجھ سے ضمانت مانگی تو میں نے کہا تھا کہ تیری ضمانت بس کرتی ہے،وہ اس پر راضی ہو گیا تھا،اور اس نے مجھ سے گواہ بھی مانگے تھے میں نے کہا تھا تیری گواہی بس کرتی ہے،وہ اس پر راضی ہو گیا تھا، میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز ملے، میں اس کا قرض (وعدے پر)ادا کردوں،لیکن میں کیا کروں جہاز ہی نہیں ملا،اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں (تو پہنچا دے) یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی وہ ڈوب گئی، اور لوٹ کر چلا آیا،اس وقت وہ شخص بھی جہاز ڈھونڈتا رہا،جس نے قرض دیا تھا،وہ سمندر پر اس خیال سے گیا،کہ شاید کوئی جہاز آئے اور اس کا روپیہ لائے،=

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا
جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑے
بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے اللہ اُن کو بخشنے والا نہیں
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ط وَكَانَ
اور نہ اُنہیں رستہ ہی دکھائے گا ۔ ہاں دوزخ کا رستہ جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہ (بات)
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
اللہ کو آسان ہے ۔ لوگو! اللہ کے پیغمبر تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں
مِنْ رَّبِّكُمْ فَآمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط وَإِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
تو (ان پر) ایمان لاؤ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں

=اتنے میں ایک لکڑی اس کودکھلائی دی،اس نے جلانے کے لئے اٹھالی، جب اس کو چیرا تواشرفیاں پائیں خط بھی ملا، پھروہ شخص آن پہنچا جس نے قرض لیا تھا،اور(دوبارہ)ہزار اشرفیاں لایااورعذر کرنے لگا،اللہ کی قسم ، میں جہاز ڈھونڈتا رہا کہ تمہارا قرض ادا کروں، مگر جس جہاز میں آیا اس سے پہلے کوئی جہاز نہ ملا،تب قرض خواہ نے کہا تو نے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟ اس نے کہا میں کہوں، بات یہ ہے کہ جب اس سے پہلے کوئی جہاز مجھ کو نہ ملا تو میں نے ایک لکڑی میں اشرفیاں رکھ کر ڈال دی تھیں،قرض خواہ کہنے لگا،اللہ نے وہ اشرفیاں پہنچادیں، جوتو نے لکڑی میں رکھ بھیجی تھیں، پھر وہ اشرفیاں لے کراطمینان کے ساتھ لوٹ گیا۔

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ
اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔ اے اہل کتاب!
لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی
اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ
ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ
(نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا
وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ
اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین (ہیں اس اعتقاد سے)
اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں
وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ
اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔[24] مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے

---

[24] اس ایت میں اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا، غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں، اور امام جصاص نے احکام القران میں فرمایا ہے: الغلو فی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق فیه۔ یعنی دین کے بارے میں غلو یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے، اہل کتاب یہود و نصاری دونوں کو اس حکم کا مخاطب اس لئے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے، اور یہ دونوں فرقے غلو فی الدین ہی کا شکار ہیں، کیونکہ نصاری نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو الہ یا اللہ کا بیٹا یا تیسرا، الہ، بنا دیا، اور یہود نے ان کے نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا، کہ ان کو رسول اللہ ﷺ بھی نہ مانا بلکہ معاذ اللہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بتول پر تہمت لگائی

اوران کے نسب پر عیب لگایا۔

چونکہ غلو فی الدین کے سبب یہود و نصاری کی گمراہی اور تباہی مشاہدہ میں آ چکی تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی، مسند احمد میں عمر فاروق کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لاتطرونی کمااطرت النصاری عیسٰی بن مریم، فانماانا عبد، فقولوا عبداللہ ورسولہ** ۔یعنی میری مدح وثناء میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے عیسٰی بن مریم کے معاملہ میں کیا ہے، خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔اس روایت کو بخاری نے: کتاب الأنبیاء: ۲۰۴، و مسند احمد: ۱/۳۲۳، میں نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ **غلو فی الدین** وہ تباکن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کر دیا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس وباء عظیم سے بچانے کے لئے مکمل تدبیریں فرمائیں۔حدیث میں ہے کہ حج کے موقعہ پر رسول پاک ﷺ نے رمی جمرات کے لئے عبداللہ بن عباس ؓ کو فرمایا کہ آپ ﷺ کے واسطے کنکریاں جمع کرلائیں، انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کردیں، آپ ﷺ نے ان کو بہت پسند فرما کر دو مرتبہ فرمایا: **بمثلهن بمثلهن** یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہیے پھر فرمایا: **ایاکم و الغلو فی الدین فانماهلک من کان قبلکم بالغلو فی دینهم. مسنداحمد: ۳/ ۳۵۰، وابن ماجه: ۳۰۲۹، وابویعلی: ۲۴۲۷۔**

"**وکلمته**" اس لفظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں، مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

۱۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہے، اور دوسرا اللہ تعالی کا کلمہ "کن" فرمانا، جس کے بعد وہ بچہ وجود میں آ جاتا ہے، عیسٰی علیہ السلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل **منتفی** ہے اس لئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطے کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں، اس صورت میں "**القاهاالی مریم**" کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالی نے یہ کلمہ مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجہ میں عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آ گئی۔

۲۔ بعض نے فرمایا کہ "**کلمة الله**" **بشارة الله** کے معنی میں ہے، اور مراد اس سے عیسٰی علیہ السلام ہیں، اللہ تعالی نے فرشتوں کے ذریعہ مریم علیہا السلام کو عیسٰی علیہ السلام کی بشارت دی تھی اس میں "کلمہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، **اذقالت الملائکة یٰمریم ان الله یبشرک بکلمة**۔

۳۔ بعض نے فرمایا کلمۃ ایت ونشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ یہ لفظ آیہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، **وصدقت بکلمات ربھا(تحریم: ۱۲)**۔

"**وروح منہ**" اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ عیسٰی علیہ السلام کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ اللہ جل شانہ کے طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں:

بعض نے فرمایا عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شی کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے، تو مبالغہ کے لئے اس پر روح کا اطلاق کردیا جاتا ہے، عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش میں چونکہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا۔ اور وہ صرف اللہ جل شانہ کے ارادہ اور کلمہ "کن" کا نتیجہ تھے، اس لئے اپنی طہارت ونظافت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا، اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم وتشریف کے لئے ہے، جس طرح مساجد کی تعظیم کے لئے ان کی نسبت اللہ کی طرف کردی جاتی ہے "مساجد اللہ" یا کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے "بیت اللہ" کہا جاتا ہے، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں نبی کریم ﷺ کے لئے یہ صیغہ استعمال کیا گیا ہے، "**اسری بعبدہ**"۔

۲۔ بعض علماء نے فرمایا عیسٰی علیہ السلام کی بعثت کا حکمت یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ دلوں میں روحانی حیات ڈال کر پھر زندہ کردیں۔ چونکہ وہ روحانی حیات کا سبب تھے، جس طرح روح جسمانی حیات کا سبب ہوا کرتی ہے، اس لئے اس اعتبار سے ان کو روح کہا گیا، جیسا کہ خود قرآن کریم کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے "**وکذلک اوحینا الیک روحامن امرنا(شوری: ۵۲)**: کیونکہ قرآن کریم بھی روحانی حیات بخشتا ہے۔

۳۔ بعض نے فرمایا کہ روح کا استعمال راز کے معنی میں ہوتا ہے عیسٰی علیہ السلام اپنی عجیب وغریب پیدائش کی وجہ سے چونکہ اللہ جل شانہ کے ایک نشانی اور راز تھے اس لئے انہیں "روح اللہ" کہا گیا۔

۴۔ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں تھی: **ذوروح منہ**، اور چونکہ ذی روح ہونے میں سب حیوان برابر ہیں اس لئے عیسٰی علیہ السلام کا امتیاز اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کی نسبت اللہ جل شانہ نے اپنی طرف کردی۔

۵ ایک قول یہ بھی ہے کہ روح "نفخ" پھونک کے معنی میں ہے، جبرئیل علیہ السلام نے مریم کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک دیا تھا، اور اسی سے حمل قرار پا گیا۔ چونکہ عیسٰی علیہ السلام بطور معجزہ کے صرف نفخ سے پیدا ہو گئے تھے، اس

لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا۔قران کریم کی دوسری آیت: فنفخنافیھامن روحنا(انبیاء: ۹۱) سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد احتمالات بیان کئے گئے ہیں، بہرحال اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ کا ایک جز ہے، اور یہی روح عیسٰی علیہ السلام کی انسانی شکل میں ظاہر ہوگئی ہے۔

علامہ الوسیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہاروں الرشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے علی بن حسین واقدی سے مناظرہ کیا، اوران سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام، اللہ تعالی کا جز ہیں، اور دلیل میں یہ آیت پڑھ دی جس میں "روح منہ" کے الفاظ ہیں۔واقدیؒ نے ان کے جواب میں ایک دوسرے ایت پڑھ دی وسخرلکم مافی السمٰوات و مافی الارض جمیعامنه(الجاثية:۱۳) اس ایت میں کہا گیا ہے کہ اسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی اللہ سے ہے۔اور منہ کے ذریعہ سے سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے، اور فرمایا کہ روح منہ کا مطلب یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام، اللہ تعالی کا جزو ہیں، تو اس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا جزو ہے؟ یہ جواب سنکر نصرانی طبیب لاجواب ہوا ، اور مسلمان ہوگیا۔

ولاتقولواثلاثة: نزول قران کے وقت نصاری جن بڑے بڑے فرقوں میں تقسیم تھے تثلیث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پرمبنی تھا۔ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین اللہ ہیں ، اوراللہ ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے، دوسرے فرقہ کا کہنا یہ تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے اور تیسرا فرقہ یہ دعوی کرتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے، باپ، بیٹا ، مریم۔ اس جماعت میں بھی دو گروہ تھے دوسرا گروہ مریم کی جگہ روح القدس کو اقتوم ثالث کہتا تھا، غرض یہ لوگ مسیح علیہ السلام ثالث ثلاثہ تسلیم کرتے تھے، اس لئے قران کریم میں تینوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے، اور یکجا بھی ،

اور نصارٰی پر یہ واضح کردیا گیا ہے، کہ حق ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مسیح علیہ السلام مریم علیہ السلام کے بطن سے پیدا شدہ انسان اور اللہ کے سچے رسول ہیں، اس سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے سب باطل اور لغوہ ہے، خواہ اس میں تفریط ہو، جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے، کہ العیاذ باللہ وہ شعبدہ باز اور مفتری تھے، یا افراط جیسا کہ نصاری کا عقیدہ ہے، کہ وہ اللہ ہیں ، یا اللہ کے بیٹے ہیں، یا تین میں کے تیسرے ہیں۔

أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ
کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجبِ عار سمجھے
وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا
اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَأَمَّا الَّذِيْنَ
وہ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے)
اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
عار و انکار اور تکبر کیا وہ اُن کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا
اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آ چکی ہے
وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ
اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دُور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے
وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
اور اُس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے اُن کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا
وَّيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي
اور اپنی طرف سیدھا رستہ دکھائے گا۔ (اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکمِ (الٰہی) دریافت
الْكَلٰلَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ
کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو

وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا

(اور نہ ماں باپ) اور اس کے بہن ہوں تو اُس کے بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا اور اگر بہن مر جائے

إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

اور اس کی اولاد نہ ہو تو اُس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی

الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

کے ترکے میں سے دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں

الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

کے حصے کے برابر ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے [25]

---

[25] اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مونث نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک (اعیانی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا (یعنی بعد حقوق متقدمہ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا ورنہ پھر اسی پر رد ہو جائے گا) اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا۔ اگر (وہ بہن مر جائے اور) اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر (ایسی) بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے (اور ایک تہائی عصبہ کو، ورنہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا) اور اگر (ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث) وارث چند (یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی) بھائی بہن ہوں مرد اور عورت، تو (ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا) کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر (یعنی بھائی کو دوہرا بہن کو اکہرا، لیکن اعیانی بہن سے علاتی بھائی بہن سب ساقط ہو جاتے ہیں، اور اعیانی بہن سے کبھی وہ ساقط ہو جاتے کبھی حصہ گھٹ جاتا ہے)، روایت احمد میں ہے: کہ قال عمر بن الخطابؓ ماسألت رسول اللهﷺ عن شیئ اکثر مماسألته عن الکلالة حتی طعن باصبعه فی صدری، وقال یکفیک آیة الصیف التی فی آخر سورة النساء۔ (مسند احمد رقم: ۸۹)۔ عمرؓ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں، میں نے جس قدر سوالات رسول اللہﷺ سے کئے، اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے، یہاں تک کہ آپﷺ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا! کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔

سورة المائدة

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو تمہارے لئے چارپائے جانورحلال کر دیئے گئے ہیں

اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا

بجز اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرامِ (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے

يُرِيۡدُ ۞[۱] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ

مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا

وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ

اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں

وَلَاۤ آٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ

اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار رہوں

وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ

اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں

الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى

عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْأِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو
إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ
کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ۔تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سؤر کا گوشت
الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو
وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ
اور وہ جانور بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ تیر سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔
اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ
آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں تو اُن سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو
اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ
اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف
لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ
مائل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کیلئے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو

الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ

کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہوا

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھا لیا کرو

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہلِ کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)

الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ

جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ

نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان سے منکر ہو

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴿۵﴾

اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا ۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ

مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو

إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) [۱]

[۱] اس آیت کریمہ میں فرضیت وضوء کا ذکر ہے، اوراس میں چار چیزیں فرض ہیں، وضوء میں باقی امور مسنون ومستحب ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ اور ایک قرأت میں ارجلکم مجرور ہے، جس سے بعضوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ پاؤں کا حکم بھی مثل سر کے مسح ہے، لیکن چونکہ دو قرأتوں کا مثل دو آیتوں کے متوافق ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ متحد المعنی ہونا ضرور ہے، اور ان میں تعارض محال ہے، اس لئے لا محالة غسل ارجل اور مسح ارجل سے ایک ہی معنی مراد ہونگے۔

اور ابوزید انصاری وغیرہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ مسح بمعنی غسل آتا ہے، چنانچہ ''متوضی'' کو ''متمسح'' کہتے ہیں، اور مسح الارض المطر بولتے ہیں، جبکہ بارش سے زمین دھل جاوے۔ پھر احادیث صحیحہ غسل ارجل پر متفق ہیں، اور حدیث شیخین میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر ''ویل للاعقاب'' (یہ حدیث متفق علیہ ہے، مسلم نے طہارت: ۲۴۲، اور بخاری نے وضوء: ۱۶۳، میں نقل کیا ہے) سے نار کی وعید فرمانا: مصرح ہے، جس سے عدم جواز مسح کالشمس فی النہار واضح ہے۔

پھر اہل حق کا اس پر اجماع بھی ہے، اس لئے مسح ارجل غسل پر محمول کیا جاوے گا، اور ایک ''امسحوا'' مقدر کر لیا جاوے گا تا کہ امسحوا الملفوظ میں جمع بین الحقیقة والمجاز لازم نہ آوے، اور اس صورت میں نکتہ لفظ ''مسح'' لانے میں یہ اشارہ ہوگا کہ پاؤں دھونے میں جیسا عادت ہے اسراف پانی کا نہ کریں۔ یا جر جوار کا کہا جاوے، اور یہ کہنا کہ عطف میں جر جوار نہیں ہوتا، غیر مسلم ہے، چنانچہ نابغہ کے شعر میں موثق اسیر پر معطوف ہے، اور پھر بھی مجرور ہے۔ لم یبق الاّ اسیر غیر منفلّت، وموثق فی حبال القد مجنوب خوب سمجھ لو! اور پوری بحث اس کی روح المعانی میں ہے۔

اور ایک مشہور تاویل یہ بھی ہے کہ یہ اس حالت پر محمول ہے، جب پاؤں میں خف (موزے) یا جراب

ہوں،موزوں کا مسئلہ تو تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک ثابت اور متفق علیہ ہے۔تفسیر مواہب الرحمٰن ۔لیکن جرابوں پرمسح کرنے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے،تحقیق مسئلہ کے لئے ہماری جامعہ سے ایک فتویٰ دیا گیا ہے جوناظرین کے لئے حرف بحرف نقل کرتے ہیں: جرابوں پرمسح کرنا جائز ہے اس کے متعلق رسول اللہﷺ سے کئی روایات منقول ہیں۔اور بعض صحابہ کرام سے یہ عمل منقول ہے،ہم تفصیل کے ساتھ جواب صادر فرماتے ہیں،تاکہ معترضین کے اعتراضات اور شبہات کی قلع قمع ہوجائے۔

(۱) عـن المغيـــــرة بن شعبة، أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين.

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے وضوء فرمایا،اور جوربین اور نعلین یعنی (جوتے) پر مسح فرمایا۔(**ابـوداؤد مـع الـمـنهـل :۲/۱۳۴،والترمذى مع التحفة : ۱/۳۴۳ ، كتاب الطهارة.وابن ماجه : ۱/۱۵۹ كتاب الـطهــــــــارة وسننها با ب المسح على الجوربين والنعلين .والنسائى : ۱/۸۳ ، كتاب الطهارة، وأحمد :۴/۲۵۲،وابن خزيمة : ۱/۹۹، وعبدبن حميد ،صـ۱۵۲ ۔**

اس حدیث پر کچھ اعتراضات ہیں جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے کئے ہیں۔پہلا یہ کہ **قـال أبـوداؤد، كـان عبدالرحمن بن مهدى لايحدث بهذا الحديث، لأن المعروف عن المغيرة أن النبىﷺ مسح على الخفين .:۲/۱۳۶ .**

اور دوسرااعتراض یہ ہے، **قـال البيهـقى فى السنن، أما المسح على الجوربين، فقد روى ابو قيس الاودى عن هزيل ابن شرحبيل عن المغيرة بن شعبةؓ، ان النبىﷺ مسح عـلـى جـوربيـه ونـعـليـه، وذاک حـديث منكر ،ضعّفه سفيان الثورى وعبدالرحمن بن مهـدى واحـمـد بن حنبلؒ....الخ.** تو اس تضعیف سے ابن ترکمانی الحنفی جواب فرماتے ہیں۔ **قـلـت هـذا الـخبـر أخـرجـه أبـوداؤد وسـكـت عنه، وصـحـحه ابن حبان ،وقال الترمذى حسن صـحـيـح ،وأبـوقيـس عـبـدالـرحـمـن بن ثروان ،وثقه ابن معين، وقال العجلى ثقة ثبت، وهـزيل وثقه العجلى ،وأخرج لهما معا البخارى فى صحيحه ،ثم انهما لم يخالفا الناس مـخـالفة معارضة ، بل رويا أمرا زائدا على مارووه بطريق مستقل غير معارض، فيحمل**

علی انهما حدیثان .(الجوھر النقی مع السنن : ۱/ ۳۸۴.) اوراسی طرح ابن دقیق العید بھی فرماتے ہیں ۔بأن من یصححه یعتمد بعد تعدیل أبی قیس علی کونه لیس مخالفا لروایة الجمهور مخالفة معارضة ، بل هوأمر زائد علی مارووه، ولایعارضه، ولاسیما وهو طریق مستقل بروایة هزیل عن المغیرةؓ ،ولم یشارک المشهورات فی سندها. اورمحمود سبکی نے شرح ابوداؤد میں لکھا ہے۔والعمدة فی الجواز علی هؤلاء ،لاعلی حدیث أبی قیس مع أن المنازعین فی المسح متناقضون، فانهم لوکان هذاالحدیث من جانبهم لقالوا هذه زیادة والزیادة من الثقة مقبولة، ولایلتفتون الی ماذکروه ههنا من تفرد أبی قیس، فاذا کان الحدیث مخالفا لهم أعلوه بتفرد راویه ،ولم یقولوا زیادة الثقة مقبولة،کماهو موجود فی تصرفاتهم ،والانصاف ان تکتال لمنازعک بالصاع الذی تکتال به لنفسک، فان فی کل شئی وفاء وتطفیفا، ونحن لانرضی بهذه الطریقة .

وأجیب، عن قول مسلم، لایترک ظاهر القرآن بمثل أبی قیس وهزیل ،بجوابین.(احدهما) أن ظاهر القرآن لاینفی المسح علی الجوربین، کما لاینفی المسح علی الخفین.

(الثانی)ان الذین سمعوا القرآن من النبی ﷺ وعرفوا تأویله، مسحوا علی الجوربین، وهم أعلم الامة بظاهر القرآن ،ومراد الله تعالی منه، افاده ابن قیم.(أبوداؤد مع المنهل : ۲/ ۱۳۷ ،وتهذیب السنن لابن قیم : ۱/ ۱۲۲).وقال احمد شاکر فی تصحیح هذاالحدیث فی مقدمة الرسالة المسمی ب... المسح علی الجوربین .فی ص ۱۰ .صنیع الترمذی فی تصحیح هذا الحدیث مصاب، وهذا حدیث آخر غیر حدیث المسح علی الخفین. اوراسی طرح شرح ترمذی میں ان اعتراضات کے جوابات میں رقم طراز ہیں ۔ ولیس الامر کما قال هؤلاء الائمة، والصواب صنیع الترمذی فی تصحیح هذا

الحديث ، وهو حديث آخر غير حديث المسح على الخفين. وقد روى الناس عن المغيرة أحاديث المسح في الوضوء، فمنهم من روى المسح على الخفين ،ومنهم من روى المسح على العمامة، ومنهم من روى المسح على الجوربين، وليس شئى منها بمخالف للأخر، اذ هي احاديث متعددة، وروايات عن حوادث مختلفة. والمغيرة صحب النبيﷺ نحو خمس سنين، فمن المعقول أن يشهد من النبيﷺ وقائع متعددة في وضوءه ، ويحكيها فيسمع بعض الرواة منه شيئا ويسمع غيره شياء آخر، وهذا واضح بديهي. (شرح ترمذي لأحمد شاكر : ١/١٦٨)

روایت نمبر ٢ : عن أبي موسىٰ الأشعري أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين. (ابن ماجة : ١/٣٠٢) اس روایت پرابوداؤدان الفاظ میں اعتراض کرتا ہے۔قال أبوداؤد، وروى هذا الحديث عن ابي موسىٰ الأشعري عن النبي ﷺ أنه مسح على الجوربين، وليس بالمتصل، ولابالقوى (ابوداؤدمع المنھل :١/١٣٧)ابوداؤد کے اعتراضات کا حاصل یہ ہے۔کہ اس میں دوعلتیں ہیں۔(١) یہ کہ یہ حدیث متصل نہیں، بلکہ منقطع ہے،یعنی ضحاک بن عبدالرحمٰن کا ابوموسیٰ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے،اور(٢) یہ کہ اس حدیث کی سند میں راوی عیسٰی بن سنان ہے، جوکہ ضعیف ہے۔

تو پہلی اعتراض سے جواب یہ ہے، کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کا سننا ابوموسیٰؓ سے ثابت ہے، جیسا کہ بدرالدین عینی نے شرح ابوداؤد میں لکھا ہے،اس اعتراض کونقل کرنے کے بعد۔ قلت قال عبدالغنى في الكمال، ضحاك بن عبدالرحمن بن عرزب سمع اباه وابامو سى الأشعري واباهريرة (١/٣٧٧) اوراسی طرح تہذیب الکمال میں ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب کے ترجمہ میں ہے۔روى عن أبي موسىٰ عبدالله بن قيس الأشعري. وأبيه عبدالرحمن بن عزرب، وعبدالرحمن بن غنم الأشعري، وعبدالرحمن بن أبي ليلى، وأبي هريرة،(تهذيب الكمال

:۳ ۱ / ۰ ۷ ۲) اوراسی طرح امام بخاری اپنی مشہور کتاب التاریخ الکبیر میں لکھتا ہے. حدثنا ضحاک بن عبدالرحمن بن عرزب الأشعری سمع أباموسیٰ، امام بخاری نے اسی سند کونقل کرتے ہوئے آگے لکھا ہے،عیسٰی بن سنان عن ضحاک بن عبدالرحمن عن أبی موسیٰ فی المسح ،تابعه معلیٰ (۳۳۳/۴) تواس سے ثابت ہوا کہ اُبوداوَداور بیھقی وغیرہ کا قول صحیح نہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب،کہ عیسٰی بن سنان ضعیف ہے۔یہ ہے کہ اس کا ضعف متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے،جیسا کہ علامہ عینی نے مذکوررہ کتاب میں لکھا ہے۔وقال ایضا فی ترجمة عیسٰی بن سنان، قال یحی بن معین ثقة.(ص۳۷۷ج۱۳) اورتھذیب الکمال میں بھی یحی بن معین کا قول نقل ہے کہ هو ثقة. (ص۶۰۸ج۲۲)اورعجلی سے نقل کرتا ہے کہ لابأس به۔جیسا کہ عجلی نے اپنے کتاب الثقات ص۴۴، میں بھی اسی طرح کہا ہے۔اورابن خراش سے نقل کرتا ہے کہ صدوق۔اورابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں نقل کیا ہے،امام ذھبی اس کے متعلق لکھتا ہے۔وهو ممن یکتب حدیثه علی لینه، وقواه بعضهم یسیرا. (میزان:۳/ ۳۱۲)تواس سے معلوم ہوا کہ یہ ساقط الاعتبار نہیں،اوراسکا حکم مختلف فیہ راوی کا ہے۔جوکہ ہرذی علم کومعلوم ہے۔

بعض اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے جوربین منعلین مراد ہیں۔اورمطلق جوربین نہیں ہے۔تواسکا جواب سبکی اورابن قیمؒ نے کیا ہے۔(شرح ابوداوَد للسبکی :۱۳۶/۲،تھذیب لابن قیم:۱۲۲/۱)ابن قیمؒ اولاًاعتراض نقل کرتا ہے۔ وتأوّل الاستاذ أبوالولید حدیث المسح علی الجوربین والنعلین، علی أنه مسح علی جوربین منعلین، لانه جورب علی الانفراد، ونعل علی الانفراد. توجواب میں لکھتا ہے قلت هذا مبنی علی أنه یستحب مسح أعلی الخف وأسفله، والبیان فی ذالک ، والظاهر أنه مسح علی الجوربین الملبوس علیهما نعلان منفصلا ن،هذا المفهوم منه فانه فصّل بینهما وجعلهما سنتین ولوکان جوربین منعلین لقال مسح علی الجوربین المنعلین، وایضا فان الجلد الذی فی أسفل الجورب

لایسمی نعلا فی لغة العرب ولاأطلق علیه أحد هذا الاسم.وایضا فالمنقول عن عمر بن الـخـطاب فی ذالک أنه مسح علی سیور النعل ألتی علی ظاهر القدم مع الجورب فأما أسـفـلـه وعقبه فلا.وفیه وجه آخر أنه یمسح علی الجورب وأسفل النعل وعقبه.وایضا فـان تـجلید أسافل الجوربین لایخرجهما عن کونهما جوربین ولایؤثر اشتراط ذالک فـی الـمسـح.وای فـرق بین أن یکونا مجلدین اوغیرمجلدین.(تهذیب السنن لابن قیم :۱/۱۲۳) اوراس اعتراض سے ابن ترکمانی نے بھی جواب کیا ہے۔ قـلـت ،الـحـدیـث ورد بعطف الـنـعـلیـن عـلـی الـجـوربین وهو یقتضی المغائرة، فلفظه مخالف لهذا التاویل.(جوهر النقی : ۱/۲۸۵)

روایت۳: . عـن کـعـب بـن عـجـــرة عن بلال قال، کان رسول الله ﷺ یمسح علی الخفین والجوربین .(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱/۳۵۱،والاوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳).

روایت۴: . عـن کـعـب بن عبدالله قال رأیت علیا بال، فمسح علی جوربیه ونعلیه، ثم قـام یـصـلـی.مـصـنف عبـدالـرزاق : ۱/۱۹۹،وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۸.وبیهقی : ۱/۲۸۵، والأوسط : ۱/۴۶۲)

روایت۵: عـن أبـی الجلاس عن ابن عمر أنه کان یمسح علی جوربیه ونعلیه.(مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۹، ۲۰۱،وابن ابی شیبة: ۱/۱۹۰، والاسط: ۱/۴۶۳).

روایت۶:عـن خالد بن سعد قال کان أبو مسعود الانصاری یمسح علی جوربین له من شعر ونعلیه. (مصنف عبدالرزاق : ۱/۱۹۹).

روایت۷:عـن اسـمـاعیـل بـن رجـاء عـن أبیـه قال رأیت البراء بن عازب یمسح علی جــوربیــه ونـعـلیــه.(مـصـنف عبـدالـرزاق: ۱/ ۲۰۰، وابـن ابـی شیبة: ۱/۱۸۹ ،وبیهـقـی : ۱/۲۸۵،والاوسط: ۱/۴۶۳)

روایت۸: عن قتادة عن أنس بن مالک أنه کان یمسح علی الجوربین ؟قال نعم، یمسح علیها مثل الخفین.(مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۰، وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۸، بیهقی: ۱/۲۸۵،الاوسط: ۱/۴۶۲)

روایت۹:. عن ابراهیم عن ابن مسعود، کان یمسح علی خفیه ویمسح علی جوربیه.(مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۱،وابن ابی شیبة:۱/۱۸۵،طبرانی فی المعجم الکبیر : ۹/۲۸۸).

روایت ۱۰:. عن ابی غالب عن ابی امامة انه کان یمسح علی الجوربین والخفین والعمامة. (الاوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳،ابن ابی شیبة: ۱/ ۱۸۸)

روایت ۱۱: عن مطرف قال دخلت علی عمار فرأیت یتوضأ ویمسح علی الجوربین.(الاوسط : ۱/۴۶۳).

روایت۱۲:.عن أبی حازم قال رأیت سهلا یمسح علی الجوربین.(الاوسط: ۱/۴۶۳، وابن ابی شیبة : ۱/۱۸۸)

روایت ۱۳: عن جلاس ابن عمرو ،أن عمرؓ توضا یوم جمعة ومسح علی جوربیه ونعلیه.(مصنف ابن ابی شیبة: ۱/۱۸۸) .

روایت۱۴: عن اسماعیل بن امیة قال بلغنی عن سعد بن أبی وقاص، کان لایری بالمسح علی الجوربین بأسا.(مصنف ابن ابی شبیة : ۱/۱۸۹) .

اس کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ نے اور صحابہ کرامؓ کے نام بھی ذکر کئے ہیں،لیکن چونکہ ان صحابہ کرام کے روایات سنداہمیں معلوم نہیں،اسی وجہ سے ہم نے اسکا ذکر کرنا چھوڑ دیا،کیونکہ مذکورہ بالا جن صحابہ کرام سے ہم نے روایات نقل کی ہیں،ان سب کے اسناد مذکورہ کتابوں میں موجود ہیں۔

اور بعض لوگ یہ اعتراض بھی پیش کرتے ہیں،کہ ہم ان روایات کی وجہ سے قرآن کے ظاہر کو نہیں چھوڑ

سکتے، تو اس کا جواب پہلے اجمالاً گزر چکا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ آیات **عام مخصوص عنه البعض** ہے، یعنی روایات **مسح علی الخفین** سے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ **عام مخصوص عنه البعض** کا حکم ظنی جیسا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ارجلکم میں دو قرأت ہیں، ایک زبر کے ساتھ، اس کا معنی پاؤں دھونا ہے۔ اور دوسری قرأت زیر کیساتھ ہے، اور یہ قرأت بھی مشہور ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر ص۴۶۹ ج۴، ملاحظہ کیجئے۔ تو اس قرأت سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے مسح علی الجوربین والخفین مراد ہے۔ جیسا کہ کتاب العدۃ میں امیر صنعانی رقمطراز ہیں۔ **ولایخفی ان التعارض انما هو علی قرأة نصب الارجل ،لاعلی قرأة جرها،وقال القائلون بجوازه ،لیس بین الایة والاثار تعارض. لأن الامر بالغسل انما هومتوجه الی من لاخف له .والرخصة انما هی.للابس الخف. وقیل أن التاویل قرأة الارجل بالخفض هو المسح علی الخفین، فتكون الأیة بقرأة النصب افادة ایجاب الغسل مطلقا، ثم خصت الاطلاق قراء ة الجر انما یجب علی من لاخف له.وبین ذالک فعله ﷺ (العدةص ۲۹۹ ج ۱).**

اور اسی طرح ابن جریر بہت لمبی تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھتا ہے۔ **ولو صح ذالک عن النبی ﷺ كان جائزا أن یكون مسح علی نعلیه وهما ملبوسان فوق الجوربین. (تفسیر ابن جریر: ۴۷۷/۴).**

تو مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ مسح علی الجوربین جائز اور مسنون ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو منع کا جو قول منسوب ہے، وہ صحیح نہیں، جیسا کہ صاحب مبسوط نے امام صاحب کا قول مفصل نقل کیا ہے، لکھتا ہے "**وان كانا ثخینین غیر منعلین، لایجوز المسح علیهما عند ابی حنیفة رحمه الله، لان مواظبة المشی بهما سفرا غیر ممكن ،فكان بمنزلة الجورب الرقیق، وعلی قول ابی یوسف محمدؒ یجوز المسح علیهما، وحكی أن ابا حنیفة فی مرضه مسح علی جوربیه، ثم قال لعوّاده فعلت ماكنت امنع الناس عنه، فاستدلوا به علی رجوعه، وحجتهما حدیث ابی موسیٰ**

الاشعری رضی الله عنه وارضاه أن النبیﷺ مسح علی جوربیه، وقد روی المسح علی الجورب عن ابی بکرؓ، وعلیؓ، وانسؓ،(مبسوط : ۱/۱۰۲).

اوراسی طرح امام ترمذی نے بھی امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ قال ابو عیسٰی سمعت صالح بن محمد الترمذی قال سمعت ابامقاتل السمرقندی یقول دخلت علی ابی حنیفة فی مرضه الذی مات فیه ، فدعا بماء فتوضأ وعلیه جوربان فمسح علیهما. ثم قال فعلت الیوم شیئا لم أکن أفعله، مسحت علی الجوربین وهما غیر منعّلین(ترمذی نسخه محققه مع التحفة: ۱/۳۵۰ ، ونسخه محققه لاحمد شاکر : ۱/۱۶۹).

اوراسی طرح امام طحاویؒ نے بھی فرمایا ہے لانری بأسا بالمسح علی الجوربین اذاکان صفیقتین ،قد قال ذالک ابویوسف ومحمد، وأما أبوحنیفة فانه کان لایری ذالک حتی یکونا صفیقتین ویکونا مجلدین. (شرح معانی الاثار: ۱/۱۲۷). تواس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علماءاحناف وغیرھم کے نزدیک بھی مسح علی الجوربین جائز ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ جرابیں موٹی ہونگی، منعل ہونگی، اور پھٹی ہوئی نہ ہوں، یہ سب قیودات ایسی ہیں کہ ان پر کوئی دلیل نہیں۔ اور نصوص کو اپنی جانب سے مقید کرنا ہے۔ جوکہ علماء اصول کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسلئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک ایسے جراب پہنے ہوئے ہوں (علماء لغت جراب کی تفسیر لفافة الرجل کے ساتھ کرتے ہیں، قاموس وغیرہ) کہ جن پر جراب کا اطلاق ہوتا ہو۔ خواہ پھٹے ہوئے ہوں، موٹے ہوں، باریک ہوں، منعل ہوں، غیر منعل ہوں، ان سب پر مسح جائز ہے۔

اور یہ اعتراض کہ رسول اللہﷺ کے زمانے میں باریک کپڑے نہ تھے، سب کے سب موٹے کپڑے تھے، تولہذا یہ قید (موٹے) خود بخود آ گیا کیونکہ یہ واقع تھا اور یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں، تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اعتراض ان لوگوں کا ہے جن کا احادیث رسول اللہﷺ سے کوئی واسطہ نہیں، احادیث میں رسول

اللہ ﷺ کے زمانے میں باریک کپڑوں کے وجود کا بھی ذکر ملتا ہے، ہم بطور نمونہ چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

(۱)عن دحية بن خليفة الكلبي أنه قال أُتى رسول الله ﷺ بقباطى، فأعطانى منها قبطية ،فقال اصدعها صدعين ،فأقطع أحدهما قميصا واعط الآخر امرأتك تختمر به، فلما أدبر قال وأمر امرأتك أن تجعل تحته ثوبا لايصفها. قبطی وہ کپڑا ہے کہ مصر میں بنتا تھا، شراح حدیث اس لفظ کی تشریح میں لکھتے ہیں، القباطى بفتح القاف وموحدة وكسر طاء مهملة وتحتية مشددة، جمع قبطية ،وهى على مافى النهاية، ثوب من ثياب مصر رقيقة بيضاء ،كأنه منسوب الى القبط ، وهم أهل مصر. اور لايصفها کی تشریح میں لکھتے ہیں. اى لاينعتها ولايبين لون بشرتها لكون ذالك القبطى رقيقا ، اس حدیث کوابوداؤد نے كتاب اللباس باب فى القباطى للنساء: ۱۳۶/۱۱، مع العون. میں نقل کیا ہے۔

(۲)عن زيادبن كسيب العدوى قال كنت مع أبى بكرة تحت منبر ابن عامر، وهو يخطب وعليه ثياب رقاق، فقال أبو بلال أنظر وا، الى أميرنا يلبس ثياب الفساق (الحديث) اس حدیث کوامام ترمذی نے نقل کیا ہے(باب ماجاء فى الخلفاء:۳/ ۲۲۹مع التحفة).

(۳) اورحدیث اسماءؓ جوکہ ابوداؤد میں ہے: عن عائشة رضى الله عنها ان اسماء بنت ابى بكر دخلت على رسول الله ﷺ وعليها ثياب رقاق، فاعرض عنها رسول الله ﷺ، وقال يااسماء! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلُح لها.(لم تَصلِح) ان يرى منها الا هذا وهذا. واشارالى وجهه وكفيه.(ابوداؤد:۴/ ۲۹).

(۴) اورایک اورروایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے .عن مالک عن علقمة بن ابى علقمة عن امه انها قالت دخلت حفصة بنت عبدالرحمن على عائشة زوج النبى ﷺ وعلى حفصة خمار رقيق. فشقه عائشة .وكستها خمارا كثيفا.(موطأ امام مالک : ۵۶۱).هذا ماعندى (والله اعلم بالصواب).

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنتُمْ مَّرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ

اور اگرنہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے

مِّنكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

بیت الخلاء میں سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا

حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو ۔

﴿۶﴾ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ

اور اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور اُس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۷﴾

کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا اور اللہ سے ڈرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر

شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ

آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا

کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے ۔ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے ۔ اور جنہوں نے کفر کیا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں ۔ اے ایمان والو!
اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَّبْسُطُوْا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں
فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
تو اس نے اُن کے ہاتھ روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہئیے
وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ط
اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور اُن میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے
وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ
پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دُور کر دوں گا
وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ
وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا ۔ تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو

ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو

إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّا نَصٰرٰى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان میں

إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾

قیامت تک کیلئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔

يٰۤأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخرالزماں) آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتابِ (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ

وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں

قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتٰبٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے ۔[۲]

---

[۲] اس ایت میں ''نور'' سے مراد کتاب مبین یعنی قران مجید ہے، اورعطف تفسیری ہے، و المراد به وبقوله ''کتاب مبین'' القران لمافیه من کشف ظلمات الشرک ،و الشک، وابانة ماخفی علی الناس من الحق، والاعجازالبین، و العطف لتنزیل المغایرة بالعنوان، له المغایرة بالذات (ابو سعود: ۳/۵۴۳) یعنی نوراور کتاب سے قران مراد ہے کیونکہ اس سے شرک وشبہات کے اندھیرے دور ہوتے ہیں ۔اورلوگوں پرحق واضح ہوتا ہے باقی رہی یہ بات کہ معطوف علیہ اورمعطوف میں تغایرضروری ہے، تواس کا جواب یہ ہے کہ تغایر فی العنوان کافی ہے۔اس کے بعد کتاب کی تین صفتیں بیان فرمائیں:

اول: ''یهدی به الله'' الایة'' من اتبع رضوانه''''یهدی'' کا مفعول اول ہے، اور''سبل السلام ''اس کا مفعول ثانی ہے، جولوگ اللہ کی رضامندی کی متلاشی ہیں، ان کو وہ اس کتاب کے ذریعہ سلامتی کی راہوں تک پہنچادیتا ہے۔جن پرچل کر وہ اللہ کے رضا حاصل کرسکتے ہیں۔

دوئم: ''ویخرجهم من الظلمات الی النور'' اوراپنی توفیق اورتائید سے ان کوشرک اورگمراہی کے اندھیروں سے نکال کرتوحید وہدایت کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

سوئم: ''ویهدیهم الی صراط مستقیم'' اوران کوصراط مستقیم (سیدھی راہ) دکھاتا ہے، جن پرتمام انبیاء علیہم السلام خود گامزن رہے۔اورجس کی طرف اپنی امتوں کودعوت دیتے رہے۔

لفظ ''نور'' کی تحقیق

بعض لوگ جوعلم ودیانت سے بے بہرہ ہیں، اورقران مجید کواپنی تحریفات کا نشانہ بنانا ہی جن کا سرمایہ دین ہے، کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کونور فرمایا ہے، تواس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بشر نہیں ہیں، اورآپ ﷺ کے جسد اطہر کا سایہ نہیں تھا۔کیونکہ بشریت اورنور میں تضاد ہے، اورنور کا سایہ نہیں ہوتا۔اس کے دو جواب

ہیں: پہلا جواب اس آیت میں نور سے رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد نہیں بلکہ اس سے قران مجید مراد ہے، جیسا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس دو چیزیں آئی ہیں، ایک نبی کریم ﷺ، دوم قران مجید، رسول پاک ﷺ کی آمد کا ذکر، اس سے قبل ﴿ یااھل الکتاب قدجاء کم رسولنا ﴾ سے فرمایا، اور دوسری چیز یعنی قران مجید کا ذکر ﴿قدجاء کم من الله نورو کتاب مبین ﴾ سے فرمایا "کتاب مبین" کا عطف "نور" پر عطف تفسیری ہے۔ متعدد مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے۔ ابوسعود کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ امام نفسی حنفی فرماتے ہیں: یرید القران لکشفه ظلمات الشرک و الشک ولابانته ماکان خافیاعلی الناس من الحق :مدارک.

قاضی ثناءاللہ فرماتے ہیں: وجازان یکون العطف تفسیریا، وسمی محمد ﷺ و القران نورا لکونهما کاشفین لظلمات الکفر :مظهری، بحر، جیسا کہ سورۂ حدید میں فرمایا: "وانزلنامعهم الکتاب و المیزان" (حدید: ۲۵) یہاں بھی عطف تفسیری ہے، اور "المیزان" سے "الکتاب" مراد ہے، اور اگر واو کو عاطفہ ہی قرار دیا جائے تو اس صورت میں وہ ایک ہی چیز (قران) کے دو متغایر وصف (نور اور کتاب مبین) بیان کرنے کیلئے ہوگی، قران نور ہے کیونکہ اس سے کفر وشرک وشبہات اور شکوک کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، نیز وہ کتاب مبین ہے، یعنی حق وباطل کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے، کہ ہر شخص بخوبی ان میں امتیاز کرسکتا ہے، قران مجید کو اللہ تعالی نے کئی بار نور سے تعبیر فرمایا مثلا ارشاد ہے: ﴿وانزلنا الیکم نورامبینا﴾ (نساء: ۱۷۴) اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا: ﴿فامنوا بالله ورسوله و النور الذی انزلنا﴾ (تغابن: ۸)۔ ان دونوں آیتوں میں نور سے لامحالہ قران مجید ہی مراد ہے۔

دوسرا جواب: اگر سیاق وسباق کے خلاف اس ایت میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہی مراد لی جائے، تو بھی ان کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ نہ اس سے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار ثابت ہوتا ہے، نہ آپ ﷺ کے سایہ کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ لفظ نور کا اپ ﷺ کے ذات اقدس پر اطلاق بطور تشبیہ واستعارہ ہے، جس سے آپ ﷺ کی شان رہنمائی اور وصف ہدایت کو نمایاں کرنا مقصود ہے، جس طرح نور (روشنی) سے اندھیرا زائل ہوجاتا ہے اور ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے کفر وشرک اور ضلالت وجہالت کے اندھیریں دور ہوتے ہیں، اور صراط مستقیم صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ کو نور اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کی ذات نور ہے بشر نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کو نور اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفت نور ہے، آپ ﷺ کے ذریعے کفر وشرک کا اندھیرا دور ہوا، اور راہ حق واضح ہوئی، جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامہ خازن لکھتے ہیں: یعنی محمدﷺ "انما سماہ نورا لانہ یھتدی بالنور فی الظلام" : خازن، امام نسفی فرماتے ہیں او النور محمدﷺ لانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام کما سمی سراجا. مدارک، جن مفسرین نے نور سے محمدﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے، ان میں سے کسی نے بھی اس سے آپﷺ کی بشریت یا آپﷺ کے سایہ کی نفی پر استدلال نہیں کیا، بلکہ سب نے اس اطلاق کو استعارہ قرار دیکر اس سے نور ہدایت یعنی ہدایت کی روشنی مراد لی ہے۔

مزید تفصیل اس مسئلے کا یہ ہے، کہ جتنے انبیاء گذر گئے ہیں وہ بشر تھے، دیکھئے سوۃ ال عمران: ۷۹،۸۰۔انعام: ۹۱، ابراہیم: ۱۰،۱۱، بنی اسرائیل: ۹۳، تا۹۶، اور ۶۱ ص، ۷۱تا۷۶، اورسورۂ حجر ۲۸ تا ۳۳، اعراف ۱۲،۶۳، ۶۹، ال عمران ۵۹، ھود ۲۷، مومنون: ۲۴، ۳۳، ۳۴، ۴۷شعراء، ۱۸۶، ۱۵۴، سورۂ قمر ۲۴، مریم: ۳۳، یس: ۱۵، ان دلائل سے یہ بات بخوبی واضح ہوچکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے، اور نبی کریمﷺ تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں، لہذا اللہ تعالی نے ان کو بھی انسان بنایا، اور انسان ہونے کے ناطے اللہ تعالی نے ان کو بہت ہی زیادہ بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی ہے، یہاں تک کہ تمام انبیاء کرام پر اللہ تعالی نے ان کو فضیلت عطا فرمائی ہے، نبیﷺ کو اللہ تعالی نے جو مقام عطا فرمایا ہے وہ انسان ہونے کی وجہ سے ہے قران کریم میں خاص دلائل بھی ہیں کہ رسول اللہﷺ بشر تھے۔ ملاحظہ کیجئے سورۂ بنی اسرائیل ۹۳ کہف: ۱۱۰، فرقان: ۷، ۲۰حم سجدہ: ٦، ال عمران، ۱۶۴، سورۂ جمعہ: ۲، سورۂ بقرہ، ۱۲۹، ۱۵۱، یونس: ۲ص: ۴، توبہ، ۱۲۸،

احادیث اس باب میں زیادہ ہے بطور نمونہ ہم چند روایات پیش کرتے ہیں: ایک روایت متفق علیہ، خ، ۴۰۱، م: ۵۷۲/۸۹، جوکہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہﷺ نماز میں بھول گئے تو نماز پوری کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: انماانابشر مثلکم انسیٰ کماتنسون فاذانسیت فذکّرونی ۔ میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا میں جب بھول جایا کروں تو تم مجھ کو یاددلا دیا کرو۔

ایک دوسری روایت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ: نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: وانماانابشر وانکم تختصمون الی، ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض، فاقضی لہ علی نحو مااسمع منہ، فمن قضیت لہ بشیء من حق اخیہ، فلایأخذنّہ، فانمااقطع لہ قطعۃ من النار ۔ یعنی میں ایک انسان ہی تو ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو،

اور اس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، مگر یہ سمجھ لو! کہ اگر اس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیز تم نے میرے فیصلہ کے ذریعے حاصل کی، تو دراصل تم جہنم کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے۔ یہ روایت بخاری نے :۲۴۵۸، میں اور مسلم نے :۱۷۱۳/۴، ابوداؤد :۳۵۸۳، نسائی :۲۳۳/۸، ترمذی :۱۳۳۹، اور ابن ماجہ نے : ۲۳۱۷، میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ روایات زیادہ ہیں، صرف حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ابو ہریرؓ سے روایت ہے جو کہ صحیح مسلم نے :۶۶۲۲، میں اور احمد نے :۴۹۳/۲، میں نقل کیا ہے، ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت ہے جو کہ صحیح مسلم نے ۶۶۱۶، میں اور مسند احمد نے :۴۰۰/۳، میں اور ابن ابی شیبہ: نے ۳۳۹/۱۰، میں نقل کیا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے مسلم :۶۶۲۸، میں ایک طویل حدیث منقول ہے، اور مسند احمد نے :۱۰۷/۶، میں۔

اخر میں ہم وہ مشہور روایت جو کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد فرمایا تھا کہ: **الا یا ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یأتینی رسول ربی عزوجل فاجیب. مسلم : ۲۷۹/۲ مسند احمد: ۳۶۶/۴ ، سنن دارمی: ۳۲۴ سنن کبری للبیهقی: ۱۱۴/۱۰** ۔ خبردار لوگو! میں ایک بشر ہی ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس رب کا قاصد (ملک الموت) آ جائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔

جبکہ صحابہ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کو بشر مانتے تھے۔ مستدرک حاکم :۱۰۵۱، ۱۰۶، میں عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے: چند قریشی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے کہا اپ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھتے ہیں، **و رسول اللہ ﷺ بشر یتکلم فی الرضاء و الغضب** ۔ الحدیث، یعنی رسول اللہ ﷺ ایک بشر ہیں اپ ﷺ خوشی اور غصہ میں بھی کلام کرتے ہیں۔ جناب عبداللہ بن عباسؓ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی تھے: **ان رسول اللہ ﷺ قدمات و انہ بشر: سنن الدارمی: ۸۳** ۔ بیشک رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک بشر ہی تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ عائشہؓ نے فرمایا **کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ و یحلب شاتہ و یخدم نفسہ (مسند احمد: ۲۵۶/۶ الصحیحة: ۶۷۱)** رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے آپ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوئیں نکالتے، اور اپنے بکری کا دودھ خود دودھ لیتے، اور اپنی خدمت خود کرتے تھے۔ صحیح ابن حبان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: **ما کان الا بشرا من البشر** ۔ آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے (رقم: ۲۱۳۶)۔

بعض لوگ مذکورہ ایت کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے لئے استدلال کرتے ہیں، لیکن غور طلب بات ہے کہ اس ایت کا یہ اتنا بڑا حصہ لوگوں کے سامنے کیوں تلاوت نہیں کیا جاتا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس حصہ کو بیان کرنے سے وہ پول کھل جاتا ہے، کہ جس کے لئے اس کو تلاوت نہیں کیا جاتا۔ اس ایت سے ظاہر ہے کہ اس کے پہلے بڑے حصہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر الگ اور مستقل طور پر کیا گیا ہے، اودوسرے حصہ میں صرف قران کریم کا ذکر ہے کیونکہ قران کریم خودنور بھی ہے اور مضامین کوکھول کر بیان بھی کرتا ہے اوردوسرے مقامات پراس کی وضاحت موجود ہے۔ جیسا کہ سورت اعراف:۱۵۷،تغابن:۸ ،النساء:۱۷۴ قران کریم میں عموماً نور سے مراد نور ہدایت یعنی ہدایت کا نور ہے اورمتعدد مقامات پرنور کا انہیں معنوں میں استعمال ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ:۲۵۷ مائدہ:۴۴، ۴۶ سورۂ نور: ۳۵۔

اور رسول اللہ ﷺ بھی نور ہدایت تھے۔ جن آیات اور روایات میں بعض مفسرین اورعلماء نے نور سے رسول اللہ ﷺ مراد لیا ہے تو اس کا یہی معنی ہے۔

باقی یہ لوگ کچھ بے سروپا روایات سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ یہ روایت مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یاجابرؓ !ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک، الحدیث۔

یعنی اے جابرؓ! بیشک اللہ تعالی نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کا نور پیدا کیا، یہ روایت زرقانی نے:۱/۵۴ ،اورصاحب نشر الطیب نے:۱۶، میں نقل کیا ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی سند کسی کو معلوم نہیں، علامہ البانی نے فرمایا ہے: کہ میں نے بہت کوشش کی کہ اس روایت کی سند کہیں سے مل جائے لیکن پوری کوشش کے باوجود مجھے نہیں ملا۔

بعض نے اس روایت کوامام عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ روایت ان کی مصنّف اور تفسیر دونوں میں موجود نہیں ہے، البتہ اب مصنّف کا ایک جلد بنام(**الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنّف**) چھپ چکا ہے، اور یہ حدیث اس جزء کی ،ص:۶۴ ، میں موجود ہے، لیکن یہ جزء مصنّف کا نہیں، بلکہ بعض مبتدعین نے امام عبدالرزاق کوغلط منسوب کیا ہے، اورامام کو اس کی نسبت صحیح نہیں، بلکہ بعض مبتدعین محرّفین کا اختراع ہے، جیسا کہ اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے، اوراس کے رد کے لئے شیخ تکلہ کی کتاب "**مـجـمـوع فی کشف هذا الجزء المفقود المزعوم**" زیادہ مشہور ومعروف ہے۔ یہ حدیث دراصل شیعہ مذہب کی مشہور کتاب اصول کافی:۲/۳۲۸، میں ذکر کی گئی ہے۔

عـن جـابـربـن يـزيـدقـال قـال لی ابو جعفرياجابران اول ماخَلَقَ، خَلْقَ محمدﷺ، وعترته الـمهـداة المهتدين فكانوا اشباح نور بين يدی الله، الخ ۔یعنی جابر بن یزید بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر

نے کہا اے جابر! اللہ تعالی نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے محمد ﷺ اوران کی ہدایت یافتہ اولاد (ائمہ) کو پیدا کیا، پس ان کے نور کے (یعنی نورانی) وجوداللہ تعالی کے سامنے تھے۔

جبکہ ایک اورروایت: ۳۲۵/۲، میں نقل کرتا ہے کہ قال اللہ تبارک وتعالی یامحمدانی خلقتک وعلیاً نوراً، یعنی روحا بلابدن ۔یعنی اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ میں نے تجھے اورعلیؓ کونور سے پیدا کیا ہے، یعنی روح بلا بدن۔ (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک نور سے مرادروح ہے)۔

امام سیوطیؒ نے ایک روایت ذیل اللالی المصنوعۃ: ۵۰، میں ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر، ۔یعنی اللہ تعالی نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا، اورابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا، اورعمر کوابوبکر کے نور سے پیدا کیا، اورمیری امت کوعمر کے نور سے پیدا کیا۔

امام سیوطیؒ اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، یہ روایت باطل ہے اس کی سند میں ابومعشر، وابوشعیب اور الہیثم متروک رواۃ ہیں۔علامہ محمد طاہر الفتنی تذکرۃ الموضوعات: ۸۶، میں اور شوکانی فوائد مجموعہ: ۳۲۶، میں اورعلی القاری موضوعات کبری: ۱۱۹، میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ انامن نوراللہ، والمومنون منی، اور یہ تمام ناقلین فرماتے ہیں کہ انہ کذب مختلق موضوع یعنی یہ ایک گھڑاہوا جھوٹ ہے، اس کا کوئی سندنہیں۔جبکہ اصل کتاب میں لفظ ''انامن اللہ'' ہے نور کا لفظ نہیں۔اوراس حدیث کی رد کے لئے شیخ غماری کی کتاب مرشدالحائر کافی شافی ہے، جس کسی کا شک ہو، وہ اس کا مطالع کرے، جبکہ محمد صالحی الشامی، سبل الہدی: ۶۹/۱، میں کچھ روایات نقل کرتے ہیں: روی الحافظ محمدبن عمرالعدنی، شیخ مسلم، فی مسندہ عن ابن عباسؓ ان قریشا، ای المسعدۃ بالاسلام، کانت نورابین یدی اللہ تعالی قبل ان یخلق آدم بالفی عام، یسبح ذلک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ. قال ابن القطان: فیجمع من ھذامع مافی حدیث علی، ان النور النبوی جُسّم بعدخلقہ باثنی عشر الف عام، وزیدفیہ سائرقریش، وانطق بالتسبیح، انتھٰی۔

وقداشارعمہ العباسؓ الی ذلک فیمارواہ الطبرانی ان سیدنا العباسؓ قال: یارسول اللہ انی اریدان امتدحک، فقال لہ رسول اللہ ﷺ قل: لایفضض اللہ فاک، فقال رضی اللہ عنہ.

وانت لماولدت اشرقت الارض وضائت بنورک الافق

ونحن فی ذلک الضیاء وفی النور وسبل الرشادنحترق

عبداللہ بن عباسؓ والی روایت کوشرف المصطفی میں خرکوشی نے :۱/۳۰۴، میں نقل کیا ہے،جس میں کچھ ایسے الفاظ ہیں:انہ قال، ان قریشاکانت نورابین یدی اللہ عزوجل قبل ان یخلق آدم بالفی عام، الخ ۔جبکہ اس روایت کو بوصیری نے کتاب الاتحاف:۹/۷،اور ابن حجر نے :مطالب عالیہ:۴/۱۷۷، میں نقل کیا ہے، اس کے سند میں عبداللہ بن فرات راوی ہے، جوکہ مجہول ہے ۔اورعثمان بن داوٗد بھی مجہول ہے ،اورضحاک،عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتا ہے جس میں انقطاع ہے۔اوراس کے بعدعلیؓ والی روایت :۱/۳۰۷، میں نقل کرتے ہیں ، یہ روایت بہت لمبی نقل کیا ہے،لیکن اس سند میں بھی انقطاع ہے، اس لئے کہ مصنف کا عبداللہ بن مبارک سے ملاقات نہیں ہوئی ۔اوراس کے علاوہ اس کی صحیح سند کہیں نہ ملی ۔جبکہ خرکوشی:۱/۳۰۰،کعب الاحبار سے ایک لمبی روایت نقل کرتے ہیں۔جس میں وہ فرماتے ہیں :هل تدرون ماهذه؟ فيهاصفة رسول اللهﷺ،ان اللهتبارک وتعالی لماارادان یخلق محمداﷺامرجبرئيل عليه السلام ان يأتيه بالقبضة البيضاء التى هى نور الارض، فهبط جبرئيل مع الملائكة فقبض قبضة من موضع قبره ،وهى يومئذبيضا،نقية، فعجنت حتى جعلت كالدرة البيضاء ،ثم غمست فى كل انهار الجنة، وطيف بهافى السمٰوات و الارضين و البحار،فعرفت الملائكة محمداﷺوفضله، قبل ان تعرف آدم عليه السلام ،فلماخلق اللهتعالى آدم عليه السلام سمع فى تخطيط جبهته كَنَشِيش الذر،فقال ماهذا؟ قال الله تعالى هذاتسبيح سيدولدک فخذه بعهدى وميثاقى ولاتودعه الافى الاصلاب الطاهرين .وكان نورمحمدﷺ يرى فى دائرة عرة جبين آدم عليه السلام.الخ.

اس روایت سے نور کا معنی معلوم ہوا کہ جن روایات میں محمدﷺ یاامت یاقریش وغیرہ کے متعلق نور کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ صاف مٹی ہے زمین کا ،جس سے اللہ تعالی نے ان کو پیدا کیا۔اس کی تائیدصالحی کی یہ عبارت بھی کرتا ہے:روى ابوسعد النيسابورى فى الشرف: ۱/۳۰۱، وابن الجوزى فى الوفاء، عن كعب الاحبارقال لماارادالله‌سبحانه وتعالى ان يخلق محمداﷺامرجبرئيل ان يأتيه بالطينة التى هى قلب الارض وبهاؤها،ونورها، فهبط جبرئيل فى ملائكة الفردوس وملائكة الرفيق الاعلى فقبض قبضة رسول اللهﷺ من موضع قبره الشريف وهى بيضاء نيرة فعجنت بماء التسنيم فى معين انهار الجنة

حتی صارت کالدرة البیضاء لھاشعاع عظیم۔

یااس نور سے نور ایمانی مراد ہے جوکہ اللہ تعالی نے فطرت میں تمام مومنوں کودیا،جبکہ انبیاءعلیہم السلام کو باعتبار رتبہ زیادہ دیا۔یہ مسئلہ اس روایت میں خوب واضح ہے: عن ابی ھریرہؓ قال قال رسول اللہﷺلماخلق اللہ آدم مسح ظھرہ،فسقط عن ظھرہ کل نسمة ھوخالقھامن ذریته الی یوم القیامة ،وجعل بین عینی کل انسان منھم وبیصامن نور،ثم عرضھم علی آدم، فقال ای رب من ھؤلاء ؟قال داود ،فقال رب!کم جعلت عمرہ؟قال ستین سنة ،قال:رب زدہ من عمری اربعین سنة ،قال رسول اللہﷺفلماانقضی عمر آدم الاالاربعین ،جاءہ ملک الموت، فقال آدم اولم یبق من عمری اربعون سنة؟قال اولم تعطھاابنک داود؟فجحدآدم فجحدت ذریته ،ونسی آدم فاکل من الشجرة فنسیت ذریته، وخطئ وخطئت ذریته.(الترمذی:۳۰۷۶،حاکم:۲/۵۸۵،۵۸۶)۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا،اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔اس کی پشت سے ہر ایک جان گر پڑی ،جس کو اللہ تعالی نے قیامت تک پیدا کرنا تھا۔ ہر آدمی کی انکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔پھر ان کو آدم علیہ السلام کے سامنے کیا،اس نے کہا!اے میرے پروردگار!یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا! تیری اولاد ہے، پس ایک آدمی ان میں دیکھا،اس کی انکھوں کی چمک بہت بھلی معلوم ہوئی، کہا!اے میرے پروردگا یہ کون ہے؟فرمایا یہ داودعلیہ السلام ہے ۔کہا!اے پروردگارتونے اس کی عمرکتنی مقررکی ہے؟ فرمایا!ساٹھ برس۔کہا!اے میرے رب میری عمر کے چالیس سال اس کی عمر میں زیادہ کردے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی ساری عمر ختم ہوگئی اور چالیس برس رہ گئے ،اس کے پاس موت کا فرشتہ آیا،آدم علیہ السلام نے کہا،میری عمر کے چالیس سال نہیں باقی رہتے؟ اس نے کہا کیا تونے اپنے بیٹے داؤدکونہیں دے دیئے تھے؟ آدم علیہ السلام نے انکارکردیا،اس کی اولاد بھی انکارکرتی ہے۔آدم علیہ السلام بھول گئے، درخت کھالیا،اس کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔آدم علیہ السلام نے خطا کی اس کی اولاد بھی خطاء کرتی ہے۔

اسی طرح ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ:عن ابی الدرداء عن النبیﷺقال خلق اللہ آدم حین خلقه، فضرب کتفه الیمنی فاخرج ذریة بیضاء کانھم الذر، وضرب کتفه الیسری فاخرج ذریة سوداء کانھم الحمم، فقال للذی فی یمینه الی الجنة ولاابالی ،وقال للذی فی کتفه الیسری الی

النار ولا ابالی ۔ابوالدرداءؓ سے روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس کے دائیں کندھے کو مارا، اس سے سفید اولاد نکالی، گویا کہ وہ چیونٹیاں ہیں، پھر بائیں کندھے پر مارا، اس کی سیاہ اولاد نکالی گویا کہ وہ کوئلہ ہیں۔ یہ روایت امام احمد نے: ۶/۴۴۱، میں نقل کیا ہے۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۷/۱۸۵، میں بحوالہ بزار وطبرانی نقل کیا ہے۔ اس اولاد کے لئے کہا جو دائیں طرف تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے، اور میں پرواہ نہیں کرتا، اور اس اولاد کے لئے کہا جو بائیں کندھے سے نکلی تھی، یہ آگ میں جائیں گے، میں پرواہ نہیں کرتا۔ علی القاریؒ مرقات: ۱/۱۸۹، میں یہاں لفظ ''بیضاء'' کا معنی نور سے کرتا ہے، اور پھر فرماتا ہے کہ پہلے روایت جس میں لفظ ''**وبیضا من نور**'' کا ذکر تھا، دونوں روایات ایک ہی ہیں۔

امام ترمذیؒ نے: (۲۶۴۲) عبداللہ بن عمروؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: **سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله خلق خلقه فى ظلمة فالقى عليهم من نوره، فمن اصابه من ذلك النور اهتدى، ومن اخطأه أضل، فلذلک اقول: جف القلم على علم الله** ۔یعنی عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے، اللہ نے اپنی مخلوق اندھیرے میں پیدا کیا، اور پھر ان پر اپنا کچھ نور ڈالا، لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آ گئی، وہ راہ راست پر لگ گیا، اور جس کو نور نہ پہنچا گمراہ ہوگیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں، اللہ کے علم پر قلم خشک ہوا۔ ترمذی کے علاوہ اس روایت کو امام احمد نے: ۲/۱۷۶، ۱۹۷، اور حاکم نے مستدرک: ۱/۳۰، میں نقل کیا ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۳/۳۱۰، میں عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: **قالت استعرت من حفصة بنت رواحة ابرة، كنت اخيط بها ثوب رسول الله ﷺ، فسقطت منى الابرة فطلبتها فلم اقدر عليها، فدخل رسول الله ﷺ، فتبينت الابرة من شعاع نور وجهه، فضحكت، فقال: ياحميراء لم ضحكت؟ قلت: كان كيت وكيت، فنادى باعلى صوته ياعائشة! الويل ثم الويل ثلاثا لمن حرم النظر الى هذ الوجه، مامن مومن ولا كافر الا ويشتهى ان ينظر الى وجهى** ۔یعنی فرماتی ہیں: کہ میں نے حفصہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سینے کے لئے سوئی مانگی، تو مجھ سے گم ہوگئی، کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکی، کچھ دیر بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی روشنی کی وجہ سے وہ سوئی مجھے نظر آ گئی، تو میں ہنس پڑی، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اے حمیرا! کیوں ہنسی؟ تو میں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا، نبی کریم ﷺ نے تین بار باواز بلند فرمایا! اے عائشہ! ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس چہرے کے دیدار سے محروم ہوئے۔ یہ روایت ضعیف

ہے، اس لئے کہ محمد بن اسحاق نے اس روایت کو ''عن'' کے ساتھ یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، اور اس کا عنعنہ باتفاق علماء علت قادحہ ہے۔ تفصیل کے لئے سیر اعلام النبلاء: ۷/۴۰ اور تہذیب التہذیب: ۷/۳۵، دیکھئے۔

اور اس کا شاگرد سلمہ بن الفضل کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ: عندہ مناکیر، امام نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء: ۹/۵۰، اور ابن عساکر کا استاد بھی مجہول ہے۔ جبکہ ابو ابراہیم بن اسماعیل اور ابوالحسن، دونوں مجہول ہیں۔ بعض لوگ خصائص کبری: ۱/۱۶۹۔ اور صالحی کے اس عبارت سے غلط استدلال کرتے ہیں جو کہ اس نے: ۲/۹۰، میں لکھا ہے کہ: **قال ذکوان لم یرَ لرسول الله ﷺ ظل فی شمس ولا فی قمر**، یعنی رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ سورج میں اور نہ چاند کی روشنی میں ہوتا تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور تھی، نہ کہ بشر، تو اس کا جواب حکیم ترمذی دیتا ہے کہ: **قال معناه لئلا یطأعلیه کافر فیکون مذلة له** ۔ یعنی یہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں کافر لوگ رسول اللہ ﷺ کے سایہ پر قدم نہ رکھیں اور کہیں رسول اللہ ﷺ کی ناقدری کا سبب بن نہ جائے۔

پھر ابن سبع سے نقل کرتا ہے: **وقال ابن سبع فی خصائصه ان ظله ﷺ کان لایقع علی الارض وانه کان نوراوکان اذامشی فی الشمس او القمر لایظهرله ظل** ۔ ابن سبع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج یا چاند کی روشنی میں اس لئے دکھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ نور تھے۔ ان سب روایات وعبارات کا جواب یہ ہے کہ یہ بے سند اور ضعیف ہیں اور جو روایات صحیح ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کو جاتے وقت اللہ تبارک وتعالی سے مانگتے تھے۔ متفق علیہ روایت میں مذکور ہے، عبداللہ بن عباسؓ فرماتا ہے: **وکان فی دعائه ،اللهم اجعل فی قلبی نوراوفی بصری نوراوفی سمعی نوراوعن یمینی نوراوعن یساری نوراوفوقی نوراوتحتی نوراوامامی نوراوخلفی نوراواجعلی لی نورا.** (بخاری: ۶۳۱۶ ومسلم: ۷۶۳، ۱۸۱)۔

یعنی آپ کے دعا میں یہ الفاظ بھی تھے، یاالٰھی! کر میرے دل میں نور، اور میرے انکھوں میں نور، اور میرے کانوں میں نور، اور میرے داہنے نور، اور میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، اور میرے آگے نور، اور میرے پیچھے نور، اور کر میرے لئے نور، اور بعض روایوں نے یہ زیادہ کیا، پیدا کر میرے زبان میں نور، اور ذکر کیا بعض نے، کر پٹھے میرے میں گوشت میرے میں اور میرے خون میں اور میرے بالوں میں اور میرے چمڑے میں نور۔ اور صحیح روایات میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا، جبکہ مذکورہ روایت کا اصل حکیم ترمذی کی کتاب نوادرالاصول میں ہے، اور یہ ضعیف

ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمان بن قیس ہے، اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال:۵۸۳/۲، میں فرماتے ہیں، کہ یہ جھوٹا تھا، اور اس کا استاد عبدالملک بن عبداللہ مجہول ہے، اور یہ روایت ذکوان کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو کہ صحابی نہیں تابعی ہے، تو روایت مرسل بھی ہے، علاوہ ازیں بستان المحدثین میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نوادرالاصول کتاب کی اکثر احادیث غیر معتبر ہیں۔

ایک روایت انسؓ سے مقدسی نے کتاب المختارہ:۱۳۸/۶، میں اور حاکم مستدرک:۶۴۸/۵، میں اور ابن خزیمہ صحیح:۵۱/۲، میں نقل کیا ہے کہ: **بینما النبیﷺ یصلی ذات لیلة صلاةً، اذامدیده ثم اخرها فقلنایارسو ل اللهرأیناک صنعت فی هذه الصلاة شیئالم تکن تصنعه فیماقبله ،قال:اجل، انه عرضت علیّ الجنة فرأیت فیهادالیة قطوفهادانیة ،فاردت ان اتناول منهاشیئا،فاوحی الیّ ان استأخر،فاستأخرت، وعرضت علی النارفیمابینی وبینکم، حتی رأیت ظلی وظلکم فیها،فاومیت الیکم ان استاخروا،فاوحی الی ان اقرهم فانک اسلمت واسلمواوهاجرت وهاجرواوجاهدت وجاهدوافلم ارلک فضلاعلیهم الابالنبوة فاولت ذلک مایلقی امتی بعدی الفتن۔**

یعنی انسؓ ایک رات نبی کریمﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ اچانک آپﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹالیا، پس ہم نے کہا اے اللہ کے رسولﷺ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا، کہ اس سے قبل آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا، بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی، تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے (پھلوں) گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے، تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا، اور مجھ پر جہنم بھی پیش کی گئی، جو میرے اور تمہارے درمیان تھی۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں، میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا، کہ پیچھے ہٹ جاؤ، پس میری طرف وحی آئی، کہ ان کو ان کی جگہ پر رہنے دو، کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس ان میں اور تجھ میں ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں۔ پس میں نے اس کی تاویل کی کہ میرے امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔ ایک دوسری روایت عائشہؓ سے منقول ہے جو کہ مسند احمد نے:۴۶۳/۴۱، میں، اور معجم کبیر:۱۷۱/۲۴، میں ذکر ہے کہ: **عن عائشة ان رسول اللهﷺ کان فی سفرله فاعتل بعیرلصفیة ،وفی ابل زینب فضل، فقال لهارسول اللهﷺان بعیرا لصفیة اعتل،**

فلو اعطیتیھابعیرا من ابلکِ ؟فقالت انااعطی تلک الیھودیة ؟قال:فترکھارسول اللہ ذا الحجة و المحرم شھرین اوثلاثة، لایأتیھا،قالت حتی یئست منہ وحولت سریری قالت فبینماانایوما بنصف النھار اذاانابظل رسول اللہ ﷺ مقبل ۔یعنی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے (اوراس سفر میں بعض دیگرازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں) صفیہؓ کا اونٹ (دوران سفر) بیمار ہوگیا۔زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائداونٹ موجودتھا۔آپ ﷺ نے (زینبؓ سے) فرمایا کہ صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہے اے زینبؓ اگرتو اسے اپنافالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا،انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کواونٹ دے دوں؟ان کے اس نازیبا جواب سے آپ ﷺ ناراض ہوگئے،اورآپ ﷺ نے ذالحجہ،محرم دویا تین ماہ زینبؓ کے پاس جانا ترک کردیا۔زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ سے ناامید ہوگئی اورمیں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹادی۔فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ کا سایہ دیکھا،جو میری طرف آرہا ہے۔ایسی روایت صفیہؓ سے بھی مسند احمد میں:۴۳۶/۴۴،میں مروی ہے اورالبانی نے سلسلہ الصحیحہ:۳۲۰۵،میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ کا جسد خاکی تھا،بشراورانسان تھا،آدم علیہ السلام کے نسل سے تھا۔جوآیات اورروایات نور کے متعلق وارد ہیں،تواس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اصل مٹی نورجیسی پاک تھی، یاان کی نورانیت علم اور ہدایت کی تھی۔ ان لوگوں کی اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ(نعوذ باللہ) محمد ﷺ اللہ کا جزء ہے،اوریہ عقیدہ کافروں اورمشرکوں کا تھا،ارشادالٰھی ہے:﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءاً إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ﴾(زخرف:۱۵) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سےکوئی بھی اللہ تعالی کی ذات کا جزءنہیں ہے،لیکن مشرک اورکافرانسانوں نے اللہ تعالی کی ذات کے بھی حصے کردیئے،اوراللہ تعالی کے بندوں اوراس کی مخلوق ہی کواس کی ذات کا جزءقراردے ڈالا۔اس بحث کا اختتام حدیث انسؓ پرکرتے ہیں:قال لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللہ ﷺ المدینة اضاء منھا کل شیء،فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منھا کل شیء، ومانفضناایدیناعن التراب وانالفی دفنہ حتی انکرناقلوبنا ۔یعنی جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے،ہرچیز روشن ہوئی،اورجب وہ دن ہوا کہ جس میں رسول اللہ ﷺ وفات ہوئے،تومدینہ میں ہرچیز تاریک ہوئی،اورہم نے اپنے ہاتھ خاک دفن سے نہ جھاڑے تھے،اوررسول اللہ ﷺ کودفن کرنے میں مشغول تھے،کہ ہم نے اپنے دلوں کوناآشنا پایا۔یہ روایت امام ترمذی نے:۳۶۱۸،میں اوردارمی نے:۱۴۱/۱،میں نقل کیا ہے۔

يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا

إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے ۔ جو لوگ

قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم، اللہ ہیں وہ بیشک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْأَرْضِ جَمِيْعًا

عیسیٰ بن مریم اوران کی والدہ کواور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا

ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے

اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں)

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

يٰۤـاَهۡلَ الۡـكِتٰـبِ قَـدۡ جَـآءَ كُـمۡ رَسُـوۡلُـنَـا يُبَيِّـنُ لَـكُـمۡ

اے اہل کتاب! (پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جوایک عرصے تک منقطع رہا تو) اب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں جو

عَلٰی فَتۡـرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَ نَا مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ

تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں [۳] تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری یا ڈر سنانے والا نہیں آیا

---

[۳] ''فترۃ'' کے لفظی معنی سست ہونے، ساکن ہونے اور کسی کام کو معطل اور بند کر دینے کے آتے ہیں۔اس ایت میں ائمہ تفسیر نے فترت کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور مراد اس سے کچھ عرصہ کے لئے سلسلہ نبوت وانبیاء بند رہنا ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت تک کا زمانہ ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ ہے، اس تمام مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس میں کبھی فترت نہیں ہوئی۔صرف بنی اسرائیل میں سے ایک ہزار انبیاء اس عرصہ میں مبعوث ہوئے۔اور غیر بنی اسرائیل میں سے جو انبیاء ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔پھر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔اس میں سلسلہ انبیاء بند رہا۔اسی لئے اس زمانہ کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے۔اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔(قرطبی)۔

موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کی مدت اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ کے درمیان کی مدت میں اور بھی مختلف روایات ہیں جن میں اس سے کم وبیش مدتیں بیان ہوئی ہیں، مگر اصل مقصد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

امام بخاری نے سلمان فارسیؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا۔اور اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔(صحیح البخاری:۴/۲۰۳، کتاب الانبیاء)۔

فَقَدْ جَآءَ كُم بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَإِذْ قَالَ

سو (اب) تمہارے پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَآءَ

سے کہا کہ بھائیو تم پر اللہ نے جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّآتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہلِ عالم میں سے کسی کو نہیں دیا ۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى

تو بھائیو! تم ارضِ مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے

أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوْا خَاسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يَا مُوْسٰى إِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ

وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست (لوگ) رہتے ہیں

وَإِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَإِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَإِنَّا

اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم

دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا

داخل ہوں گے ۔ جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی

ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ

کہنے لگے کہ اُن لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور اللہ ہی

فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يَا مُوْسٰى إِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا

پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو۔ وہ بولے کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے

دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ
(اگر ضرور لڑنا ہی ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ موسیٰ نے (اللہ سے) التجا کی
رَبِّ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا
کہ اے اللہ! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں
وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ط
اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کیلئے حرام کر دیا گیا
يَتِيْهُوْنَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾
(کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔[۴]
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ
اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچے (ہیں)
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ
پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی
مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾
قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اُس نے کہا کہ اللہ پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے
لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ
اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا

---

[۴] ارض مقدسہ سے کونسی زمین مراد ہے۔ اس میں مفسرین کے اقوال بظاہر متعارض ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ بیت

المقدس مراد ہے۔بعض نے شہر قدس اور ایلیا کو ارض مقدسہ کا مصداق بتلایا ہے۔بعض نے شہر اریحا کو جو نہر اردن اور بیت المقدس کے درمیان دنیا کا قدیم ترین شہر تھا اور آج تک موجود ہے۔اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی عظمت و وسعت کے عجیب وغریب حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ وغیرہ سے منقول ہے یہ ہے، کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا۔جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد وقامت کے لوگ تھے۔جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔موسیٰ علیہ السلام حکم الٰھی کی تعمیل کے لئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جانا بیت المقدس پر تھا۔

جب نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کی قدیم ترین شہر اریحا پر پہونچے، تو یہاں پر قیام فرمایا، اور بنی اسرائیل کے انتظام کے لئے بارہ سرداروں کا انتخاب کرنا قران کریم کی پچھلی آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ان سرداروں کو آگے بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں، جو بیت المقدس پر قابض ہیں، اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔یہ صاحبان بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئیں ہیں۔شاہی دربار میں مشہور ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسرا سزا دی جائے، بالاخر رائے اس پر ٹھری کہ ان کو آزاد کر دیں، تا کہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی قوت وشوکت کے ایسے عینی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔اس موقع پر اکثر کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کی لمبی چوڑی کہانیاں درج ہیں جن میں ان ملنے والے شخص کا نام عوج بن عنق بتلایا ہے، اور اس کی بے پناہ قد وقامت اور قوت وطاقت کو ایسی مبالغہ امیزی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کسی سمجھ دار آدمی کو اس کا نقل کرنا بھی زیب نہیں دیتا۔

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا: کہ عوج بن عنق کے جو قصے ان اسرائیلی روایات میں مذکور ہیں نہ عقل ان کو قبول کر سکتی ہے اور نہ شرع میں ان کا کوئی جواز ہے۔بلکہ یہ سب کذب وافتراء ہے بات صرف اتنی ہے کہ قوم عمالقہ کے لوگ چونکہ قوم عاد کے بقایا ہیں، جن کے ہیبت ناک قد وقامت کا خود قران کریم نے ذکر فرمایا ہے اس قوم کا ڈیل ڈول اور قوت وطاقت ضرب المثل تھی، ان میں ایک آدمی قوم بنی سرائیل کے بارہ آدمیوں کے گرفتار کر کے لے جانے پر قادر ہو گیا۔بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام اریحا پر پہونچے اور موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب

اورغریب قوم اوراس کی نا قابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔موسیٰ علیہ السلام کے قلب پرتوان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح کامیابی کی بشارت سنادی تھی۔بقول اکبر:

مجھ کو بے دل کردے ایسا کون ہے یاد مجھ کو" انتم الا علون "ہے

موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت وشوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے۔مگر خطرہ یہ ہوگیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہوگیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے،اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قوم عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں،مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہرایک نے اپنے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پراس کا تذکرہ کردیا،صرف دوآدمی جن میں سے ایک کا نام یوشع بن نون اوردوسرے کا کالب بن یوقنا تھا۔انہوں نے موسوی ہدایت پرعمل کرتے ہوئے اس راز کوکسی پرظاہرنہیں کیا۔اور(ظاہر ہے کہ بارہ میں سے جب دس نے راز پاش کردیا) تو اس کا پھیل جانا قدرتی امرتھا بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تواچھا یہی تھا کہ قوم فرعون کی طرح ہم بھی غرق دریا ہوجاتے، وہاں سے بچالاکرہمیں یہاں مروایا جارہاہے،انہیں حالات میں بنی اسرائیل نے یہ الفاظ کہے"یاموسیٰ ان فیھا قوما جبارین وانالن ندخلھا حتی یخرجوا منھا" یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اس شہرمیں تو بڑی زبردست قوم آباد ہے،جن کا مقابلہ ہم سےنہیں ہوسکتا،اس لئے جبتک وہ لوگ آباد ہیں ہم وہاں جانے کا نام نہ لیں گے،اگلی آیت میں ہے :کہ دوشخص جوسے ڈرنے والے تھے اورجن پراللہ تعالی نے انعام فرمایا تھاانہوں نے بنی اسرائیل کی یہ گفتگوسنکر بطورنصیحت ان کوکہا: کہ تم پہلے ہی کیوں ڈرسے مرتے ہو، ذرا قدم اٹھاکرشہر بیت المقدس کے دروازہ تک توچلو۔اوردروازہ بیت المقدس میں داخل ہوتے ہی تم غالب ہوجاؤ گے۔اوردشمن شکست کھاکر بھاگ جائے گا۔یہ دوشخص جن کا اس آیت میں ذکر ہے اکثرمفسرین کے نزدیک وہ ہی بارہ میں سے دوسردار ہیں ،جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پرعمل پیرا ہوکرعمالقہ کا پورا حال بنی اسرائیل کونہ بتایا تھا،یعنی یوشع بن نون اورکالب بن یوقنا۔

قرآن کریم نے اس جگہ ان بزرگوں کی دوصفتیں خاص طورپرذکرفرمائی ہیں۔ایک:الذین یخافون ۔یعنی یہ لوگ جوڈرتے ہیں اللہ سے۔دوسری صفت ان بزرگوں کی قرآن کریم نے یہ بتلائی کہ انعم اللہ علیھم یعنی اللہ تعالی نے ان پرانعام فرمایا۔

إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ إِنِّيٓ أُرِيْدُ أَنْ تَبُوْٓاَ بِإِثْمِيْ وَإِثْمِكَ

مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنے گناہ سمیٹ لے

فَتَكُوْنَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر (زمرۂ) اہلِ دوزخ میں ہوجائیں اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

مگر اُس کے نفس نے اُس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اُس نے اُسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ أَخِيْهِ ط

اب اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰىٓ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِيْ ج

کہنے لگا کہ افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوّے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا

فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ

پھر وہ پشیمان ہوا۔[۵] اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا

---

[۵] ان لوگوں کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے اس میں ''بالحق'' کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جن میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلبیس اور دھوکہ، اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی (ابن کثیر)۔

قرآن کریم نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مواقع میں بھی اس اصول پر قائم رہنے کی ہدایات دی ہیں ایک جگہ ارشاد ہے: ان هذا لهو القصص الحق. (ال عمران: ۶۲) دوسری جگہ ارشاد ہے نحن نقص عليك نبأهم بالحق (كهف: ۱۳). تیسری جگہ ارشاد ہے: ذلك عيسى ابن مريم قول الحق (مريم: ۳۴) ان تمام مواقع میں

تاریخی واقعات کے ساتھ لفظ حق لا کر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نقل واقعات میں حق وصدق کی رعایت لازمی ہے۔ روایات وحکایات کی بناء پر جس قدر مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں، ان سب کی بنیاد عام طور پر نقل واقعات میں بے احتیاطی ہوتی ہے۔ ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے سے واقعہ کی حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔

پچھلی اقوام کے مذاہب وشرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہو گئے، اوران کی مذہبی کتابیں چند بے سند و بے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں، اس جگہ لفظ ''بـالـحـق'' کا اضافہ کر کے اس اہم مقصد کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسی لفظ میں قران کریم کے مخاطبین کو اس طرف بھی رہنمائی کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو امی محض ہیں اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح فرما رہے ہیں، تو اس کا سبب بجز وحی الٰھی اور نبوت کے کیا ہوسکتا ہے؟ اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قران کریم نے یہ بیان فرمایا: إِذْ قَـرَّبَـا قُـرْبَـانـاً فَتُـقُبِّـلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ .

لفظ ''قربان'' عربی لغت کے اعتبار سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہیں اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف وخلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے، یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام دنیا میں آئے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا، تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے تو اُم پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت ادم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اوران کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کے درمیان رشتہ از دواج ومنا کحت جائز ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین وجمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی، جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی، اس پر قابیل ناراض ہو کر ہابیل کا دشمن ہو گیا، اوراس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میری نکاح میں دی جائے، ادم

علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل وقابیل کے درمیان میں رفع اختلاف کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی: کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جسکی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی۔ کیونکہ ادم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ اسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی۔ اور جس قربانی کو آگ نہ کھاتے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی، اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشت کار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم قربانی کے لئے پیش کیا، اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی، اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا۔ اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا ''**لاقتلنک**''، یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، جس میں اس کی ہمدردی وخیر خواہی بھی تھی، کہ '' **انمایتقبل اللہ من المتقین**'' یعنی اللہ تعالی کا دستور یہی ہے، کہ اللہ تعالی متقی پرہیز گار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔ اگر تم تقوی اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اس کلام میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے، کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالی نے کوئی خاص نعمت عطا فرمایا ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے، نہ یہ کہ دوسرے سے اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے، کیونکہ یہ اس کے فائدہ کے بجائے ضرر کا سبب ہے، کیونکہ مقبولیت عنداللہ کا مدار تقوی پر ہے۔ (مظہری)۔

''**لیـریـہ**'' الخ، اس میں لام تعلیلیہ نہیں بلکہ یہ لام عاقبت ہے، یعنی ایک کوّا اڑتا ہوا، آیا اور قابیل کے سامنے زمین کریدنے لگا، جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ اسے اپنے مقتول بھائی کی نعش چھپانے کی ترکیب سوجھ گئی، ورنہ کوّا غیب دان نہیں تھا، کہ ہابیل کے قتل کا اسے علم تھا، اور نہ قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھانے آیا تھا، لام، عاقبت کے لئے قران مجید میں عام مستعمل ہے جیسا کہ سورۂ قصص (٨) میں ہے: ''**فـالتـقطہ ال فرعون لیکون لھم عدواو حزنا**'' یہاں لیکون میں لام عاقبت کے لئے ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ
کہ جوشخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط
اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي
اوران لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال
الْأَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ
سے نکل جاتے ہیں ۔جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی کریں
وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْا أَوْ يُصَلَّبُوْا
اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں
أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ
یاایک ہاتھ ایک پاؤں ایک دوسرے کے خلاف کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا
خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ
میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کیلئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے ۔ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ
تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾
تمہارے قابو آ جائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اُس کے رستے میں جہاد کرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا

تا کہ فلاح پاؤ[٦]۔ جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال ومتاع ہو

وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوْا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور اس کیساتھ اسی قدر اور بھی ہو تا کہ قیامت کے روز عذاب (سے چھٹکارا حاصل کرنے) کا بدلہ دیں

الوسیلہ

[٦] وسیلہ کے معنی لغت عرب میں ''التوسل'' خالص عربی لفظ ہے، قرآن وسنت اور کلام عرب کی نظم ونثر میں بھی وارد ہوا ہے اور اس کے معنی، مطلوب تک تقرب حاصل کرنے کے ہیں، اور اس تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے۔ ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں: کہ، الواسل، کے معنی راغب کے ہیں اور الوسیلہ کے معنی قربت اور واسطہ کے ہیں یعنی وہ چیز جس کے ساتھ کسی دوسری چیز تک پہنچ یا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں: وسّل الی اللہ تعالی توسیلا، کے معنی یہ ہیں: کہ اس نے ایسا عمل کیا جس کے باعث اللہ کے ہاں تقرب حاصل کیا ہے، وسّل اور، توسّل کے معنی ایک ہی ہیں، ابن الفارس، معجم المقاییس، میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی رغبت اور طلب کے ہیں ''وسلّ'' کے معنی رغب اور ''الواسل'' کے معنی ''الراغب الی اللہ عزوجل'' کے ہیں۔ لبید کا شعر ہے:

اری الناس لایدرون ماقدر امرھم بلی کل ذی دین الی اللہ واسل

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے امور کی قدر ومنزلت سے آشنا نہیں ہیں، بلکہ ہر دین والا شخص اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والا ہے۔ امام راغب الاصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی کسی تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ یہ الوصیلہ کی نسبت خاص ہے، کیونکہ رغبت کے معنی کو بھی متضمن ہے۔ قرآن مجید میں ہے ,,وابتغوا الیہ الوسیلة،، اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ علم وعبادات اور اخلاق وآداب شریعت کی پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلا جائے۔ وسیلہ کے معنی قربت کے بھی ہیں اور ,,الواسل،، کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والا۔

وسیلہ کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں، اور وہ ہیں، بادشاہ کے ہاں قدر ومنزلت، درجہ وقرابت کے، جیسا کہ حدیث

شریف میں جنت کے سب سے اعلی درجہ کے لئے بھی یہ نام وارد ہوا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول، ثم صلوا علیّ فان من صلی علیّ صلاۃً ،صلی اللہ علیہ بھا عشرا، ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ ،فانھا منزلۃ فی الجنۃ ،لاتنبغی الا لعبد من عباد اللہ، وارجو ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت لہ الشفاعۃ ۔(عن ابن عمر: مسلم:۱۱/۳۸۴، ابوداؤد:۱/۵۲۳، ترمذی:۳۶۱۴، نسائی:۲/۲۵)۔

جب تم موذن کو اذان کہتے ہوئے سنو، تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے: پھر مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالی اس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ تعالی سے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت کا سب سے اعلی درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جو شخص میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

وسیلہ کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں لغوی اعتبار سے یہ مشہور و معروف ہیں، کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ سلف صالح اور ائمہ تفسیر نے انہی معانی کے مطابق ان دو آیتوں کی تفسیر کی ہے، جن میں وسیلہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

:(۱) یہ آیت کریمہ۔ (۲) سورت اسراء: ۵۷۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب ہیں مجاھد، ابو وائل، حسن، عبداللہ بن کثیر، سدی، ابن زید رحمھم اللہ تعالی رحمۃ وافرۃ الی یوم القیامۃ۔ اور کئی دیگر علماء کرام سے بھی یہی منقول ہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کر کے اس کا تقرب حاصل کرو۔ یہ بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ,, یہ جو ان ائمہ کرام نے فرمایا ہے، مفسرین کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ مقصود تک پہنچا جا سکے (ابن کثیر)۔

دوسری ایت مبارکہ کے سلسلہ میں جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعودؓ نے جو شان نزول بیان فرمایا ہے اس سے اس ایت کریمہ کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: یہ ایت کریمہ عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی فرستش کرتے تھے، جن تو مسلمان ہو گئے، لیکن ان انسانوں کو پتہ ہی نہ چلا جو ان کی پوجا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''انسان'' جنوں کے مسلمان ہونے کے بعد بھی جنوں کی ہی کے پوجا کرتے رہے، لیکن جن چونکہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اس لئے وہ یہ پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ وہ تقرب الٰھی کا ذریعہ تلاش کرتے رہتے تھے اور اس ایت کریمہ کی تفسیر میں یہی قول سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ (فتح الباری: ۸/۳۲۰، ۱۰/۱۲، ۱۳، نوویؒ: ۸/۲۴۵)۔

اب ہم وسیلہ کی دو قسمیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں: (۱) شرعی وسیلہ سے مراد ہر وہ سبب ہے جو اس طریقے کے مطابق منزل مقصود تک پہنچائے جسے اللہ تعالی نے مقرر فرمایا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالی کی طرف اس کے اسماء حسنی میں سے کسی ایک اسم پاک یا اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ وسیلہ پکڑنا، مثلا کوئی مسلمان یوں دعا کرے، اے اللہ! تو رحمان، رحیم، لطیف اور خبیر ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں الخ۔ جیسا کہ سورۂ اعراف: ۱۸۰، بنی اسرائیل: ۱۱۰، میں اجمالا ہیں اور تفصیل کے لئے: سورۂ نمل ۱۹، سورۂ ابراہیم: ۳۸ تا ۴۱، الشعراء: ۷۵ تا ۸۵، وغیرہ۔

اور احادیث میں اس قسم کے روایات بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ (نسائی کبری: ۳۸۷/۷ المجتبی: ۵۵: ۳) میں ہے کہ رسول پاک ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: **اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمتَ الحیاۃ خیراًلی، وتوفنی اذاکانت الوفاۃ خیرالی** ۔ یعنی اے اللہ تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے وسیلے سے میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں، کہ جب تک تو میرے لئے زندگی کو بہتر جانے۔ زندہ رکھ، اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو، تو فوت کر لے۔ اور متفق علیہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: **اللھم انی اعوذبعزتک لا الہ الاانت ان تضلنی** ۔ یعنی اے اللہ! میں تیری عزت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں کہ مجھے گمراہ کرے۔ (بخاری: رقم: ۷۳۸۳، ومسلم: ۴۷۰۷) ایک اور روایت انس ؓ سے منقول ہے: کہ جب رسول اللہ ﷺ غم وفکر میں مبتلا ہوتے تو یہ دعا فرماتے: **یاحیُّ یاقیوم برحمتک استغیث** ۔ (ترمذی: ۲۶۷/۱، حاکم: ۵۰۹/۱) یعنی اے اللہ! زندہ رہنے والے اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ ان جیسے دیگر روایات بہت زیادہ ہیں اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۲: کسی عمل صالح کے ذریعہ وسیلہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی مسلمان یوں دعا کرے: اے اللہ! میں تیرے ساتھ جو ایمان رکھتا ہوں، تیرے ساتھ محبت رکھتا ہوں، تیرے رسول کی اتباع کرتا ہوں، ان کے وسیلے سے میرے گناہ معاف فرمادے'' اس کی مشروعیت پر بہت سے دلائل قرآن وسنت میں موجود ہیں، بطور مثال سورۂ ال عمران: ۱۶، ۵۳، ۱۹۳، مومنون: ۱۰۹ وغیرہ۔ نیز اس قسم کی مشروعیت پر کثرت سے احادیث وارد ہیں، مثلاً بریدہؓ نے روایت کیا ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ایک آدمی سے یہ دعا کرتے ہوئے سنا: **اللھم انی اسئلک بانی اشھد انک انت اللہ الذی لا الہ الاانت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد** ۔ (مسند

احمد: ج:۵ص:۳۵۰،وابوداؤد: رقم:۱۴۹۳) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو احد،صمد (ایک ،اور بے نیاز) ہے جس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے اور نہ کوئی اس کی ہمسری کرنے والا ہے''۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالی کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ کوئی سوال کیا جائے تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ ضرور شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے۔

جب کہ اس باب میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یعنی اصحاب غار کا قصہ بہت مشہور ہے،اس حدیث کے اخر میں ہے. **فان كنت تعلم انى فعلت ذلک ابتغاء وجهک ففرج مابقى ، (الحديث)**،یعنی اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے،جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ تینوں اس سے باہر نکل کر اپنی راہ چل دیئے۔اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ جب ان تین آدمیوں پر انتہائی مشکل وقت آیا تو وہ زندگی سے مایوس ہوگئے البتہ اس بات کی انہیں امید ضرور تھی کہ اس وقت ان کی اس مشکل کو اللہ تعالی کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالی کی طرف رجوع کیا،اسے اخلاص سے پکارا،اپنے ان اعمال صالحہ کو یاد کیا جو انہوں نے اسائش اور آسانی کے اوقات میں اللہ تعالی کی رضا کے لئے کئے تھے۔تاکہ مشکل اوقات میں وہ کام آئیں۔(متفق علیہ خ:۳۴۶۵،م:۲۷۴۳۔)

جیسا کہ حدیث نبوی عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے: **تعـرّف الى اللهفى الرخاء يعرفک فى الشد۔** ''تم آسانی کے دور میں اللہ کو پہچانو وہ مشکل میں تمہیں پہچانے گا''(مسند احمد:۵رقم ۲۸۰۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۱۸)۔تو انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف وسیلہ پکڑا، پہلے نے اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت وشفقت کو وسیلہ بنایا۔اس کا ماں باپ کے ساتھ محبت ورحمت کا مظاہرہ اس حد تک شدید تھا کہ میرے خیال میں انبیاء کرام کے علاوہ کوئی انسان شاید اس حد تک مظاہرہ نہ کرسکے۔دوسرے نے زنا سے پاکدامنی اور عفت وعصمت کو وسیلہ کے طور پر پیش کیا، جبکہ وہ اپنی عم زاد کی محبت میں نہایت شدت سے گرفتار ہوچکا تھا۔

۳: نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ

وسیلہ کی اس قسم کی صورت یوں ہے، کہ مثلا کوئی مسلمان کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جس کے بارے میں اس کا اعتقاد ہو کہ وہ صالح اور متقی ہے یا کتاب وسنت کا عالم اور صاحب علم وفضل ہے،تو اس سے دعا کا مطالبہ کرے۔وسیلہ کی

اس نوعیت کی کئی مثالیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں: اس کا مشہور مثال حدیث انسؓ ہے کہ: **اصاب الناس سنة علی عهد النبی ﷺ فبینما النبی ﷺ یخطب علی المنبر قائما فی یوم الجمعة دخل اعرابی فقال یارسول الله هلک المال وجاع العیال فادع الله لنا فرفع یدیه یدعوا، الحدیث .** یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے، اسی دور کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی اندر داخل ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ مال ہلاک ہو گیا، اور اہل وعیال بھوکے ہیں، لہٰذا آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیے، آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرما دی، یہ روایت بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے۔

ایک دوسری روایت انسؓ ہی سے منقول ہے کہ: **ان عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب، فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا، قال فیسقون. (بخاری: ١٠١٠)** ۔یعنی عمرؓ قحط کے زمانے میں عباس بن عبدالمطلبؓ سے بارش کی دعا کا مطالبہ کرتے اور خود یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، تو، تو ہمیں بارش دے دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش دے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں بارش دے دیتے تھے۔ (اس کے متعلق مزید بحث بعد میں آئے گا)۔

نیک لوگوں سے دعا کے ساتھ وسیلہ کی مثال کے طور پر اس روایت کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جسے ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق: ٦٥/١١١، اور ابن حجر نے الاصابہ: ٦/٥٤٨، میں نقل کیا ہے۔ سلیم بن عامر خبائری سے، کہ: قحط کا زمانہ تھا اور بارش نہیں ہو رہی تھی کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ اور اہل دمشق استسقاء کے لئے باہر نکلے۔ معاویہؓ جب منبر پر بیٹھے تو آپ نے فرمایا: یزید بن اسودؒ جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آواز دی، تو وہ فورا معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں منبر پر بٹھا دیا اور خود ان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے، اور یہ کہا کہ اے اللہ! آج ہم میں سے جو بہتر اور افضل ہے اسے لیکر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ اے اللہ! ہم سفارش کے لئے یزید بن اسود جرشی کو لائے ہیں، اور پھر کہا: اے یزید ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ سے دعا کرو، یزید نے ہاتھ اٹھایا لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کر دی۔ اب تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ مغرب کی جانب سے ڈھال کی مانند ایک بادل نمودار ہوا۔ ہوا چلنے لگی اور ابھی تک لوگ گھروں میں بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ (ابن عساکر: ٦٥/١١٢، المعرفة والتاریخ للفسویؒ: ٢/٣٨١)۔

یہ بھی ابن عساکر ہی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے، کہ ضحاک بن قیس لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے باہر نکلے،

توانہوں نے بھی یزید بن اسود سے کہا: اے اللہ کے سامنے بکثرت گریہ وزاری کرنے والے! کھڑے ہوکر دعا کیجئے ایک روایت میں ہے کہ ابھی تین بار ہی دعا کی تھی، کہ اس قدر شدت سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی کہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ لوگ کہیں غرق ہی نہ ہوجائیں۔(تاریخ دمشق:۶۵/۱۱۳، تاریخ ابی ذرعہ:۱/۶۰۲)۔

۴: ان تین صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ ایک آدمی اپنی عاجزی وانکساری یا اقرار ظلم وعصیان، اللہ تعالی کے دربار میں پیش کرے، جیسا کہ دعاء آدم علیہ السلام، سورۂ اعراف؛۲۳، اور بقرہ:۲۸۶، انبیاء:۸۷، میں ہے۔ اوراسی طرح حدیث ابوبکرؓ میں ہے کہ: **قال للنبی ﷺ علمنی دعاء،أدعو به فی صلاتی کثیرا،قال قل: اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کبیرا(کثیرا)،ولایغفر الذنوب الاانت،فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم.(بخاری رقم: ۸۳۴ومسلم رقم: ۴۸ و ۲۰۷۵)**۔ ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یارسول اللہ! سکھلاؤ مجھ کوالفاظ دعاء، کہ اس کے ساتھ دعاء مانگوں اپنی نماز میں، فرمایا کہہ: یااللہ! ظلم کیا میں نے اپنے نفس پر بہت، اور گناہوں کوکوئی نہیں بخشا مگرتو، پس بخش مجھ کو بخشنا خاص، نزدیک اپنے سے، اور مجھ پر رحم کر، تحقیق تو بخشنے والا، مہربان ہے۔

اورحدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: **من کثرهمه فلیقل: اللهم! انی عبدک وابن عبدک وابن امتک وفی قبضتک، ناصیتی بیدک، ماض فیّ حکمک، عدل فیّ قضاؤک، الحدیث**۔(مشکواة:۲۳۸۷، مسند احمد:۱/۳۹۱)م:۱۲/۶/۳۷)۔ جس شخص کا فکر بڑھ جائے وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، تیرے قبضے میں ہوں، اورمیری پیشانی کے بال تیرے قبضہ میں ہیں، میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے، میرے بارہ میں تیرا قضاء عدل ہے۔

اوراسی طرح دعائے استخارہ بھی ہے، جب کہ یہ دعا رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو اس قدر اہتمام سے سکھایا کرتے تھے جیسا کہ قران مجید کی تعلیم اہتمام سے دیا کرتے تھے۔ اورفرماتے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہوتو یہ دعا پڑھو: **اللهم انی استخیرک بعلمک، واستقدرک بقدرتک، واسئلک من فضلک العظیم، فانک تقدر،ولااقدر، وتعلم ولااعلم، وانت علام الغیوب، الحدیث: بخاری: ۱۱۶۲، النسائی: ۶/۸۰، ابوداود: ۱۵۳۸، ترمذی: ۴۸۰، ابن ماجه: ۱۳۸۳**۔ یعنی اے اللہ! میں تیرے علم کیساتھ تجھ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت حاصل کرتا ہوں، تجھ سے تیرے فضل

عظیم کا سوال کرتا ہوں، بیشک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا ،اورتو غیبوں کو جاننے والا ہے۔

(۲) ممنوع وسیلہ کا بیان اور مبتدعین کے اعتراضات اوران کے جوابات

پہلی دلیل عمرؓ کی عباسؓ سے بارش کی دعا کی درخواست ،بعض لوگ، اشخاص کے ذات، جاہ ،حرمت،اورحق کے ساتھ وسیلہ کے جواز کے لئے عمرؓ کے اس واقعہ کوبطور حجت پیش کرتے ہیں:لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں،اس لئے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس نیک انسان کی ذات، جاہ،اورحق کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، بلکہ اس کی دعا اللہ تعالی کی طرف تضرع اوران کی اللہ سے فریادرسی کوبطوروسیلہ پیش کرتے ہیں،اور یہی معنی ہیں عمرؓ کے اس قول کے :**اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا**. اوراس کے بعدوالی جملہ **و انا نتوسل الیک بعم نبینافاسقنا**، یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا عباسؓ سے دعا کا مطالبہ کررہے ہیں،تا کہ اے اللہ تو بارش نازل فرمادے۔

اس میں یہ تصریح موجود ہے، اگرآپ ﷺ کے ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ جائز ہوتا تو عمرؓ اورتمام صحابہ کیوں آپ ﷺ کے ذات کوچھوڑکر عباسؓ کا وسیلہ پیش کرتے ،تو ظاہر ہے کہ یہاں وسیلہ ذات سے نہیں بلکہ دعا سے تھا،اوررسول اللہ ﷺ برزخ میں دعانہیں فرماسکتے ،اس لئے صحابہ کرام نے عباسؓ کی طرف رجوع کیااورعباسؓ نے دعا کی ،اورآپ کے دعا کے الفاظ بھی ابن حجر نے فتح الباری (م):۱۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: زبیر بن بکار نے ’’انساب‘‘میں اس واقعہ کے سلسلہ میں عباسؓ کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:**اللھم انہ لم ینزل بلاء الابذنب، ولم یکشف الابتوبۃ،وقدتوجہ القوم بی الیک ،لمکانی من نبیک، وھذہ ایدینا،الیک بالذنوب، ونواصیناالیک بالتوبۃ،فاسقنا الغیث**۔

اے اللہ! ہر بلا گناہ کی جہ سے نازل ہوتی ہے،اورتوبہ سے دورہوتی ہے،میری قوم تیرے نبی ﷺ سے قربت کے باعث میری طرف متوجہ ہوئی ہے،تا کہ تجھ سے دعا کی جائے۔یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں،جبکہ ہماری پیشانیاں توبہ کے باعث جھکی ہوئی ہیں۔تو ہمیں بارش عطافرمادے۔

اور بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری :۲۵۲/۵،میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ :۷۲/۱۰،میں اورطبری نے تاریخ :۸۰/۲،میں اورعبدالرزاق نے مصنف :۹۳/۳ ،میں ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر :۷۱۔۹۴،میں دونوں کا دعا تفصیل سے نقل کیا ہے ,,**عن ابن عباسؓ ان عمر استسقی بالمصلی ،فقال للعباسؓ قم فاستسق ،فقام**

العباس فقال ,,اللهم ان عندک سحابا ،وان عندک ماءً فانشر السحاب ،ثم انزل فیه الماء ،ثم انزله علینا، فاشدد به الاصل ،واطل به الزرع، وادّر به الضرع، اللھم شفعّنا فی انفسنا واھلینا، اللھم انّا شفعّنا الیک عمن لامنطق له ،عن بھائمنا، وانعامنا، اللھم اسقنا سقیا وادعة بالغة ،طبقا ،عاما ،محییا ، اللھم لا نرغب الا الیک وحدک، لا شریک لک، اللھم ان نشکو الیک سغب کل ساغب، وغرم کل غارم ،وجوع کل جائع ،وعری کل عار ،وخوف کل خائف ، فی دعاء له ،،اورعمرؓ کی دعا کی الفاظ یہ نقل کئے ہیں,, اللھم انا نستغفرک ونستسقیک ،، یہ دعاابن ابی الدنیا نے مجابوالدعوۃ: ۷۹، میں نقل کیا ہے،جبکہ بیہقی نے بروایت شعبی ،السنن الکبری:۳۵۲/۳، میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں,,خرج عمرؓ یستسقی، فلم یزد علی الاستغفار حتی رجع ،فقیل مارأیناک استسقیت ،فقال لقد طلبت المطر بمجادیح السماء ،الذی یستنزل بھا المطر، ثم قرأ : فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً ﴿١١﴾ سورت نوح۔اورتاریخ دمشق:۳۴۶/۴۴، میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمرؓ کا وسیلہ عباسؓ کی ذات وجاہ کے ساتھ ہوتا تو آپؓ، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلہ کو ترک نہ فرماتے۔عمرؓ کا یہ عمل اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ عمر اور دیگر صحابہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ کو جائز تصور نہیں کرتے تھے۔صحابہ کرام کے بعد سلف صالح کا بھی عمل اسی طرح رہا۔جیسے کہ معاویہؓ اور ضحاک نے یزید بن اسود کے وسیلہ کو اختیار کیا تھا، جو کہ پہلے گذر گیا،بعض کہتے ہیں: کہ عمرؓ کو نابینا آدمی کے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ پکڑنے والی حدیث نہیں پہنچی تھی (اس کا ذکر بعد میں آئے گا)اور اگر پہنچی ہوتی تو وہ یقیناً آپ ﷺ ہی کا وسیلہ اختیار کرتے۔

اس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ وہ بھی وسیلہ بالدعاء ہے بالذات نہیں۔دوئم یہ اگر عمرؓ کو پتہ نہیں تھا تو آیا سب صحابہ کرام اس سے ناخبر تھے؟ علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اس وسیلہ کا کئی بار اعادہ فرمایا، جب بھی اہل مدینہ کسی خطرے میں مبتلا ہوتے یا جب بھی بارش کی ضرورت ہوتی تو عمرؓ اسی طرح کیا کرتے تھے۔جیسا کہ اس پر لفظ ''کان'' دلالت کرتا ہے۔

بعض مبتدعین کہتے ہیں کہ ابن حجر نے: فتح الباری:۱۸۶/۳، میں،اور دیگر مؤرخین نے زبیر بن بکار سے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:استسقی عمرؓ بن الخطاب عام الرمادۃ بالعباسؓ بن عبد المطلب فخطب عمرؓ

فقال ان رسول اللهﷺ کان یری للعباس مایری الولدللوالد،فاقتدوا ایھاالناس برسول اللہﷺ، واتخذوہ وسیلة الی الله ۔قحط والی سال عمرؓ نے عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ استسقاء کیا۔عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریمﷺ عباسؓ کو وہ مقام ومرتبہ دیتے تھے جو بیٹا، باپ کو دیتا ہے، تو اے لوگو! تم بھی رسول اللہﷺ کی اتباع کرو، اور انہیں اللہ تعالی کی طرف وسیلہ کے طور پر پیش کرو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں داؤد بن عطا مدنی ہے جو کہ ضعیف ہے، اس روایت کو حاکم نے :[۳/۳۳۴م] میں مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن نیچے امام ذہبی لکھتا ہے کہ اس میں داؤد راوی متروک ہے۔ اور اس کا شاگرد (یعنی اس سے یہ حدیث نقل کرنے والا) ساعدہ بن عبیداللہ مجہول ہے، جبکہ سند میں اضطراب بھی ہے، اور یہ سیر اعلام النبلاء :۲/۹۲، میں بھی مذکور ہے۔

دوسری دلیل: ان لوگوں کا دوسرا شبہ اور مستدل حدیث ضریر ہے جو کہ امام احمد نے :۲۸/۴۷۸، میں نقل کیا ہے۔ (مزید تخریج اس کا بعد میں کرینگے)۔ کہ ایک نابینا شخص نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا! ادع الله ان یعافینی فقال ان شئت دعوت لک وان شئت اخرت ذلک ،فھو خیر(وفی روایةوان شئت صبرت فھوخیرلک)فقال ادعه، فامره ان یتوضأفیحسن وضوئه فیصلی رکعتین ویدع بھذاالدعاء : اللھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمدنبی الرحمة، یامحمدﷺانی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ ، فتقضی لی، اللھم فشّفعه فیّ(وشفّعنی فیه)قال ففعل الرجل فبرأ. یعنی آپﷺ اللہ تعالی سے دعا فرمائیے، کہ اللہ مجھے عافیت بخشے، آپﷺ نے فرمایا! اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں، اور اگر چاہو تو دعا کو موخر کر دیتا ہوں، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (ایک روایت میں ہے کہ اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا)۔ اس نے عرض کیا کہ آپﷺ دعا فرمائیں۔ آپﷺ نے اسے حکم دیا کہ نہایت اچھے طریقے سے وضوء کرے، دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا مانگے، کہ اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی رحمت محمدﷺ کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدﷺ میں تیرے ساتھ اپنے رب کی طرف، اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں متوجہ ہوتا ہوں، تو میری اس حاجت کو پورا کر دے۔ اے اللہ! اپنے نبیﷺ کی میرے بارے سفارش قبول فرما (اور میری سفارش اپنے نبیﷺ کے بارے میں قبول فرما)۔ اس نے اسی طرح کیا تو وہ بینا ہو گیا۔‘‘

اس حدیث کو مسند احمد [۲۸/۴۷۸] میں، عبد بن حمید نے [المنتخب :۳۷۹] میں، ترمذی نے :۳۵۷۸، میں، نسائی نے کبریٰ

[۱۰۴۱۹/۹] میں،ابن ماجہ نے:۱۳۸۵، میں اور طبرانی نے الکبیر [۸۳۱۱/۲] میں نقل کیا ہے۔سب نے عثمان بن عمر (جو کہ احمد کے شیخ ہیں) کے سند سے روایت کیا ہے۔شعبہ نے ابوجعفر مدنی سے روایت کرتے ہوئے کہا، کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ سے سنا کہ وہ اسے عثمان سے روایت کرتے تھے۔امام ترمذیؒ نے اسے ''حسن صحیح غریب'' قرار دیا ہے۔ابن ماجہ میں ہے کہ ابواسحاق نے اسے ''حدیث صحیح'' کہا ہے۔پھر امام احمدؒ نے اسے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔کہ ہمیں شعبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

اوراس میں ایک دوسری روایت بھی ہے۔جس کی محمد بن جعفرؒ نے متابعت کی ہے، اوراسے شعبہ سے بیان کیا ہے۔مستدرک[۵۱۹/۱] امام حاکمؒ نے اسے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے۔امام ذہبیؒ نے بھی آپ کی متابعت کی ہے، جبکہ بعض علماء، مثلاً صاحب ''صیانۃ الانسان'' اور صاحبِ ''تطہیر الجنان'' [ص:۳۷] نے اسے معلول قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابوجعفر ہے، اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسے صرف ابوجعفرؒ کی سند سے جانتے ہیں، جو کہ خطمی نہیں، بلکہ وہ رازی ہیں، صدوق ہیں، لیکن سیئ الحفظ ہیں!

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اعتراض اس طرح دور کیا جائے گا کہ درست بات یہی ہے کہ یہی ابوجعفر خطمی ہیں۔امام احمدؒ نے ایک روایت [۱۳۸/۴] میں ان کی نسبت خطمی ہی ذکر کی ہے، جبکہ دوسری روایت میں انہیں ابوجعفر مدنی کہا ہے، امام حاکمؒ نے بھی اسی طرح ان کا نام لیا ہے، اور خطمی ہی مدنی ہیں، رازی مدنی نہیں ''معجم صغیر طبرانی:۳۰۶/۱'' اور سنن ترمذی کی طبع بولاق میں بھی اسی طرح ہے، تو قطعی شکل یہی ہے، کہ خطمی، عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس سند میں ہے اور یہ صدوق ہیں تو گویا بلاشبہ سند جید ہوئی۔

اس حدیث سے ہمارے مخالفین استدلال کرتے ہیں، کہ یہ دعا نبی کریمﷺ یا دیگر صلحاء کی حرمت و جاہ کے ساتھ وسیلے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریمﷺ نے نابینا آدمی کو یہ سکھایا کہ وہ دعا میں آپﷺ کا وسیلہ پیش کرے۔چنانچہ جب اس نابینا ادمی نے اس طرح دعا کی تو اس کی بینائی واپس لوٹ آئی۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدیث وسیلہ کی مختلف فیہ صورت کے سلسلہ میں ہرگز حجت نہیں ہوسکتی، بلکہ ہم نے شرعی وسیلہ کی جو صورتیں ذکر کی تھیں یہ ان میں سے تیسری صورت کی ایک مزید دلیل ہے، کیونکہ نابینا آدمی کا وسیلہ نبی کریمﷺ کی دعاء کے ساتھ تھا۔ہم اس سلسلہ میں جو موقف رکھتے ہیں اس کی تائید میں اسی حدیث سے ہمیں کئی دلائل ملتے ہیں چنانچہ ان میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں:

[۱] نابینا ادمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں جیسا کہ اس کے قول :ادع اللہ ان یعافینی ،آپ ﷺ ،دعا فرمائے کہ اللہ تعالی مجھے عافیت بخشے، سے ثابت ہے،یعنی اس نے اللہ تعالی کے پاس آپ ﷺ کی دعا کے وسیلہ کو پیش کیا۔ کیونکہ اس سے معلوم تھا کہ کسی دوسرے کی نسبت نبی کریم ﷺ کی دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔اگر اس نابینا آدمی کا مقصود آپ ﷺ کی ذات اقدس ،جاہ وحرمت یا حق وغیرہ کے ساتھ وسیلہ پیش کرنا ہوتا،تو اسے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کی ضرورت نہ تھی،اور نہ اس بات کی حاجت تھی کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتا، بلکہ اسے گھر میں بیٹھ کر دعا کرنی چاہئے تھی۔

[۲] کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے دعا کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی خیرخواہی کرتے ہوئے ایک ایسی بات کو بھی بیان فرمادیا، جواس کے لئے زیادہ افضل تھی یعنی آپ ﷺ نے فرمادیا کہ اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں، اور اگر چاہو تو صبر کرلو اور صبر کرنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔اس امر ثانی کی طرف آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی اشارہ کیا ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:اذاابتلیت عبدی بحبیبتیہ فصبر عوضت منھما الجنۃ. (بخاری،۵۶۵۳) الصحیحہ:۲۰۱۰) یعنی جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں (یعنی انکھوں) کے بارے میں آزمائش میں ڈالوں،اور وہ صبر کرے،تو میں اسے اس صبر کے عوض جنت دوں گا۔

سوم کہ نابینا شخص نے دعا کے لئے اسرار کیا جیسا کہ اس کے قول ''فادع'' سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

چہارم: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نابینا شخص کو جو دعاء سکھلائی اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے اللھم فشفعہ فیّ، یعنی اے اللہ، رسول پاک ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔ میں کہتا ہوں اسے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی، جاہ یا حق سے وسیلہ پکڑنے پر محمول کرنا محال ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! رسول پاک ﷺ کی میرے بارے میں شفاعت قبول فرما، یعنی آپ ﷺ کی دعا قبول فرما، اور میری بینائی لوٹا دے۔

شفاعت کے لغوی معنی دعا ہیں۔ نبی کریم ﷺ انبیاء کرام اور صالحین کے بارے میں جو یہ ثابت ہے کہ وہ قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے تو اس سے مراد دعا ہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت دعاء کی ایک مخصوص

صورت ہے کیونکہ یہ اسی صورت میں ہوتی ہے۔ جب دو شخص کسی ایک امر کا مطالبہ کر رہے ہوں، ان میں سے ایک دوسرے کے لئے شفیع ہوتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے: شفاعت کے معنی کسی شفیع کا وہ کلام ہے جس کے ذریعے وہ کسی دوسرے شخص کی حاجت کے لئے بادشاہ سے گفتگو کرے۔ شافع وہ، جو غیر کے لئے مطالبہ کرے اور مطلوب کی طرف سفارش کرے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی فلاں کے پاس سفارش کی تو اس نے میرے شفاعت کو قبول فرمالیا۔ تو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی دعاء کے ساتھ نابینا ادمی نے وسیلہ پکڑا تھا۔ اس کا وسیلہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ نہ تھا۔

پنجم: رسول پاک ﷺ نے نابینا شخص کو جو دعا سکھلائی، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا، وشفّعني فيه، اور میری شفاعت آپ ﷺ کے بارہ میں قبول فرما، یعنی میری یہ دعا قبول کرا اور میرے بارے میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کو شرف قبولیت عطا فرما، آپ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں میری بصارت واپس لوٹا دے۔ اس کے سوا اس جملہ سے اور کوئی مفہوم اخذ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ششم: علماء کرام نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کے معجزات آپ ﷺ کی دعا کے مستجاب ہونے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے جو خرق عادت امور کا ظہور فرمایا، اور مبتلائے آلام ومصائب لوگوں کو نجات دی، کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ١٦٦/٦، وخصائص الرسول لابن الملقن: ص ٢٩٨، میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ: سابقہ حدیث ضریر کے بعض طرق میں دو زائد امر بیان ہوئے ہیں جن کا شذوذ اور ضعف بیان کرنا از حد ضروری ہے، تا کہ قارئین کرام ان سے روشناس ہو سکیں، اور جن لوگوں نے ان سے غلط استدلال کیا ہے ان کے غلط استدلال سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔

پہلی زیادتی: تو حماد بن سلمہ کی ہے انہوں نے اس حدیث کو ابو جعفر خطمی سے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی سند کو شعبہ کی روایت کے مطابق بیان کیا ہے اور متن کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ مگر کچھ اختصار کے ساتھ اور اخر میں وشفع نبی في ردبصري کے بعد یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ وان كانت حاجة فافعل مثل ذلك۔ ابوبکر بن ابی خیثمہؒ نے اسے اپنی تاریخ میں بیان کرنے کے بعد کہا ہے: حدثنامسلم بن ابراهيم حدثناحمادبن سلمة به.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے، القاعدة الجليلة: ١٥٦، میں اس زیادتی کو حماد بن سلمہ کے تفرد اور شعبہ

کی روایت کی مخالفت کے باعث معلول قرار دیا ہے۔شعبہ اس روایت کے سب راویوں سے جلیل المرتبۃ ہیں،شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس علت کو بیان کرنا قواعد حدیث کے عین مطابق ہے اور بالکل مخالف نہیں البتہ غماری کا المصباح:ص۳۰،میں یہ قول کہ حماد ثقہ ہے اور صحیح کے رجال میں سے ہے، اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔غفلت یا تغافل پر مبنی ہے۔کیونکہ مصطلحات حدیث کا یہ متعین اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی اس وقت مقبول ہے جب وہ اپنے سے اوثق (زیادہ ثقہ)راوی کی مخالفت نہ کرے،چنانچہ حافظ ابن حجر نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:**و الزیــــادۃ مقبولۃ مالم تقع منافیۃ لمن ھو اوثق ،فان خولف بارجح، فالراجح المحفوظ ومقابلہ الشاذ**۔یعنی زیادتی اس وقت مقبول ہوگی جب اس میں اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت واقع نہ ہوئی ہو،اگر مخالفت میں راجح روایت ہے تو راجح کو محفوظ کہیں گے اور اس کے مقابلے میں شاذ کہلائے گی۔

دوسری زیادتی: طبرانی نے معجم صغیر:۲۰۶/۱،اور معجم کبیر:۹/۱۷،۱۸،وکتاب الدعاء:۱۲۸۸/۲،میں اور دلائل النبوۃ:۱۶۶/۶،میں امام بیہقی نے:عبداللہ بن وہب،شبیب بن سعید مکی،روح بن قاسم،ابوجعفر خطمی مدنی،ابوامامۃ سہل بن حنیف اورعثمان بن حنیف کی سند سے روایات ذکر کی ہے،کہ ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کے سلسلہ میں عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں آتا جاتا رہتا تھا،لیکن آپؓ توجہ نہیں فرماتے تھے اور نہ اس کی حاجت پوری کرتے تھے،وہ آدمی عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی،توانہوں نے کہا کہ وضوء کرو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو:**اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینامحمدﷺنبی الرحمۃ ،یامحمدانی اتوجہ بک الی ربک عزوجل ،فیقضی لی حاجتی. الحدیث** ۔یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں،اور تیری طرف اپنے نبی رحمتﷺ کے(وسیلہ)کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں،اور اے محمدﷺ میں تیرے ساتھ تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کہ وہ میری حاجت کو پورا فرمادے۔اور پھر اپنی حاجت بیان کر دینا،اور پھر میرے پاس آجانا،میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا،وہ آدمی چلا گیا اور اس نے ایسا ہی کیا،پھر وہ آدمی عثمان بن عفانؓ کے دروازے پر گیا،تو دربان نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اندر داخل کر دیا،اور عثمانؓ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھالیا،اور فرمایا کہ اپنی حاجت بیان کرو،اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو عثمانؓ نے اسے پورا فرمادیا۔اور فرمایا کہ ابتک تم نے اپنی حاجت ذکر کیوں نہ کی؟تمہیں جوبھی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا،وہ آدمی عثمانؓ سے رخصت ہو کر جب عثمان بن حنیف سے ملا تو انہیں کہنے لگا،کہ اللہ تعالی تمہیں جزائے خیر سے نوازے،عثمانؓ تو میری طرف توجہ ہی نہ فرماتے تھے،حتی کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں

گفتگوفرمائی، انہوں نے کہاواللہ! میں نے تو گفتگونہیں کی ،لیکن میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب آپ ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص نے اپنی بینائی کے چلے جانے کی شکایت کی ،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر کرو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی قائدنہیں ،اور مجھے بیحد تکلیف ہے، نبی ﷺ نے فرمایاوضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو،اور پھر یہ دعا کرو،عثمان بن حنیف کہتے ہیں، واللہ! ہم ابھی تک جدانہیں ہوئے تھے کیونکہ ہماری گفتگوطول پکڑ گئی تھی،حتی کہ ہمارے پاس وہ آدمی آیا،اوراس طرح تھا گویا اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

امام طبرانی فرماتے ہیں روح بن قاسم سے اس روایت کوصرف شبیب بن سعید ابوسعید مکی نے بیان کیا ہے، وہ ثقہ ہے۔یہی وہ راوی ہے جس سے احمد بن شبیب عن ابیہ عن یونس بن یزید الایلی کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں،اس حدیث کوشعبہ نے ابوجعفرخطمی سے بھی روایت کیا ہے،جن کا نام عمیر بن یزید ہےاور وہ ثقہ ہیں،لیکن شعبہ سے روایت کرنے میں عثمان بن فارس متفرد ہےاور حدیث صحیح ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت میں تو کچھ شک نہیں اس وقت موضوع بحث یہ قصہ ہے جسے بیان کرنے میں شبیب بن سعید متفرد ہے جیسا کہ امام طبرانی نے فرمایا: یہ شبیب متکلم فیہ راوی ہے۔خاص طور پراس روایت میں تو یہ بالکل متفرد ہوتا ہے۔جوابن وہب نے ان سے روایت کی ہو،لیکن شبیب بن سعید کے دوبیٹوں اسماعیل اوراحمد نے ابن وہب کی متابعت کی ہے،اس میں اسماعیل مجہول ہے،اوراس کا بھائی احمد صدوق ہے۔شبیب کے بارے میں خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے لیکن اس کے حفظ میں ضعف ہے،مگر جب اس کا یہ بیٹا احمد اس سے اور پھر یونس سے روایت کرتا ہے تو وہ حجت ہے۔تفصیل میزان الاعتدال وابن ابی حاتم کی جرح وتعدیل میں ملاحظہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ قصہ تین امور کے باعث ضعیف اور منکر ہے(۱) اس روایت کے منفرد راوی ضعیف ہے(۲)۔اس روای کے ساتھ اس تفرد میں اختلاف کیا گیا ہے۔(۳)۔اس متفرد راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہے ان تین امور میں سے اگرکوئی ایک امر ہوتا تو وہ بھی اس قصہ کوساقط کر دیتا،لیکن اب تو تینوں جمع ہو گئے ہیں ۔(از حاشیۂ معجم کبیر طبرانی)۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں اگر یہ قصہ عثمان بن حنیف سے ثابت بھی ہو جائے توانہوں نے اس ادمی کونابینا شخص کی پوری دعانہیں سکھائی تھی، بلکہ انہوں نے اس سے یہ جملہ ،اللھم فشفعه فی و شفعنی فیه، ساقط کر دیا تھا،کیونکہ وہ اپنے عربی زبان جاننے کے سلیقہ کی بدولت سمجھتے تھے، کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے لئے بھی دعا کی،

جیسے کہ اس نابینا شخص کے لئے کی تھی۔لیکن آپ ﷺ نے اس کے لئے چونکہ دعانہیں فرمائی تھی لہٰذاانہوں نے اس جملہ کوذکرنہ کیا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ کتاب التوسل میں لکھتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد یہ جملہ کہنا باطل ہے۔ اس حدیث کا تفصیلی جواب کتاب التوسل :۲۳۳، ۲۳۷، اور فتح المنان: ۳۳۵،۳۳۹، ۳۶۹، ۳۷۰ ،جلاء العینین :۴۵۳ ،صیانۃ الانسان:۱۱،۱۲۵،اور۱۸۲، میں مذکور ہے۔

تیسری دلیل: ابن ابی الدنیا نے کتاب مجابوا الدعوۃ:۱۳۶، میں عبد الملک بن سعید بن حیان سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کوآ یک آدمی آیا،اس کے پیٹ میں دوبیلا بیماری تھی۔تو اس نے یہ دعا پڑھی:الله،الله،الله،ربی لااشرک به شيئا،اللهم انی اتوجه اليک بنبيک محمد ﷺ نبی الرحمة،يامحمداتوجه بک الی ربک وربی ،ان يرحمنی ممابی،رحمةً يغنينی بهاعن رحمة من سواه،ثلاث مرات.فقال له ابن ابجرلماجس بطنه قدبرأت، مابک علة، تو اس آدمی کوشفانصیب ہوئی۔

یہ روایت منقطع ہے اور ایک عام آدمی کا عمل ہے،اس سے استدلال کرنا علماء کا کام نہیں۔

مذکورہ بالاتحقیق کے بعد اگر کوئی شوکانی کے قول سے استدلال کرے،تو یہ اس کی حماقت ہوگی ،جوکہ اس نے تحفۃ الذاکرین:۱۳۸، میں اس حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ:وفی الحديث دليل علی جواز التوسل برسول الله ﷺ الی الله عزوجل ،مع اعتقاده ان الفاعل هوالله سبحانه وتعالی.وانه المعطی المانع ماشاء كان ومالم يشأ لم يكن۔

چوتھی دلیل: یہ مبتدعین ابوسعید خدریؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کوامام احمد نے:۲۴۸/۱۷، میں اور ابن ماجہ:۷۷۸،طبرانی:۴۲۱،وابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ:۸۴،ابن ابی شیبہ:۲۱۱/۱۰ ،مسند ابن الجعد:۲/۹۱۷ ،وجعدیات:۳/۲ ۷۔اور ابو حاتم نے ''العلل'':۱۸۴/۲، میں ذکر کیا ہے۔عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول الله ﷺ من خرج من بيته الی الصلواة فقال: اللهم انی اسئلک بحق السائلين عليک، واسئلک بحق ممشای هذا،فانی لم اخرج اشرا ولابطرا ولارياء ولاسمعة ،وخرجت اتقاء سختک وابتغاء مرضاتک ، الخ ۔ابوسعید خدریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص نماز کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور یہ دعا پڑھے:اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں،اس حق کی وجہ سے جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے،اور اس چلنے کے حق کی وجہ سے، کیونکہ میں

غروراور اترانے اور دکھلانے اورسنانے اور تکبر کے ساتھ گھر سے نہیں نکلا ،تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے چہرے اقدس کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اسے ابوسعید خدریؓ سے عطیہ عوفی نے روایت کیا ہے،اور عطیہ ضعیف ہے،جیسا کہ امام نووی نے الاذکار:٣٢، میں،ابن تیمیہ نے القاعدۃ الجلیلۃ ،، میں،ذھبی نے میزان میں ذکرفرمایا ہے، بلکہ انہوں نے الضعفاء:١/٨٨، میں لکھا ہے کہ عطیہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد کے کئی ایک مقامات،مثلا:٦٣٦/٥، میں اسے ضعیف قرار دیا ہے،ابوبکر بن محبؒ بعلبکی نے اسے الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے، بوصیری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صدوق ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے،شیعہ اور مدلس ہے،آپ نے اس کے ضعف کا سبب بھی بیان فرمایا ہے،وہ دو امر ہیں۔ایک حفظ کا ضعف دوئم تدلیس ہے۔

پانچویں دلیل: مذکورہ حدیث کا ایک شاہد ابن السنی نے:٧٥، میں بلالؓ سے نقل کیا ہے: **عن بلال مؤذن رسول اللہ ﷺ قال کان رسول اللہ ﷺ اذاخرج الی الصلوٰۃ قال: بسم اللہ امنت باللہ،توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ،اللھم بحق السائلین علیک وبحق مخرجی ھذا ، الحدیث** ۔یعنی رسول پاک ﷺ جب نماز کے لئے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے:اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر ایمان لایا،اللہ پر میں نے توکل کیا،اللہ کی توفیق کے بغیر نہ نیکی کی جاسکتی اور نہ برائی سے بچا جاسکتا ہے،اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق ،اور اپنے اس نکلنے کے حق سوال کرتا ہوں الخ۔اس حدیث کو ابن السنی نے:عمل الیوم و اللیلۃ میں بطریق وازع بن نافع عقیلی از ابوسلمہ بن عبدالرحمان عن جابر بن عبداللہ بیان کیا ہے۔یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس کے راویوں میں وازع آفت ہے،اسے جھوٹ سے کوئی چیز باز نہ رکھتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ علامہ نووی نے الاذکار:٣٢، میں بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے،اس کے راویوں میں سے ایک وازع بن نافع عقیلی ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے،اور وہ منکر الحدیث ہے۔حافظ نے اس کی تخریج کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بہت واہی ہے،امام دارقطنی نے اسے (الافراد ،اطراف:٢/٤/٢٧) میں اسی سند کے ساتھ بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں وازع متفرد ہے،اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔

اور اسی طرح ابن حجر نے نتائج الافکار:١/٢٦٦، میں اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھتا ہے: **ھذا حدیث واہ جدا،وقال فیہ(ای فی الوازع) یحی بن معین، لیس بثقۃ ،متروک، وقال حاکم**

روىٰ احادیث موضوعة ،وقال ابن عدی احادیثه کلهاغیر محفوظة، الخ ۔ یہ دونوں حدیثین ضعیف ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی نہیں، کہ مخلوق کے ساتھ وسیلہ جائز ہے، بلکہ ان سے اسی مشروع وسیلہ ہی کی ایک نوعیت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔جس کی بابت قبل ازیں گفتگو ہوچکی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالی کی طرف سے اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کا وسیلہ پیش کرنا، کیونکہ اس میں اللہ تعالی سے سوال کرنے والوں کے حق کا وسیلہ، اور نمازیوں کے چلنے کے حق کا وسیلہ مذکور ہے، اللہ تعالی سے سوال کرنے والوں کا حق کیا ہے؟ بلاشبہ ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالی ان کی دعاؤں کو قبول فرمالے، اور اللہ تعالی کا اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنا اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔اسی طرح مسلمان کے مسجد کی طرف چلنے کا حق کیا ہے؟ صرف یہ کہ اللہ تعالی مغفرت فرمادے جنت میں داخل کردے اور اللہ تعالی کی مغفرت ورحمت اور اپنے فرمانبردار بندوں کو جنت میں داخل فرمانا یہ سب رب تبارک وتعالی کی صفات ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ سندھی نے، حاشیہ سنن ابن ماجه: ١ / ٢٦٢، میں فرمایا ہے: بحق السائلین علیک ،ای متوسلاالیک فی قضاء الحاجة وامضاء المسألة بماللسائلین عندک من الفضل الذی یستحقونه علیک بمقتضی فضلک ووعدک وجودک واحسانک، ولایلزم منه الوجوب المتنازع فیه، علیه تعالی لکن لایهامه الوجوب بالنظر الی الافهام القاصرة، یحترزعنه علماؤنا الحنفیة ویرون اطلاقه لایخلوعن کراهة۔

اور محدث جلیل شاہ عبدالغنی دہلوی انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ: ٥٦، (مذکورہ حدیث کی تشریح میں) میں لکھتے ہیں: اعلم انه لاحق لاحدفی الحقیقة علی اللهتعالی ،ولایجب علیه شیء عنداهل السنة ،وانماهورأی المعتزلة، الاان له معنیین ،احدهما اللزوم و الثانی الالتزام، فالاول کماقلنا،و الثانی تفضل منه واحسان حیث التزم لناباعمالنامالسنااهلالذلک، فهو الجوّادو المنعم، یفضّل علی عباده بمایشاء، فهذا المعنی وردفی الاحادیث ،فافهم، انتهیٰ۔

چھٹی دلیل: ایسی مضمون کاایک حدیث ابوامامہؓ سے امام طبرانی نے: ٣١٦/٨، نقل کیا ہے لمبی حدیث ہے اخر میں یہ الفاظ ہیں: اسئلک بنوروجهک الذی اشرقت له السموٰت والارض وبکل حق هولک، وبحق السائلین علیک ان تقبلنی فی هذه الغداةوفی هذه العشیة ،وان تجیرنی من النار بقدرتک ۔میں

تیرے چہرہ اقدس کے اس نور کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کے باعث آسمان وزمین منور ہو گئے ہیں، اور ہر اس حق کے واسطہ سے بھی جو تیرا ہے، اور تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق کے واسطہ سے بھی۔

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد ۱۰/۱۱۷، میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس میں فضال بن جبیر ہے جو کہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ شدید ترین ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اسے متہم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شیخ گمان کرتا تھا کہ اس نے ابوامامہؓ سے سنا ہے، اور ان سے وہ روایت کرتا جو ان کی احادیث ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہر حال میں نا قابل احتجاج ہے، اور بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں لکھا ہے کہ اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

اور اس حدیث کا تفصیلی جواب صیانۃ الانسان:۱۲۴، میں ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں بھی ''بحق السائلین'' کے متعلق جو معنی گذر گئی وہ ادھر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس کا مزید تفصیل ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ :۱/۲۹۵، میں فرماتا ہے، مذکورہ حدیث کی تشریح میں، فهـذاحق السائلين هواوجبه على نفسه، فهو الذى احقّ للسائلين ان يجيبهم ،وللعابدين ان يثيبهم، ولقد احسن القائل:

مااللعبادعليه حق واجب كلاولاسعى لديه ضائع

ان عذّبوافبعدله اونعموا فبفضله وهو الكريم الواسع

فـان قيـل فـاى فـرق بيـن قـول الـداعـى بـحـق السـائـليـن عـليک وبين قولـه (بحق نبيک)اونـحـوذلک؟فـالـجـواب: ان مـعنى قوله (بحق السائلين عليک، انک وعدت السائلين بـالاجـابة، وانامن جملة السائلين، فاجب دعائى ،بخلاف قوله: بحق فلان، فان فلاناوان كان له حق عـلـى اللهبوعده الصادق، فلامناسبة بين ذلک وبين اجابة دعاء هذا السائل ،فكأنه يقول لكون فلان مـن عبـادک الـصـالـحين اجب دعائى ،واى مناسبة فى هذا،واى ملازمة، وانماهذامن الاعتداء فى الـدعـاء، وقـدقال تعالى" ادعواربكم تضرعاوخفية انه لايحب المعتدين" اعراف:۵۵،وهذاونحوه من الادعية المبتدعة، ولم ينقل عن النبىﷺولاعن الصحابة ولاعن التابعين ولاعن احدمن الائمة رضـوان اللهعنهم اجمعين. وانمايوجدمثل هذافى الحروز و الهياكل التى يكتبها الجهال و الطرقية .و الـدعـاء من افضل العبادات، و العبادات مبناهاعلى السنة والاتباع لاعلى الهوى و الابتداع، وان

کان مراده الاقسام علی اللہبحق فلان فذلک محذور ایضا،لان الاقسام بالمخلوق علی المخلوق لایجوز فکیف علی الخالق؟وقدقالؐ من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، مسنداحمد: ٢/ ٦٩، ٨٧،١٢٥، وابوداود: ٣٢٥١،و الترمذی: ١٥٣٥ .ولھذاقال ابوحنیفةؒ وصاحباہ، یکرہ ان یقول الداعی اسئلک بحق فلان اوبحق انبیائک ورسلک وبحق البیت الحرام و المعشر الحرام ونحوذلک۔

حاصل اس کا یہ ہے اگر یہ حدیث صحیح مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا اللہ تعالی کی صفت اجابت کا وسیلہ لیتا ہے، کیونکہ سوال کرنے والے کا اللہ پرحق یہ ہے، کہ اللہ ان کی دعائیں سن لے ،جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ''ادعونی استجب لکم ''اوراجابت اللہ تعالی کی ایک صفت ہے،اورصفات الٰھی کا وسیلہ اعلی ترین مشروع وسیلہ ہے۔

یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ جب بحق السائلین علیک کہنا صحیح ہوسکتا ہے تو بحق نبیک یابحق فلان کہنا کیوں صحیح نہیں ہوسکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحق السائلین کہنے والا خود بھی سائل ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے حق سوال کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے جس کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے، اور وعدہ بھی، لیکن جو شخص ''بحق النبی'' وغیرہ کہتا ہے تو سائل کو نبی وغیرہ کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہتا ہے، کہ اے اللہ! چونکہ تیرا فلاں بندہ صالح ہے اس لئے میری دعا قبول فرما، تو کسی اور کی صالحیت اورحق سے سائل کو کیا تعلق؟ بلکہ یہ تو ایک طرح سے دعا میں زبردستی کرنی ہے، حالانکہ دعا میں عاجزی اور مسکنت کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ سورۂ اعراف: ٥٥، میں مذکور ہے، نیز اس قسم کی دعائیں نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہیں نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہیں۔اور دعا افضل ترین عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے نہ کہ ہوا اور بدعات پر۔

ساتویں دلیل: اوردعا میں بحق النبی وغیرہ کے متعلق جو حدیث مشہور ہے انسؓ سے: کہ جب فاطمہؓ بنت اسد بن ھاشم یعنی علیؓ کی والدہ فوت ہوئیں، تو انہوں نے اسامہ بن زیدؓ، ابوایوب انصاریؓ، عمر بن خطابؓ اور ایک سیاہ رنگ کے غلام کو بلایا، جنہوں نے قبر کھودی، جب نبی کریم ﷺ اس قبر میں داخل ہوئے تو لیٹ گئے، اور آپ ﷺ نے یہ دعا کی: اللہ الذی یحی ویمیت وھو حی لایموت، اغفر لامی فاطمة بنت اسد، ولقنھاحجتھا،ووسع مدخلھا، بحق نبیک و الانبیاء الذین من قبلی، فانک ارحم الراحمین، الحدیث ۔اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے جو کبھی فوت نہ ہوگا، اے اللہ! میری ماں فاطمہؓ بنت اسد کو معاف فرمادے۔اسے ان کی دلیل کی تلقین فرما، اوران

کی قبر کو کشادہ فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کے حق کے ساتھ، بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔اس روایت کو طبرانی نے کبیر:۳۵۳/۲۴، میں اوراوسط:۱۵۳، میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء:۱۲۱،اور ہیثمی نے مجمع الزوائد:۲۵۷/۹، میں نقل کیا ہے لیکن طبرانی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ **غریب من حدیث عاصم و الثوری، لم نکتبه الامن حدیث روح بن صلاح ،تفرد به ،میزان الاعتدال: ۵۸/۲**، میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ضعیف ہے، ابن عدی، دارقطنی اور ابن ماکولا وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیلی کلام سلسلہ ضعیفہ:۳۲، میں ملاحظہ کیجئے۔

آٹھویں دلیل: جو کہ امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اُسَید سے روایت ہے کہ: **کان رسول اللهﷺ یستفتح ویستنصر بصعالیک المسلمین (المهاجرین) الطبرانی کبیر: ۲۹۲/۱، مجمع الزوائد: ۲۶۲/۱۰، شرح السنة: ۲۶۴/۱۴**، یعنی نبی کریمﷺ فقراء مہاجرین کے ساتھ فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے۔ مخالفین کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ نبی کریمﷺ اللہ تعالی سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالی ضعیف اور مسکین مہاجروں کے وسیلہ سے فتح عطا فرمادیا کرتے تھے۔

ان کے خیال میں یہ مختلف فیہ وسیلہ ہے، ہم اس کا جواب دو طریقوں سے دیں گے۔پہلی بات تو یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر:۲۹۲/۱، میں بیان کیا ہے کہ **حدثنا محمد بن اسحاق بن راهویه حدثنا ابی حدثنا عیسٰی بن یونس حدثنی ابی عن ابیه به** ۔دوسری سند اس طرح ہے کہ **حدثنا عبدالله بن محمد بن عبد العزیز البغوی بن عبیدالله بن عمر القواریری حدثنا یحی بن سعید عن سفیان عن ابی اسحاق عن امیة بن خالد**۔

پھر انہوں نے **بطریق قیس بن ربیع عن ابی اسحاق عن المهلّب عن ابی صفرة عن امیة بن خالد** مرفوعا روایت کیا ہے۔اور الفاظ یہ ہیں: **یستفتح ویستنصر بصعالیک المسلمین** ۔آپؐ فقراء مسلمانوں کے ساتھ فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے۔اس حدیث کا دارومدار، اس امیہ پر ہے اور ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں تو یہ حدیث مرسل وضعیف ہے، ابن عبدالبر الاستیعاب:۳۸/۱، میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں، حافظ ابن حجر ''الاصابہ'':۱۳۳/۱، میں فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت وروایت ثابت نہیں ہے، اس میں ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے ابواسحاق کا اختلاف اور عن عنہ کیونکہ یہ مدلّس تھا، مگر سفیان نے ان سے قبل از اختلاط سنا تھا۔لیکن عن عنہ کی علت باقی رہ گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتو یہ صالحین کی دعا کے اس وسیلہ پر دلالت نہیں کرتی، جس پر حدیث عمرؓ اور حدیث اعمیؓ دلالت کرتی تھی۔ اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے مناوی: فیض القدیر میں فرماتے ہیں کہ کان یستفتح کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ درج ذیل ارشاد ربانی کے ساتھ جنگ شروع فرمایا کرتے تھے۔ ﴿ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح﴾. الانفال: ۱۹، اگر تم فتح طلب کرو تو تمہارے پاس فتح آ چکی ہے۔ یہ معنی علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے، اور یستنصر بصعالیک المسلمین کے معنی یہ ہے کہ آپ فقیر مسلمانوں کی دعاؤں کے ساتھ فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے۔

یہ تفسیر حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے امام نسائی نے: ۱۵/۲، ۴۵، میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے: انما ینصر الله هذه الامة بضعیفها، بدعوتهم، وصلاتهم، واخلاصهم ۔ یعنی اللہ اس امت کی اس کے کمزور لوگوں، ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کے ساتھ مدد فرمائے گا۔ اور اصل حدیث صحیح بخاری مع الفتح: ۶/۸۴، میں ہے، اور یہی تاویل موصلی نے کتاب الزہد: ۲۵۴، ۲۵۵، اور طبرانی معجم اوسط: ۸۸/۵، میں مرفوعا ذکر کیا ہے۔

نویں دلیل: مذکورہ حدیث کی شاہد، روایت سعد بن مالک ہے جو کہ امام احمد نے مسند احمد: ۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: قال قلت یارسول الله، الرجل یکون حامیة القوم، ایکون سهمه وسهم غیره سواء؟ قال ثکلتک امک ابن ام سعد، وهل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم ۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے، مکحول شامی نے سعد سے یہ روایت سنا نہیں ۔ یہ روایت ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ۹۰/۸، میں ذکر کیا ہے، اور یہ الفاظ ذکر کئے ہیں کہ: بدعوتهم واخلاصهم ۔ اور اسی طرح: ۲۶/۵، میں بھی نقل کیا ہے جبکہ: ۱۰۰/۵، میں نقل کیا ہے کہ: قال رسول الله ﷺ ینصر المسلمون بدعاء المستضعفین۔

البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۸۹/۶، و، م: ۱۸۴/۶، میں فرمایا ہے: قال ابن البطال تاویل الحدیث، ان الضعفاء اشد اخلاصا فی الدعاء، واکثر خشوعا فی العبادة، لخلاء قلوبهم عن التعلق بزخرف الدنیا. وقال المهلّب اراد ﷺ بذلک حض سعد علی التواضع ونفی الزهو علی غیره. وترک احتقار المسلم فی کل حالة. ثم اورد الحافظ حدیث المسند، وجمع بینه وبین حدیث البخاری وقال: فالمراد بالفضل ارادة الزیادة من الغنیمة، فاعلمه النبی ﷺ ان سهام المقاتلة سواء، فان کان القوی یترجح بفضل شجاعته فان الضعیف یترجح بفضل دعائه واخلاصه۔

دسویں دلیل: مذکورہ حدیث کی دوسری شاہد، روایت ابوالدرداءؓ ہے کہ: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ابغونی ضعفائکم، فانکم انماترزقون وتنصرون بضعفائکم ۔اس روایت کوامام احمد: نے:٦٠/٣٦، میں ترمذی رقم:١٧٠٢، ابن حبان:٤٧٦٧، ابوداؤد:٢٥٩٤، وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن اس کا بھی وہی معنی ہے جو پہلے گذر گیا۔

علی القاریؒ اس کی تاویل میں لکھتے ہیں فیرجی تاثیر دعائھم اکثرمن عوام المومنین واغنیائھم: مرقات: ٧/٩ ۔اور تحفۃ الاحوذی والا بھی لکھتا ہے کہ ببرکۃ دعائھم، بدرالدین عینی اور امام قرطبی اور صاحب فیض الباری نے بھی یہی تاویل لکھا ہے۔

گیارھویں دلیل: ان کا ایک مستدل، وسیلۂ آدم والی حدیث ہے، کہ عرش پر آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ لکھا ہوا تھا کہ ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اور پھر آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔اس روایت کا تفصیل سورۂ بقرہ :٣٧، میں گذر گئی ہے اور ابن تیمیہؒ نے قاعدہ جلیلہ:٨٩، میں اس پر تفصیلی رد کیا ہے۔

بارھویں دلیل: ابن تیمیہؒ نے: قاعدہ جلیلہ:١٩٧، میں ان لوگوں کا ایک مستدل یہ ذکر کیا ہے:اذاسئلتم اللہ فاسئلوہ بجاھی فان جاھی عنداللہ عظیم ۔جب تم اللہ تعالی سے سوال کرو، تو میرے جاہ کے ذریعے وسیلہ کرو۔کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں میرا جاہ بہت بڑا ہے۔یہ ایک بالکل باطل روایت ہے۔کتب حدیث میں اسکا بالکل کوئی ثبوت نہیں ملتا۔اسے علم سنت سے ناآشنا بعض جاہل لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ابن تیمیہؒ مزید فرماتا ہے کہ: اگرچہ اللہ تعالی کے ہاں نبی ﷺ کا جاہ سب انبیاء ومرسلین کے جاہ سے عظیم ترین ہے۔لیکن مخلوق کا خالق کے ہاں جاہ اس طرح نہیں ہوتا جس طرح مخلوق کا جاہ مخلوق کے ہاں ہوتا ہے۔کیونکہ خالق کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا، جبکہ مخلوق، مخلوق کے ہاں بغیر اذن کے بھی شفاعت کر سکتا ہے، کیونکہ حصول مطلوب میں وہ شریک ہے، جبکہ اللہ تعالی کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر اللہ تعالی کے ہاں نبی کریم ﷺ کا جاہ ومرتبہ عظیم ہے تو ہم آپؐ کی ذات کے ساتھ وسیلہ اختیار کریں، کیونکہ اس کا آپ ﷺ سے حکم ثابت نہیں ہے۔

جبکہ ابن ابی العز کا قول لفظ جاہ کے متعلق پہلے ذکر ہوا، کہ یہ لفظ ادعیہ میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔

تیرھویں دلیل: ابن ابی شیبہ نے:٦٤/١٧، مالک الدار سے نقل کیا ہے جو کہ عمرؓ کے خازن تھے، بیان کیا ہے کہ: حدثنا ابومعاویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار قال: وکان خازن عمر علی الطعام،

قال اصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ،فجاء رجل الی قبر النبیﷺ،فقال یارسول اللہ!استسق لامتک ،فانھم قدھلکوا،فاتی الرجل فی المنام ،فقیل لہ ائت عمر،فاقرئہ السلام ،واخبرہ انکم مسقّیون ،وقل لہ علیک الکیس، علیک الکیس، فاتی عمرؓفاخبرہ فبکی عمرثم قال: یارب لاآلوالاماعجزت عنہ۔ اسی سند سے ابن عسا کر نے تاریخ دمشق:۳۴۵/۴۴،و،۴۸۹/۵۶، میں اورابن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر:۸۰/۲، میں اورابن عبدالبر نے: الاستیعاب:۱۴۹/۳،۱اورابویعلی نے کتاب الارشاد:۳۱۴/۱، میں بخاری نے تاریخ کبیر:۳۰۴/۷،بیہقی نے دلائل النبوۃ:۴۷/۷، میں اورعبدالرزاق:۹۴،۹۳/۳،البدایہ والنہایہ:۹۱/۷، فتح الباری:۴۹۵/۲، اورذہبیؒ نے تاریخ اسلام:۲۷۳/۳، میں۔ان سب نے ایک ہی سند سے نقل کیا ہے۔یعنی عمرؓ کے دورمیں لوگ قحط میں مبتلاء ہوگئے ،توایک شخص نبی کریمﷺ کی قبر کے پاس آکر کہنے لگا یارسول اللہ!اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے کیونکہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہورہے ہیں،چنانچہ جب یہ آدمی سویا تواسے خواب میں کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ،الحدیث۔سیف نے فتوح میں ذکرکیا ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث مزنی تھے جوکہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے:چنانچہ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم اس قصہ کوصحیح تسلیم کرنے سے انکارکرتے ہیں، کیونکہ مالک الدار،عدالت وضبط میں غیرمعروف ہے، اورہرصحیح سند کے لئے یہ دوشرطیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں،جیسا کہ اصول حدیث میں یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل:۲۱۳/۸، میں اسے ذکرکیا ہے اورمالک دار سے اس ابوصالح کے سوا کوئی اورراوی ذکرنہیں کیا،گویااس سے وہ یہ بات باورکرانا چاہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، اس کی اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے وسعت حفظ واطلاع کے باوصف کسی سے اس کی توثیق ذکرنہیں کی،جس کامعنی یہ ہے کہ یہ فی الواقع مجہول ہے،اوریہ حافظ کے اس قول کے منافی نہیں ہے،کہ صحیح سند کے ساتھ بروایت ابی صالح سمان،کیونکہ ساری سند کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ کوئی نص نہیں ہے بلکہ فقط ابوصالح تک سند صحیح ہے،اوراگر یہ بات نہ ہوتی توحافظ،ابوصالح سے اس سند کی ابتداء نہ کرتے، بلکہ مالک دار سے اس کی ابتداء کرتے ہوئے فرماتے کہ اس کی سند صحیح ہے،لیکن انہوں نے جوکیا ہے قصداًایسا کیا ہے،تاکہ وہ اس طرف توجہ مبذول کراسکیں کہ یہ مقام غورہے۔علماء ایسا کئی اسباب کے پیش نظرکیا کرتے ہیں،کبھی توایسا ہوتا ہے کہ انہیں بعض راویوں کے حالات اس وقت مستحضرنہیں ہوتے، لہٰذاوہ ساری سند کوحذف کردینا جائزنہیں سمجھتے،کیونکہ اس سے سند کے صحیح ہونے کا وہم ہوتا ہے،بالخصوص بوقت استدلال،

بلکہ صرف اتنا حصہ ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو قابل غور ہوتا ہے۔

حافظ نے یہاں اسی طرح کیا ہے، گویا آپ یہاں اشارہ کرر ہے ہیں، کہ ابوصالح سمان، مالک الدار سے اس روایت کرنے میں متفرد ہیں، جیسا کہ ابن ابی حاتم سے ان کا نقل کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس مالک کے حالات کو معلوم کرنا چاہئے یا ابن ابی حاتم کا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ روای مجہول ہے واللہ اعلم۔ مزید تفصیل کے لئے کتاب الارشاد کا حاشیہ دیکھئے۔

چودھویں دلیل: ایسی ایک واقعہ ابن ابی خیثمہ نے محمد بن منکدر سے تاریخ:۲۵۸/۲، میں نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن یعقوب تیمی ہے جو کہ ساقط الاعتبار ہے، اور واقعہ محمد بن المنکدر کا ہے صحابی یا نبی کا قول نہیں۔

پندرھویں دلیل: اسی مضمون کا ایک دوسرا واقعہ جو کہ واقعہ اعرابی سے مشہور ہے، وہ سورۂ نساء میں تفصیل کے ساتھ گذر گئی ہے، مزید ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کو بہ نیت دعا (یعنی وہاں اپنے لئے دعا مانگنا) جانا ممنوع ہے، اوراس حدیث پر عمل نہ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے جو کہ اس الفاظ سے مشہور ہے [**لاتجعلوا اقبری عیدا، الحدیث** یہ حدیث ابوداؤد:۲۰۴۲، اور مسند احمد:۳۶۷/۲، میں منقول ہے] یہی معنی رسول اللہ ﷺ کے نواسے علی بن حسینؓ نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو کہ مشہور واقعہ ہے: اسماعیل قاضی نے فضل الصلوۃ:۱۱۴، ۱۲۹، میں نقل کیا ہے۔ ابن عسا کرنے تاریخ دمشق:۶۲/۱۳، مسند ابی یعلی نے:۳۶۱/۱، مصنف عبدالرزاق:۵۷۷/۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۷۵/۲، الاحادیث المختارہ:۴۹/۲، تاریخ الاسلام للذہبی:۳۲۹/٦، وسیر اعلام النبلاء، لہ:۴۸۴/۴، مسند بزار:۱۴۸/۲، کہ: **حدثنا ابوبکر زیدبن حباب ثنا جعفربن ابراهیم من ولد ذی الجناحین قال حدثنی علی ابن عمرعن ابیه عن علی ابن حسین، انه رأی رجلایجئ الی فرجة کانت عندقبر النبیﷺ،فیدخل فیهافیدعو،فدعاه فقال الااحدثک بحدیث سمعته من ابی عن جدی عن رسول اللهﷺ،قال لاتتخذوا اقبری عیدا،ولابیوتکم قبورا،وصلوا علّی فان صلاتکم تبلغنی حیث ماکنتم۔**

علی ابن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے نزدیک ایک آدمی اس ہول (غار) کے قریب دعا کرتے تھے۔ جو وہاں موجود تھا، تو اس نے ان کو کہا کہ قبر کے نزدیک دعا نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، میری قبر کو عبادت خانہ مت بناؤ، اور جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمہاری درود مجھے پہنچتا ہے۔ یہ الفاظ ابن ابی شیبہ کی ہے

۔یہ مختلف طرق سے مذکورہ کتب میں موجود ہیں، ابن تیمیہؒ نے اقتضاء الصراط المستقیم:۲۹۸/۱، میں اورقاعدہ جلیلہ:۱۲۲، میں اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے، اور وہاں دعا کرنا علماء امت کی نظر میں صحیح نہیں بلکہ دعا کرتے وقت رو بہ قبلہ ہونا چاہئے۔

اور جو قول امام مالکؒ سے قاضی عیاض نے الشفاء:۴۱/۲، واتحاف الزائر:۱۱۶، وغیرہ میں نقل ہے کہ، **قال مالک لابی جعفر منصورؒ، حین سأل عنه، فقال یاابا عبدالله استقبل القبلة وادعو ،ام استقبل رسول اللهﷺ؟ فقال: ولم تصرف وجهک عنه ،وهو وسیلتک ووسیلة ابیک آدمؑ ،الی الله یوم القیامة، بل استقبله واستشفع به، فیشفعک الله ،ثم قرأ ایة النساء[٦٤]**۔تو یہ امام مالکؒ کی اپنی رائے ہے۔

سولھویں دلیل: ان کا ایک مستدل حدیث ابن عباسؓ ہے جو کہ مستدرک :۲۶۳/۲، اور دلائل النبوۃ:۷۶/۲، میں منقول ہے ۔اورامام ذہبی نے اس کے متعلق لکھا ہے ،کہ اس میں عبد الملک راوی ہے جو کہ متروک اور ہالک ہے مزید تفصیل اس کا سورۂ بقرہ:۸۹، میں ذکر ہوا ہے۔

جبکہ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام:۲۴/۲، میں عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ سے مذکورہ ایت کا تفسیر اس طریقہ سے نقل کیا ہے کہ: **کانت العرب تمر بالیهود فیؤذونهم وکانوا یجدون محمدا فی التوراة فیسألون اللهان یبعثه فیقاتلون معه العرب فلماجاء هم ماعرفوا کفروا به حین لم یکن من بنی اسرائیل** ۔یعنی جب کبھی عرب کے مشرکین یہودیوں سے ملتے اوران کو تکلیف وغیرہ دیتے تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالی کی سچی کتاب لیکر ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں اور ہم اللہ تعالی سے دعا کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس نبی کو جلد بھیج ،جس کی صفات ہم تورات میں پاتے ہیں، تا کہ ہم ان پر ایمان لا کر ان ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے، لیکن جب یہ نبی مبعوث ہوئے تو یہ صاف انکار کر بیٹھے۔

سترھویں دلیل: اور یہ لوگ جوداؤدعلیہ السلام کا جو قول نقل کرتے ہیں: جس کو مسند بزار:۱۳۳/۴، میں اورحلیۃ الاولیا: ۱۹۵/۵، میں نقل کیا ہے کہ: **حدثناابو کریب قال نازیدبن حباب قال ناابو سعیدعن علی بن زیدعن الحسن عن الاحنف عن العباس عن النبیﷺقال: قال داودعلیه السلام اسألک بحق آبائی ابراهیم واسحاق ویعقوب، فقال اماابراهیم فالقی فی النارفصبرمن اجلی، وتلک بلیة لم تنلک، وامااسحق فبذل نفسه للذبح فصبرمن اجلی وتلک بلیة لم تنلک، وامایعقوب فغاب یوسف عنه وتلک بلیة**

لم تنلک ۔ یہ روایت ضعیف ہے، خود بزار نے کہا ہے کہ: ایک سند سے مرسل ہے اور دوسری روایت میں ابوسعید حسن بن دینار ضعیف ہے۔ اور علی بن زید بھی ضعیف ہے، التقریب: ۲/۳۷،۲ ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۲۰۲/۸، وکشف الاستار: ۱۰۰/۳، میں لکھا ہے کہ یہ روایت بزار نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے، جبکہ ابن تیمیہؒ کتاب التوسل: ۲۱۹، میں لکھتا ہے کہ: وھذا وان لم یکن من الدلالة الشرعیة ،فالاسرائیلیات یعتضدبها ولا یعتمدعلیها یعنی یہ اسرائیلی روایت ہے (حکم اس کا واضح ہے)۔

اٹھارھویں دلیل: امام شعبیؒ کا ایک واقعہ جو کہ ابن عساکر نے: ۱۷۱/۲/۳۱، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو محمدهبة الله بن احمدبن طاؤس انبأطرادبن محمدانا ابو الحسین بن بشران انا ابوعلی بن صفوان نا ابوبکربن ابی الدنیاحدثنی ابو الحسن احمدبن عبدالاعلی الشیبانی نااسماعیل بن ابان العامری ناسفیان الثوری عن طارق بن عبد العزیزعن الشعبی قال لقد رأیت عجبا، کنابفناء الکعبة اناوعبداللهبن عمرؓ و عبدالله بن الزبیرؓ ومصعب بن الزبیرؓ وعبد الملک بن مروان، فقال القوم بعدان فرغوامن حدیثهم، لیقم کل رجل منکم فلیأخذبالرکن الیمانی ویسأل الله حاجته، فانه یعطی من ساعته، قم یاعبدالله بن الزبیرفانک اول مولودولد فی الهجرة، فقام فاخذبالرکن الیمانی ثم قال ـ: اللهم انک عظیم ترجی لکل عظیم اسألک بحرمة وجهک وحرمت عرشک وحرمت نبیک الاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی الحجازویسلّم علی بالخلافة ، وجاء حتی جلس، فقالواقم یامصعب بن الزبیر ،فقام حتی اخذبالرکن الیمانی، فقال انک رب کل شیء والیک یصیر کل شیء اسألک بقدرتک علی کل شیء ان لاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی العراق وتزوجنی سکینة بنت الحسین، وجاء حتی جلس، وقالواقم یاعبد الملک بن مروان، فقام فاخذبالرکن الیمانی فقال: اللهم رب السموات السبع ورب الارضین السبع ذات النبت بعد القفر ،اسألک بحقک علی جمیع خلقک وبحق الطائفین حول عرشک ان لاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی شرق الارض وغربهاولاینازعنی احدالااُتیت برأسه ،ثم جاء حتی جلس، ثم قالواقم یاعبداللهبن عمرؓ فقام حتی اخذبالرکن الیمانی ثم قال: اللهم انک رحمٰن رحیم اسألک برحمتک التی سبقت غضبک واسألک بقدرتک علی جمیع خلقک ان لاتمیتنی من الدنیاحتی توجب لی الجنة، قال الشعبی وماذهبت عینای من

الدنیاحتی رأیت کل رجل منه قداعطی ماسأل، وبشّر عبداللہ بن عمر بالجنة ورُئیت له ۔اس روایت کوابن ابی الدنیا نے کتاب مجابوا الدعوۃ:۱۰۹، میں ذکر کیا ہے مذکورہ سند کے ساتھ۔

اس واقعہ سے ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن ابان العامری ہے اور اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال:۱/۱۱۱، میں لکھتا ہے: کذبہ یحی بن معین، اور امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ امام احمد اور دیگر محدثین نے اس کوترک کیا تھا، ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ **یضع الحدیث علی الثقات** یعنی محدثین پر اپنے طرف سے احادیث گھڑتے تھے۔امام مزی تہذیب الکمال:۳/۱۱۱، میں لکھتا ہے کہ امام بخاری نے اس کو متروک سمجھا، اوراسی طرح ابوذرعہ سے بھی نقل کیا ہے، کہ اس کے احادیث متروک ہیں، جرجانی سے نقل کیا ہے کہ **ظهر منه الکذب** ۔امام مزی اس کے متعلق لکھتا ہے: **وهومجمع علی ضعفه** ۔مزید تفصیل کتاب الضعفاء للعقیلی:۱/۸۲، کتاب المجروحین:۱/۲۸، الکامل:۱/۳۰۳، الضعفاء للدارقطنی:۵۷۔تہذیب التہذیب:۱/۲۷۰۔ میں ملاحظہ کرے۔

انیسویں دلیل: مسند فردوس:۱/۳۹۴، منتخب کنزل العمال:۲/۹۷، میں ایک روایت بغیر سند کے موجود ہے: علیؓ اور عمرؓ سے منقول ہے: **اذاشجاک شیطان اوسلطان فقل: یامن یکفی من کل احدولایکفی منه احد، یااحدمن لا احدله، یاسندمن لاسندله، انقطع الرجاء الامنک، فکنّی ممّاانافیه واعنّی علی ماانا علیه مماقدنزل، بجاه وجهک الکریم بحق محمد** ﷺ آمین۔

اس روایت کی سند ''تسدید القوس'' میں ابن حجر نے یوں بیان کیا ہے: **من روایة ابی عبداللہ الجرجانی عن شفیق عن ابراهیم بن ادهم عن موسیٰ بن یزیدعنه** ۔اس میں موسیٰ بن یزید مجہول ہے، اور شقیق بلخی منکر الحدیث ہے، امام ذہبی نے میزان لاعتدال:۲/۲۷۹، میں اس کے متعلق تفصیل کیا ہے۔اور سیوطی نے **اللالی المصنوعة**: ۲/۳۵۲، میں بحوالہ ابن النجار اس روایت کو عمرؓ اور علیؓ سے لمبی نقل کی ہے جس میں لفظ ''**وبحق کل عبد**'' ہے لیکن پہلے سے معلوم ہوا کہ یہ سند ناقابل اعتبار ہے۔

بیسویں دلیل: یہ لوگ امام ذہبیؒ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، جو کہ اس نے تاریخ اسلام:۳/۲۴۳، اور ۳۴۲، میں ذکر کیا ہے۔**ثم قاتلهم فاستشهد، اعنی عبد الرحمٰن بن ربیعه، فاخذ اخوه سلمان بن ربیعة الرایة، وتحیزبالناس، قال فهم یعنی الترک یستسقون بجسدعبد**

الرحمٰن حتی الآن ۔ یہ واقعہ خلیفہ نے تاریخ: ۱۶۵، میں اور طبری نے تاریخ: ۳۰۴/۴، ۳۰۶، میں اور ابن عدی نے تاریخ: ۱۳۲/۳، ۱۳۴، میں ذکر کیا ہے ۔ لیکن اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ ترکوں اور عوام کا عمل ہے، جس کا دین میں کوئی اعتبار نہیں ۔

اکسویں دلیل: اسی قسم کا ایک واقعہ ابن ابی عاصم نے کتاب الاحاد والمثانی: ۱۶۳/۱، میں ذکر کیا ہے کہ: وقد رأیت جماعة من اهل العلم واهل الفضل اذاهم اخذهم امر قصدالی قبره فسلم علیه ودعابحضرته وکان یعرف الاجابة واخبرنامشایخناقدیماانهم رأوا من کان قبلهم یفعله ۔ اس واقعہ کو ابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ :۱۰۰/۱، میں اس سے نقل کیا ہے بغیر سند کے، اور بغیر سند کے واقعہ کو دین میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا ۔

بائیسویں دلیل: حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے یہ حدیث کتاب الحث علی طلب العلم (ضمن مجموعہ): ۲۲۳، میں منقول ہے کہ: من اراد ان یوتیه الله حفظ القرآن وحفظ العلم، فلیکتب هذاالدعا فی اناء نظیف بعسل ثم یغسله بماء مطریاخذه قبل ان یقع علی الارض، ثم لیشربه علی الریق ثلاثة ایام فانه یحفظ باذن الله: اللهم انی اسألک بانک مسؤل لم یسأل مثلک ،اسئلک بحق محمدرسولک ونبیک ، الحدیث ۔ لیکن یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے، ابن جوزی نے کتاب الموضوعات: ۱۷۵/۳، میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: هذاحدیث موضوع علی رسول الله،و المتهم به عمر بن الصبح، قال ابن حبان، یضع الحدیث علی الثقات لایحل کتب حدیثه، الّاعلی وجه التعجب.

امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال: ۱۹۹/۴، میں لکھا ہے کہ کذبه یحیی وقال الدارقطنی وغیره متروک فمن بلایاه قال حدثناوکیع عن عبدة عن ابی وائل عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال من ارادان یوتیه الله حفظ العلم فلیکتب هذا الدعاء : الحدیث ۔ یہ روایت خطیب بغدادی نے کتاب الجامع: ۲۶۱/۲، میں نقل کیا ہے، اور ابن عراق نے تنزیه الشریعة: ۳۲۲/۲، اور سیوطی نے اللالی المصنوعۃ: ۳۵۶/۲، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت دوسندوں سے منقول ہیں، لیکن ایک سند میں عمر بن صبح ہے جو کہ متہم ہے، اور خطیب والی روایت میں موسیٰ بن ابراہیم مروزی ہے جو کہ کذاب ہے ۔

تیئسویں دلیل: ایسی ایک روایت ابوبکرؓ کو بھی منسوب ہے جو کہ ابن اثیر نے جامع الاصول: ۳۰۲/۳، میں نقل کیا ہے

بغیر سند کے۔کہ:قال: علمنی رسول اللہ ﷺ ھذا الدعاء قال:قل اللھم انی اسئلک بمحمدنبیک وبابراھیم خلیلک،وبموسیٰ نجیّک الحدیث ،لیکن سیوطیؒ مذکورہ کتاب کی صفحہ:۳۵۷/۲، میں اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، کہ اس میں عبدالملک ہے جوکہ دجال ہے، باوجوداسکے کہ سند میں اعضال بھی واقع ہے۔اورابن تیمیہؒ نے مجموع فتاوی:۲۵۲/۱، میں اس کے متعلق لکھا ہے: ھی من الاحادیث الضعیفة الواھیة بل الموضوعة ، ولایوجدفی ائمة الاسلام من احتج بھاولا اعتمدعلیھا.

چوبیسویں دلیل: بعض لوگ سوادبن قارب، جوکہ طبرانی نے کبیر:۹۴/۷،اورامام بیہقی نے دلائل النبوۃ:۲۵۰/۲، میں نقل کیاہے ، کےاشعار سےاستدلال کرتے ہیں جوکہ مندرجہ ذیل ہیں:

فاشھدان اللہ لارب غیرہ   وانک مامون علی کل غائب
وانک ادنی المرسلین وسیلة   الی اللہ یاابن الاکرمین الاطایب
فمرنابمایأتیک یاخیرمن مشی   وان کان فیماجاء شیب الذوائب
وکن لی شفیعایوم لاذوشفاعة   سواک بمغن عن سوادبن قارب

امام بیہقی کی کتاب میں لفظ وسیلہ کی جگہ لفظ شفاعت مذکور ہے۔اورعمدۃ القاری:۵۱۸/۱۱، میں بھی لفظ شفاعت ہے، امام ذہبی نے تاریخ اسلام:۲۰۶/۱، میں لفظ شفاعت نقل کیا ہے۔ابن کثیر نے بحوالہ ابویعلی موصلی سے لفظ وسیلہ نقل کیاہے،اورابویعلی نے کتاب المعجم:۲۶۵، میں اورحاکم نے:۸۰۰/۴، میں ابونعیم نے دلائل النبوۃ:۱۱۴/۱، میں،مجمع الزوائد:۴۴۹/۸، میں اورصفدی نے الوافی بالوفیات:۲۲/۱٦، میں اورابن عبدالبر نے الاستیعاب:۶۷۵/۲، میں اورابوالقاسم اصبہانی نے:۱۱۹۴/۴، میں لفظ وسیلہ نقل کیا ہے۔مصاعدبن سلیمان نے دلائل النبوۃ کی تحقیق اورتخریج میں بہت تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ:انھاروایات لاتقوم بھاحجة ولایبنی علیھادین وعقیدة :۱۲۰۸/۴۔یہ حدیث بہرحال ناقابل اعتبار ہےامام ذہبی تاریخ اسلام میں لکھتا ہے کہ ھذاحدیث منکرومحمدبن تراس وزیادمجھولان، لاتقبل روایتھما،واخاف ان یکون موضوعاعلی ابی بکربن عیاش ولکن اصل الحدیث مشھور ۔(جوکہ امام بخاری نے ۳۸٦٦، میں نقل کیا ہےاس اشعار کے بغیر)۔پھرآگےفرماتا ہےموصلی کی سند میں ابوعبدالرحمٰن ہے جوکہ متفق علی ترکہ اورعلی ابن منصور میں جہالت ہے،مزید یہ کہ حدیث منقطع بھی ہے، پھرابن عدی کےحوالہ سےفرماتا ہے کہ عبادلیس بثقة یأتی بالطامات۔توایسی روایت سے استدلال کرناعلماء کا کام نہیں۔

پچیسویں دلیل: روایت امام دارمی ہے جو اس نے سنن:۱/۵۵۸، میں نقل کیا ہے: عائشہؓ سے: حدثنا ابو النعمان ثنا سعید بن زید ثنا عمرو بن مالک النکری ثنا ابو الجوزاء اوس بن عبداللہ قال :قحط اهل المدینة قحطا شدیداً فشکوا الی عائشة، فقالت انظروا قبر النبی ﷺ، فاجعلوا منه کواً الی السماء حتی لایکون بینه وبین السماء سقف، قال ففعلوا فمطرنا. مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم، فسمی عام الفتق. اور یہ روایت ابن جوزی نے، کتاب الوفاء:۸۰۱، میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ اوس بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے، تو انہوں نے عائشہؓ کے پاس شکایت کی، تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر پر ایک روشن دان بنادو، کہ اس کے اور اسمان کے درمیان کوئی چھت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس سے اس قدر بارش ہوئی کہ نباتات اُگ آئیں، اونٹ موٹے ہو گئے، ان میں خوب چربی پیدا ہوگئی، اور اس کا نام ہی کشادگی کا سال پڑ گیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور تین امور کے باعث نا قابل احتجاج ہے۔

پہلی وجہ: تو یہ ہے کہ سعید بن زید جو کہ حماد بن زید کا بھائی ہے اس میں کچھ ضعف ہے، حافظ تقریب میں فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہے، اور اس کے ہاں کچھ اوہام بھی ہیں، ذہبی میزان میں فرماتے ہیں کہ یحی بن سعید ضعیف ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ حجت نہیں ہے۔ محدثین اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی اور کئی دیگر محدثین نے فرمایا کہ یہ قوی نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت عائشہؓ پر موقوف ہے یہ نبی کریم ﷺ کی مرفوع روایت نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو، تو پھر بھی حجت نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ یہ بعض صحابہ کرامؓ کی اجتہادی اراء کے قبیل سے ہو۔ اجتہادی اراء میں خطا وصواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور ہم ان کے اجتہادات کے مطابق عمل کے مکلّف نہیں ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں جو ابوالنعمان ہے اس کا نام محمد بن فضل ہے جو عارم کے نام سے معروف ہے، یہ اگر چہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ حافظ برہان الدین حلبی نے الاغتباط بمن رمی بالاختلاط ص:۲۳، میں حافظ ابن الصلاح کے بالتبع ذکر کیا ہے۔ حافظ نے مقدمہ میں مختلطین کے ضمن میں :ص۳۹۱، میں اسے ذکر کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ کتاب الردعلی البکری:۶۸، اور۷۴، میں فرماتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، اس لئے کہ عائشہؓ کی حیات میں آپ ﷺ کے گھر میں روشن دان نہیں تھا، بلکہ گھر کی کیفیت اسی طرح تھی جس طرح عہد نبوی میں تھی، گھر کے کچھ حصہ

پر چھت پڑی ہوئی تھی اور کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔

ولید بن عبدالملک نے اپنے دور امارت میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا، اور قبر کے گرد ایک بلند دیوار کھڑی کر دی، اور پھر بعد میں ایک روشندان بنایا۔ اور اگر صحیح ثابت بھی ہو جائے تو روشندان کھلنا نزول رحمت الٰہی کے لئے تھا دعا کا تو یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، تو اس سے استدلال کرنا بعید از عقل ہے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جو سبز گنبد بنایا گیا ہے تدفین کے وقت سے کافی عرصہ تک اس کا وجود نہیں تھا، ابن نجار نے کہا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے ارد گرد دیوار تھا۔ اس لئے کہ قبر اور مسجد کے مابین فرق ہو، اور یہ تقریباً ٦٧٨ھ تک اسی حالت پر تھا۔ اس کے بعد کمال احمد بن برہان نے یہ گنبد بنایا اور اس پر بہت پیسہ خرچ کیا، پھر بعض لوگوں نے ان کے خلاف بادشاہ کو شکایت کی اور کہا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی کی ہے، اور اس حدیث کی خلاف کیا ہے جو ابوداود نے، ابواب السلام باب فی البناء، میں نقل کیا ہے کہ: **ان رسول اللہ ﷺ خرج فرأى قبة مشرفة فقال ماهذه؟ قال له اصحابه لفلان (رجل من الانصار) قال فسكت وحملها فی نفسه حتی اذا جاء صاحبها رسول اللہ ﷺ یسلم علیه فی الناس اعرض عنه" صنع ذلک مراراً" حتی عرف الرجل الغضب فيه والاعراض عنه فشكاذلک الى اصحابه فقال والله انی لانکر رسول اللہ ﷺ" قالوا اخرج فرأى قبتک ،فرجع الى قبته فهدمها حتى سواها بالارض، فخرج رسول اللہ ﷺ ذات يوم فلم يرها فقال مافعلت القبة ؟قالوا اشكاالينا صاحبها اعراضک عنه فاخبرناه فهدمها فقال اما ان كل بناء وبال على صاحبه الامالا يغنی مالابد منه۔**

یعنی نبی کریم ﷺ نے راہ میں ایک گنبد اونچا دیکھا، تو آپ ؐ نے فرمایا یہ کیا ہے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلان انصاری کا مکان ہے آپ ؐ سن کر چپ ہو رہے اور دل میں اس بات کو رکھا جب وہ شخص اپ ؐ کے پاس آیا اور مجلس میں آپ ؐ پر سلام کیا تو آپ ؐ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور چند بار ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کو معلوم ہو گیا غصہ آپ ؐ کا، اس نے اپنے دوستوں سے شکایت کی اور کہا قسم اللہ کی میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ ویسا نہیں پاتا جیسے پہلے آپ ؐ میرے ساتھ محبت کرتے تھے لوگوں نے کہا آپ ؐ ایک روز باہر نکلے تھے تو تیرا مکان دیکھا تھا (شاید اسی مکان کو دیکھ کر آپ ؐ ناراض ہوئے ہوں) یہ سن کر وہ شخص اپنے مکان میں آیا اور اس کو گرا دیا زمین کے برابر کر دیا، پھر ایک روز آپ ؐ نکلے اور اس مکان کو نہ دیکھا آپ ؐ نے فرمایا وہ مکان کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے مالک نے ہم سے شکایت کی آپ ؐ کی بے

التفاتی کی تو ہم نے اس کو بتادیا، اس لئے اس نے اس کو منہدم کردیا تو آپؐ نے فرمایا: ہر مکان اس کے مالک پر وبال ہے۔ مگر وہ کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو:۳۸/۳۷، مترجم ابوداؤد۔ تو بادشاہ نے اس کو سزادی۔ اس کے بعد ملک ناصر قلاؤں کے عہد میں ان کی تجدید کی گئی اور بہت زیادہ مال اس پر خرچ کیا گیا۔

پہلی صدی ہجری میں ۸۷ھ تک مسجد نبوی کی مشرقی جانب حجرات شریفہ موجود تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ میں مسجد کی توسیع کی، تو ان حجرات کو گرا کر مسجد میں شامل کرلیا، چونکہ تمام ازواج مطہرات فوت ہوچکی تھیں، البتہ حجرہ عائشہؓ کو باقی رکھا، جس میں قبور شریفہ تھیں۔ اس کی اصل دیواروں کی مرمت کی، اب یہ حجرہ تعمیر شدہ مسجد کے اندر تھا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے دو اہم کام کیے، ایک تو حجرہ شریف کے اردگرد پانچ کونی دیوار تعمیر کردی، تاکہ حجرہ کی شمالی جانب نماز ادا کرنے والوں کا رُخ براہ راست اور سیدھا حجرہ شریف کی طرف نہ ہو۔

نیز حجرہ شریفہ کے چوکور ہونے کی وجہ سے اس کی مشابہت کعبۃ اللہ سے نہ ہو، دوسرا کام یہ کیا کہ مسجد کی چھت کا جو حصہ حجرہ شریف کے اوپر تھا، اسے عام چھت کی سطح سے زرا اونچا اور نمایاں کردیا۔ تاکہ چھت پر جانے والا کوئی بھی شخص اس کے اوپر سے نہ گزرے کہ یہ آدب کا تقاضا ہے، ساڑے چھ سو سال تک پانچ کونی حجرے اور چھت کی یہی کیفیت رہی چھ سو اٹھاسٹھ ۶۶۸ ہجری میں سلطان بیبرس نے حجرہ شریف کے اردگرد کچھ فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کی جالیاں نصب کردیں، پھر آٹھ سو اٹھاسی ۸۸۸ ہجری میں سلطان کا قایتبائی نے ان کی جگہ پیتل اور لوہے کی جالیاں نصب کیں، جو آج تک موجود ہیں، ادھر چھت کے بارہ میں چھ سو اٹھتر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے تبدیلی کی، کہ حجرہ شریفہ کے بالائی حصہ کو چھت پر مزید نمایاں کرنے کے لئے گمبند بنادیا، بعد میں اسی گنبد کی تجدید ہوتی رہی اس تاریخی پس منظر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قبور مبارکہ والے حجرہ شریفہ کی بالائی چھت مسجد نبوی شریف کے ساتھ مشترک تھی، لہٰذا اس مقام کے تقدس اور آدب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے عام چھت سے نمایاں کردیا۔ اور ساتویں صدی ہجری میں اس پر گنبد بنادیا گیا۔ لہٰذا ان معروضی حالات کو نظر انداز کرنا اور گنبد خضراء کو بنیاد بنا کر جگہ جگہ قبروں پر گنبد بنانا صحیح نہیں ہے۔ خود سید الاولیاء نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر کسی قسم کی عمارت بنانے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

عن جابرؓ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ نهى ان يقعد على القبر وان يقصص (اى يجسس) ويبنى عليه .(ابوداود: کتاب الجنائز باب فی البناء علی القبر) ۔مزید تفصیل کے لئے سمھودی کی کتاب: وفاء الوفاء: ۶۰۹/۲، مطالعہ کریں۔

چھبسویں دلیل: جبکہ بعض مبتدعین سورۂ نساء ایت نمبر:۱، سے استدلال کرتے ہیں کہ "تساء لون به والارحام"۔ یعنی رحم کے واسطے سوال کرنا جائز ہے۔ تو اس کا جواب فتح المنان:۴۰۸،اور مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ:۱/۳۳۹، میں لکھا ہے کہ،واماقول الناس اسألک بالله وبالرحم، وقرأة من قرأ(تسائلون به و الارحام)بجر الارحام، فهومن باب التسبب بها،فان الرحم توجب الصلة وتقتضى ان يصل الانسان قرابته، فسؤال السائل لغيره بالرحم توسل اليه بمايوجب صلته من القرابة التى بينهما،ليس هومن باب التوسل بمالايقتضى المطلوب ،بل هوتوسل بمايقتضى المطلوب ،كالتوسل بدعاء الانبياء وبطاعتهم .و الصلاة عليهم.ومن هذا الباب:مايروى عن عبدالله بن جعفرانه قال:كنت اذاسئلت علياشيئافلم يعطنيه، قلت له بحق جعفرالامااعطيتنيه فيعطينيه، اوكماقال: فان بعض الناس ظن ان هذا من باب الاقسام عليه بجعفراومن قولهم :اسألک بحق انبيائک ،ونحوذلک وليس كذلک. الخ.

یعنی:طریقہ استدلال یہ ہے کہ لفظ''ارحام'' کوجر(زیر) کے ساتھ پڑھتے ہیں،تو یہ باب التسبب سے ہے اس لئے کہ رحم یہ تاکید کرتا ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی وقرابت قائم کرے۔جب ایک آدمی دوسرے سے رحم کے ذریعے سوال کرتا ہے،تو یہ دراصل اس نے اپنے مابین جوصلہ وقرابت ہے،اس کووسیلہ بنایا،اور یہ وسیلہ اس باب سے نہیں جس کا مطلوب تقاضا کرتا، بلکہ یہ ایک ایساوسیلہ ہے جوکہ مطلوب اس کا تقاضا کرتا ہے، جیسا کہ وسیلہ انبیاءعلیہم السلام کی دعاء، یااس کی طاعت یاان پردرودوغیرہ سے ہو۔اوراس باب سے وہ روایت بھی جوکہ عبداللہ بن جعفرؓ سے مروی ہے کہ جب میں علیؓ سے کچھ مانگتااوروہ نہ دیتاتو میں اس کوکہتا کہ جعفر کے حق کے وسیلہ سے دےدوتو پھر دیتا۔اور بعض کووہم ہے کہ یہ اس باب سے ہے کہ علیؓ کوبحق جعفرقسم دیتااور یااس باب سے ہے کہ اسئلک بحق انبيائک لیکن یہ صحیح نہیں۔

اوران کا یہ استدلال تحریف قران کا مترادف ہے،اس ایت کی تفسیر مفسرین نے جوکیا ہے اس میں سرے سے اس غلط وسیلے کا ذکر نہیں۔(ایت کاتفسیر اپنی جگہ پر ملاحظہ کیجئے)۔

ستائیسویں دلیل: جبکہ یہ لوگ واقعۂ دانیال علیہ السلام سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو:ابن جریرطبری نے تاریخ:۴/۲۲۰،الاصابہ لابن حجر:۶:۲۳۶،اورابن عساکر نے تاریخ دمشق:۵۸/۳۴۱،۳۴۴،بیہقی نے دلائل النبوۃ:۱/۳۸۲،۳۹۰ ،اور تاریخ اسلام:۵/۲۶۷،ومنہاج التاسیس:۳۲۴،دلائل النبوۃللاصفہانی:۱/۸۴۔اورابن ابی شیبہ نے:۱۳/۲۸، میں نقل

کیا ہے کہ: عمرؓ کے زمانے میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا، تو ایک بہت مکلّف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی، جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی۔ کسی عضو کی صورت وھیئت میں فرق نہیں آیا تھا، اور ابوموسیؓ نے ان کی نسبت عمرؓ کو خط لکھا، عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر دفن کر دو۔

ابوموسیؓ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل وکفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کے نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرا دیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: اس طرح نقل کیا ہے **حدثنا حمادبن سلمه عن ابی عمران الجونی عن انسؓ انهم لما فتحوا تستر قال: فوجد رجل انفه ذراع فی التابوت کانوا یستظهرون ویستمطرون به، فکتب ابو موسیؓ الی عمربن خطابؓ بذلک فکتب عمرؓ، ان هذا نبی من الانبیاء والنار لاتأکل الانبیاء والارض لاتأکل الانبیاء ،فکتب ان انظرانت واصحابک .یعنی اصحاب ابی موسی، فادفنوه فی مکان لایعلمه احد غیر کما،قال فذهبت انا وابو موسیٰ فدفناه!.** خلیفہ ثانی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو غسل دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر کو غسل دو، اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس کو کفن دو، اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح اس پر بھی نماز جنازہ پڑھو۔ اور لحد کھود کر دفن کیا جائے۔ ابن قیم اغاثۃ اللھفان: ۱/۳۱۹، میں فرماتے ہیں: اس کہانی میں حکمت یہ ہے کہ: صحابہ کرامؓ نے اس کی قبر کو لوگوں سے مخفی رکھا، تا کہ اس کے سبب لوگ فتنے میں نہ پڑ جائے، اگر دعا ونماز قبر کے نزدیک اچھا کام ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اس قبر کو مخفی نہ چھوڑتے بلکہ اس کو نمایاں کر دیتے۔ اور یہی جواب منہاج التاسیس اور صیانۃ الانسان: ۲۴۶، میں مذکور ہے۔

اب ہم علماء احناف کے اقوال کو نقل کرتے ہیں اس لئے کہ اس وسیلہ کے قائلین خصوصا ہمارے ملک میں احناف ہیں، تا کہ اس ایت کا مصداق بنے: **وشهد شاهدمن اهلها** ۔ان کے معتبر کتاب ہدایہ میں ہے: کہ **ویکره ان یقول فی دعائه بحق فلان" اور "بحق انبیائک ورسلک، لانه لاحق للمخلوق علی الخالق**۔ بدرالدین عینی ان الفاظ کی تشریح میں مزید لکھتا ہے **وکذا الحق و المشعر الحرام.هذامماتوهم ان علی الله حقاللمخلوقین وان کانت عادة الناس جرت بذلک. (البنایه فی شرح الهدایه: ۱۱/۲۸۱)** مشہور ترین کتاب درالمختار: ۹/۴۸۳، لکھتا ہے: **عن ابی یوسف عن ابی حنیفه لاینبغی لاحدان یدعوالله الابه، و الدعاء الماذون فیه "المامور به" ما استفیدمن قوله تعالی: ولله الاسماء الحسنی فادعوه بها۔وکره قوله (بحق رسلک**

واولیائک وانبیائک)اوبحق البیت، لانہ لاحق للخلق علی الخالق تعالی ،ولوقال لاخربحق اللّٰہاو باللّٰہان تفعل کذالایلزمہ ذلک۔ (رد المحتارمع الشرح: ۹/۴۸۴۔

اورصاحب بحرالرائق کنز کی اس متن (وبحق فلان) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **لایجوزان یقول بحق فلان علیک، وکذابحق انبیائک واولیائک ورسلک و البیت وا لمعشر الحرام، لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق ، وانمایخص برحمتہ من یشاء من غیروجوب علیہ، ولوقال رجل لغیرہ بحق اللہ اوباللہافعل کذا،لایجب علیہ ان یأتی بذلک شرعا** ۔(البحرالرائق:۳۷۹/۸۔اسی طرح کی عبارات اورکتابوں میں ہےصرف حوالہ جات پراکتفاءکرتے ہیں: **ابن عربی :فتوحات : ۱۷۷/۴ ،شرح العقیدۃ الطحاویہ :من ۲۹۴/۱ ،خلاصۃ الفتاوی : ۳۲۶/۴،شرح فقہ اکبر لملا علیّ القاری : ۱۶۱، فتاوی سراجیہ : ۷۲ ،جلاء العنین : ۴۵۲،فتح القدیر لابن الھمام : ۷۷/۱۰،مجمع الانہر: ۲۳۲/۴ ،مخزن اسلام :۳۷،۳۸،تبیین الحقائق: ۲۰/۷،العنایہ، لبابرتی : ۱۴۵/۶ ۔**

فتاوی ہندیہ :۲۱۸/۵،میں بھی اسی طرح موجودہے ۔قدوری نے فقہ کی اپنی بڑی کتاب جوکہ''شرح الکرخی'' کے نام سےموسوم ہے، کے، باب الکراہۃ میں ذکرکیاہے بشربن ولیدنے کہاہے کہ ہمیں امام ابویوسفؒ القاضی نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا! کہ کسی کے لئے یہ جائزنہیں کہ وہ اللہ تعالی کوپکارے،مگراسی کے نام کے ساتھ،اورمیں یہ مکروہ سمجھتاہوں کہ کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرےعرش کی عزت والی گرہوں کے وسیلہ سے تجھ سے یہ سوال کرتاہوں، یا یہ کہے کہ میں تیری مخلوق کےحق کے واسطے سے تجھ سےسوال کرتاہوں ۔امام ابویوسفؒ کابھی یہی قول ہے لیکن امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ عرش کےعزت والا اللہ تعالی ہی ہے لہٰذامیں اسے مکروہ نہیں سمجھتاالبتہ یہ مکروہ سمجھتاہوں کہ کسی کےحق،انبیاءومرسلین کرام کےحق،یابیت الحرام ومشعرالحرام کےحق سےدعا کی جائے۔

امام قدوری فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالی کومخلوق کاواسطہ دیکرسوال کرنا جائزنہیں ہے، کیونکہ مخلوق کا خالق پرکوئی حق نہیں ہے، لہٰذابالاتفاق سوال کرنے کی یہ صورت ناجائزہے۔امام ابوحنیفہؒ اورصاحبین یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص یوں دعاکرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کےحق یاانبیاءومرسلین کےحق یابیت الحرام کےحق کاواسطہ دیکرسوال کرتاہوں، کیونکہ اللہ تعالی پرکسی کاحق نہیں ہے۔اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اورامام محمد بن حسن الشیبانیؒ یہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی یوں دعاکرے:اے اللہ! میں تیرےعرش کی''گرہوں کاواسطہ دیکرسوال کرتاہوں''، لیکن امام ابویوسفؒ کوجب اس سلسلہ =

مَـا تُـقُبِّلَ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيۡمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيۡـدُوۡنَ أَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ

تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہو گا ۔ (ہرچند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں

وَمَـا هُـمۡ بِخَارِجِيۡنَ مِنۡهَا وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۷﴾ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے ۔ اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت

فَـاقۡـطَـعُـوۡا أَيۡـدِيَهُـمَـا جَـزَآءً بِـمَـا كَسَبَـا نَكَـالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ

اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ اُن کے فعلوں کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست

=میں اثر پہنچا تو انہوں نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔

میں نے یہ نقول اس لئے کثرت سے ذکر کی ہیں کہ بہت سے متعصب حنفی اس سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ قول صحت کے ساتھ منقول نہیں ہے، اگر یہ قول صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ کتب فقہ میں امام صاحب کی طرف منسوب کوئی قول بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی عالم، فقیہ سے یہ بات مخفی نہیں کہ حنفی کتب میں ائمہ حنفیہ کے اقوال نقل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول پیش کر کے جواب دیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم پر اس قول کی پابندی لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث کے مخالف ہے، اور حدیث سے (ان کے گمان کے مطابق) یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کے وسیلے سے پکارنا جائز ہے ۔جیسا کہ حدیث اصحاب غار، اور حدیث بریدہؓ، سے ثابت ہوتا ہے، یہ دونوں حدیثیں قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں ۔لیکن یہ لوگ ان احادیث کی غلط تفسیر کرتے ہیں، یہاں امام صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ کانوں تک تقلید میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور حدیث خواہ کتنی ہی صحیح الاسناد اور صریح الدلالت ہو ۔جب ان کے مذہب کے خلاف ہو تو پھر اس حدیث سے اعراض کر لیتے ہیں، لیکن اب نہ معلوم کہ اپنے معروف طریقے کو خیرباد کہہ کر ہمارے انداز کو کیوں اپنا رہے ہیں؟ نہ معلوم یہ تناقض ہے یا غفلت یا پھر یہ کہ ﴿یقولون بالسنتهم مالیس فی قلوبهم﴾ ۔

حَكِيْمٌ ۝ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ
حکمت والا ہے ۔ اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا
إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے؟
وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴿۴۰﴾
جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔
يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ
اے پیغمبر! جولوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (کچھ تو) اُن میں سے (ہیں)
قَالُوْٓا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا
جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اُن کے دل ایمان نہیں لائے اور (کچھ) اُن میں سے جو یہودی ہیں
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ
اُن کی وجہ سے غمناک نہ ہونا۔ یہ غلط باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کیلئے
مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ إِنْ
جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح باتوں کو اُن کے مقامات میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں
أُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو اُس سے احتراز کرنا۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط أُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُّطَهِّرَ
تو اُس کیلئے تم کچھ بھی اللہ سے اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا

قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

اُن کیلئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ أَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَآءُوْكَ

(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس

فَاحْكُم بَيْنَهُم أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ط

(کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم اُن میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر اُن سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾

اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ

اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصل کرائیں گے جب کہ خود اُن کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ إِنَّآ أَنْزَلْنَا

پھر اس کے بعد اُس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے ۔ بیشک ہم نے ہی تورات

التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا

نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِي

تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾
قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں ۔
وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ
اور ہم نے ان لوگوں کیلئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے آنکھ کے بدلے اور ناک کے بدلے ناک
وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ
اور کان کے بدے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلا ہے لیکن جو شخص بدلا معاف کر دے
فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں
وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى آثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ
اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے
وَآتَيْنٰهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ
اور اُن کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اُس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ
اور پرہیزگاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے ۔ اور اہلِ انجیل کو چاہیئے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں
فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَأَنْزَلْنَآ
اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں ۔ اور ہم نے تم پر
إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ
سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے ۔ تو جو حکم اللہ نے نازل

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ هُمْ

فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا

عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط

تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے سو نیک کاموں میں پہل کرو

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا ۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

اورجو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی

أَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ

پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں اگر یہ

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيْبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ

نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں

﴿۴۹﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کیلئے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے

بَعْضٍ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت
الظّٰلِمِينَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ
نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تم انہیں دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں کہتے
نَخْشٰى أَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ط فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ
ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل
فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَا أَسَرُّوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا
فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں کو جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ اور مسلمان کہیں گے
أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ
کہ کیا یہ وہی ہیں جو اللہ کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ
أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ
خسارے میں پڑ گئے۔ اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے
عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ
دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں
أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں
وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور

عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

جاننے والا ہے ۔ تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے ۔ اے ایمان والو!

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا

جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ۔ اور جب تم لوگ

نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ

نماز کیلئے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس لئے کہ سمجھ نہیں رکھتے

﴿٥٨﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ

کہو اے اہل کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوا اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل

إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ

ہوئی اس پر اور جو (کتابیں) پہلے نازل ہوئیں اُن پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر بدکردار ہیں ۔ کہو کہ

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ

میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ط

اور جن پر غضبناک ہوا او ر (جن کو) ان میں سے بندر او رسؤر بنا دیا

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں ۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ

اور جب یہ لوگ تمہار ے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ کفر لے کر آتے ہیں

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا

او راسی کو لے کر جاتے ہیں اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں اللہ اُن کو خوب جانتا ہے ۔ اورتم دیکھو گے کہ

مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

ان میں اکثر گناہ او رزیادتی او رحرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں

يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ

برا کرتے ہیں ۔ بھلا ان کے مشائخ اورعلماء انہیں گناہ کی باتوں

وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے بلا شبہ وہ بھی برا کرتے ہیں ۔ اور یہود کہتے ہیں

يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پرلعنت ہو

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ط

(اس کا ہاتھ بندھ ہوا نہیں) بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے[۷]

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

اور (اے محمد ﷺ!) یہ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے اُن میں سے اکثر کی شرارت

وَّكُفْرًا ط وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَا

اور انکار اور بڑھے گا۔ اور ہم نے اُن میں عداوت اور بغض قیامت تک کیلئے ڈال دیا ہے یہ جب

---

[۷] اس جملے کا ظاہری و حقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہے اور ہاتھوں کی یہ صفت بھی ہے کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یہ مفرد بھی ذکر ہوا ہے جیسے کہ **سورۃ فتح : ۱۰**، میں اور جمع بھی سورۂ یٰسٓ : ۷۱، میں، یہ مسئلہ بھی اسماء وصفات میں سے ہے ہم اس کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں کہ معنی تو ظاہر ہے لیکن کیفیت مجہول ہے یہی صفت بہت سی احادیث میں بھی مذکور ہے۔ایک روایت عبداللہ بن عمرو سے امام مسلم نے:۳/ کتاب الأمارة:۱۸۲۷، میں نقل کی ہے کہ: **قال رسول اللہ ﷺ ان المقسطين على منابر من نور عن يمين الرحمٰن عزوجل، وكلتايديه يمين، الذين يعدلون في اهلهم وحكمهم وما ولوا** ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ رحمٰن کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہونگے ،اور اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنے اہل وعیال، اور رعایا میں فیصلہ عدل وانصاف سے کرتے ہیں۔سورۂ الزمر:۶۷، میں بھی یہ صفت ہاتھ کی ذکر ہے کہ اللہ تعالی کا دائیاں ہاتھ،اس مسئلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں صرف مذکورہ حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ جب ید (ہاتھ) کا ذکر ہو جائے تو اس سے مراد انسانی ہاتھ ہوتا ہے تو اس وجہ سے ہم یہاں تاویل کرنے پر مجبور ہیں جبکہ یہ لوگ ید کے یہ معنی کرتے ہیں کہ **هو المكون من العظم و اللحم و الاعصاب بهذه الكيفية**،(**يعنى الجارحة**) **الجام العوام**:۴۷، **للغزالیؒ** و **كتاب الاسماء و الصفات للبيهقى**: ۴۹،۵۰۔ تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ علی القاریؒ نے شرح فقہ اکبر:۴۴، میں لکھا ہے[**ولايقال**][ای

فی مقام التاویل کماعلیه بعض الخلف مخالفین للسلف. [ان یده قدرته]ای بطریق الکنایة [اونعمته]ای بناء علی ان الیدیطلق علی النعمة................[لان فیه]ای فی تاویله [ابطال الصفة]ای فی الجملة لانه تعالی حیث اطلق الیدولم یذکر القدرة و النعمة بدلهافالظاهرانه ارادبهاغیرمعانیها................ثم اکّد القضیة بقوله [ولکنّ یده صفته بلاکیف]ای بلامعرفة الی کیفیة کعجزناعن کنه۔

اسی طرح بدرالدین عینی عمدۃ القاری:۱/۲۲۲، میں لکھتا ہے:ولفظ الیدمن المتشابهات ففی مثل هذاافترق العلماء علی فرقتین :احدا هماماتسمی مفوضة، وهم الذین یفوضون الامر فیهاالی اللّٰہ تعالی قائلین[ومایعلم تاویله الا اللّٰہ] ال عمران:۷،و الاخری تسمی مؤلة ،وهم الذین یؤولون مثل هذاکمایقال المرادمن الید القدرة عاطفین [و الراسخون فی العلم]ال عمران:۷،علی: اللّٰہ ،والاول اسلم و الثانی احکم قلت، ذکرابو حنیفةؒ ان تاویل الیدبالقدرة ونحوذلک یؤدی الی التعطیل، فان اللّٰہ تعالی اثبت لنفسه یدافاذا اولت بالقدرة یصیرعین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل هذاان نؤمن بماذکره اللّٰہ من ذلک علی ماارادہ ولانشتغل بتأویله فنقول له یدعلی ماارادہ لاکَیَدِ الْمَخْلُوْقِیْنَ وکذلک فی نظائرذلک.

مزیدوضاحت کے لئے ہم ان کو کہتے ہیں کہ ہاتھ کی جوتعریف ہے یہ انسانی ہاتھ کا ہے، جبکہ اس کے علاوہ قرآن وسنت میں اور ہاتھوں کا بھی ذکر ہے تو وہاں آپ یہ تعریف صادق نہیں کرسکیں گے؟۔

(۱) سورۃ انعام:۹۳، میں ملائکہ کے ہاتھ کا ذکر ہے ۔(۲) جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ کا ذکر فتح الباری :۱/۱۴۲، میں، اور امام احمد نے مسند:۲۹/۴۵، میں، ابو مالک کی حدیث میں ذکر کیا ہے کہ: ان النبیﷺ بینما هو جالس فی مجلس فیه اصحابه، جاء ه جبرئیل علیه السلام فی غیر صورته یحسبه رجلا من المسلمین فسلم علیه فرد علیه السلام ثم وضع جبریل یده. الحدیث:۔(۳) اس ملک کا ہاتھ جو کہ بادلوں پر مقرر ہے، مسند احمد:۴/۲۸۵، میں لمبی حدیث ہے درمیان میں فرماتا ہے:قالوا اخبرنا ماهذا الرعد؟ قال: ملَک من ملائکة اللّٰہ عزوجل مؤکل بالسحاب بیده او فی یده مخراق من نار یزجربه

السحاب. الحديث.

(۴) جنات کے ہاتھوں کو بھی ید کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ابی بن کعبؓ میں ہے جو کہ مسند الشاشی :۳/۳۳۷، اور نسائی نے سنن الکبری:۹/۳۵۲، اور ابن حبان نے رقم:۷۸۴، میں نقل کیا ہے کہ: ان اباه اخبره أنه كان لهم جرين فيه تمر ،فكان ابی يتعاهده فوجده ينقص فحرسه ذات ليلة فاذا هو بدابة شبيه الغلام المحتلم قال :فسلمت فرد السلام فقلت له من انت أجن ام انس؟قال جن ،قال ناولنی يدک قال فناولنی فاذا يد كلب وشعر ،فقلت له أهكذا خلق الجن . الحديث.

(۵) گھوڑے کے آگلے پاؤں کو ید کہا جاتا ہے: جیسا کہ حدیث ابی ہریرۃؓ میں ہے کہ:عن ابی هريرةؓ قال كان رسول الله ﷺ يكره الشكال من الخيل والشكال:ان يكون الفرس فی رجله اليمنىٰ بياض،وفی يده اليسرىٰ او فی يده اليمنىٰ ورجله اليسرىٰ [مسلم رقم : ١٠١، ١٠٢، ١٨٧٥، ابوداؤدرقم :٢٥٤٧ ،ترمذی رقم :١٦٩٨ :یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہا رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے میں شکال کو مکروہ سمجھتے تھے اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔

(٦) اونٹ کے آگلے پاؤں کو ید کہا گیا ہے ابوداؤد میں عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: افاض رسول الله ﷺ من عرفة وعليه السكينة ورديفه اسامة فقال يا ايها الناس عليكم بالسكينة فان البر ليس بايجاف الخيل و الابل.قال فمارأيتها رافعة يديها عادية حتی اتی جمعا.زادوهب ثم اردف الفضل بن عباسؓ وقال ايها الناس ان البر ليس بايجاف الخيل و الابل.قال فمارأيتها رافعة يديها حتی اتی منىً ۔کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے اطمینان اور سہولت سے اور آپ کے ساتھ اسامہؓ سوار تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو، لازم ہے تم پر آہستہ اطمینان سے چلنا، کیونکہ گھوڑوں اور انٹوں کا دوڑانا کچھ نیکی نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ اٹھائے دوڑتا ہو۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں آئے وہاں فضل بن عباسؓ کو اپنے ساتھ بٹھایا پھر فرمایا اے لوگو، نیکی گھوڑے یا اونٹ کے دوڑانے کا نام نہیں ہے لازم جانو، اطمینان سے آہستہ چلنا، ابن عباسؓ نے کہا: پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ (آگے کے پاؤں ان کو ہاتھ کہتے ہیں) اٹھائے دوڑتا ہو (بلکہ سب آہستہ چلنے

لگے)۔ابوداوٗد:۱۳۸/۲،رقم:۱۹۲۰۔

(۷)يد القميص : یعنی آستین کوبھی ید کہا گیا ہے۔امیہؓ سے روایت ہے کہ:انهاسألت عائشة عن قول اللہ تبارک وتعالی ﴿ان تبدوامافی انفسکم اوتخفوه یحاسبکم به اللہ﴾بقره:۲۸۴ .وعن قوله ﴿من یعمل سوء یجزبه﴾ النساء:۱۲۳ . فقالت ماسألنی عنهااحدمنذسألت،رسول اللہ ﷺفقال هذه معاتبة الله العبد بمايصيبه من الحمی و النكبة حتى البضاعة يضعهافی يدقميصه فيفقدهافيفزع لهاحتی ان العبدليخرج من ذنوبه كمايخرج التبر الاحمرمن الكير ۔یعنی اس نے عائشہؓ سے پوچھا،اللہ تعالی کے اس فرمان کےمتعلق،اگرتم ظاہرکردوجوتمہاری دلوں میں ہے یااس کو چھپالو،اللہ تم سے اس کا حساب لے گا،اوراللہ تعالی کے اس فرمان کے متعلق جوشخص براعمل کرے گااس کا بدلہ دیا جائے گا۔عائشہؓ نے فرمایا:جب سے میں نبی کریمﷺ سے دریافت کیا مجھ سے کسی نےنہیں پوچھا آپﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالی کا بندے پرعتاب کرنا ہے جو بندے کو بخار یا رنج وغیرہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ مال سے کوئی چیز جس کو وہ اپنے کرتے کی آستین میں رکھتا ہے اس کوگم پاتا ہے اس کے لئے غمگین ہوا،یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جاتاہے جس طرح سونا بھٹی سے سرخ نکلتا ہے۔ترمذی رقم:۲۹۹۱،ومسنداحمد:۲۱۸/۶، اوراسی طرح ایک روایت عبداللہ ابن عباسؓ سے کتاب المعجم :۱۱۷/۱،میں بھی مروی ہے۔

(۸)يد الاسد : یعنی شیر کی آگے کی ٹانگوں کوبھی ید کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث عثمانؓ میں ہے جوکہ سرقسطی نے کتاب الدلائل:۵۳۰/۲،اورطبقات فحول الشعراء:۵۹۳/۲،اورالاغانی:۱۲۷/۱۲،۱۳۱،میں منقول ہے کہ فضرب بيديه فارهج وكشرفافرج عن انياب كالمعاول (الحديث)۔

(۹)يد الصورة: یعنی تصویر یا جسد بغیر روح کے ہاتھ کوبھی ید کہا گیا ہے۔جوکہ سورۂ اعراف:۱۹۵،میں مذکور ہے۔

(۱۰)يد الشيطان(شیطان کی ہاتھ)کو ید کہا گیا ہے۔جیسا کہ ابن کثیر نے سورۂ انفال،ایت:۴۸،کی ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:وكانت يده في يدرجل من المشركين،انتزع يده ثم ولىٰ مدبراً۔مزید تفصیل کے لئے امام ذہبیؒ کی کتاب الاربعین ملاحظہ فرمائیں۔

أَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ط وَاللّٰهُ

لڑائی کیلئے آگ جلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا

فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

ہم ان سے ان کے گناہ محوکردیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے ۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِم مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے

لَأَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے ۔ان میں کچھ لوگ میانہ رو ہیں اور بہت

سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں ۔ اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں

وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے رکھے گا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ

بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں کرتا ۔[٨] کہو کہ اے اہلِ کتاب!

[٨] ما: موصولہ ہے جو عموم کے لئے ہے اور اس سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے آپ ﷺ

پرنازل ہوئے، یہاں ”مــاانزل“ سے چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو آگے آرہی ہیں۔”وان لـم تـفـعل“ الایة اگر آپ ﷺ نے ایک چیز کا بھی اخفا کیا اوراس کی تبلیغ نہ کی تو آپ ﷺ نے حق تبلیغ ادانہیں کیا،اسی طرح نبی کریم ﷺ کے جانشین علماء کا بھی فرض ہے کہ قران وسنت کے تمام احکام کی اشاعت کریں،اگرانہوں نے ایسانہ کیا بلکہ بعض قرانی احکام کو بعض دنیوی مصلحتوں اور ذاتی اغراض کی وجہ سے بیان نہ کیا مثلاً شرک وبدعت کا رد نہ کیا اور غیراللہ کی نذرونیاز کا مسئلہ بیان نہ کیا توانہوں نے حق تبلیغ ادانہیں کیا اوران کی باقی احکام کی تبلیغ بھی اللہ کی یہاں مقبول نہیں ہوگی۔

اس معنی کی تائید عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے،کہ:**ومـن زعم ان محمدا ﷺ کتم شیئامن کتاب الله فـقـداعـظـم على الله الفرية،لان الله يقول:** ﴿يَـا أَيُّهَـا الـرَّسُـوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾(بخاری: کتاب التفسیر،سورت النجم،ترمذی:٣٠٦٨) کہ جس نے زعم کیا کہ محمد ﷺ نے وحی میں کچھ چھپایا تووہ جھوٹا ہے ،اللہ تعالی فرماتا ہے،الایۃ۔یعنی اپ ﷺ اللہ کے تمام احکام کی تبلیغ کئے جائیں،اورمشرکین کی مخالفت طعن وتشنیع اورملامت کی پرواہ نہ کریں،اللہ آپ کوان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔اورایک دوسری روایت عائشہؓ سے نقل ہے کہ: **ان رســـــول الله ﷺ سهـر ذات ليـلة وهـي الى جنبه ،قالت فقلت ماشانك يارسول الله؟قال ليت رجلاصالحامن اصحابي يحرسني الـليـلة؟قـالـت فبينـا اناعلى ذلک اذسمعت صوت السلاح ،فقال من هذا؟فقال اناسعدابن مالک فقال ماجاء بک؟قـال جـئـت لاحـرسـک يـارسـول الله،قالت فسمعت غطيط رسول الله ﷺ في نومه.اخرجه احمدفي مسنده:٦/ ١٤٠، ١٤١ ،وبخاری کتاب الجهاد باب الحراسة في الغزو۔**

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کورسول اللہ ﷺ بیدار تھے،نیندنہیں آرہی تھے،میں نے کہایارسول اللہ آج کیا بات ہے؟فرمایا کاش کہ کوئی میرا نیک بخت صحابی آج پہرا دیتا،یہ بات ہورہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی،آپ ﷺ نے فرمایا،کون ہے؟جواب ملا،کہ میں سعدبن مالک ہوں،فرمایا کیسے آئے؟جواب دیااس لئے کہ رات بھرآپ ﷺ کی چوکیداری کروں،اس کے بعدرسول اللہ ﷺ باآرام سوگئے،یہاں تک کہ خراٹوں کی آوازآنے لگی۔

”ان الله لايهــــدی“ الاية آپؐ تبلیغ کئے جائیں اگرکچھ لوگ آپؐ کی تبلیغ سے متاثرنہیں ہوتے اور ہدایت قبول نہیں کرتے تو آپؐ اس کاغم نہ کریں۔،جولوگ ایمان نہیں لاتے وہ معاندین ہیں،اورمعاندین کے دلوں پران کی ضدوعناد کی وجہ سے مہرجباریت لگ جاتی ہے،اوران کواللہ تعالی کی طرف سے ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔

لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ

جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمہارے رب کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں اُن کو قائم نہ رکھو گے

رَّبِّکُمْ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۚ

کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور (یہ قرآن) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے اُن میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بھی بڑھائے گا

فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا

تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔ جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی

وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَا

یا ستارہ پرست یا عیسائی ان کو (قیامت کے دن)

خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ

نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا

وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ۚ کُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ

اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو اُن کے دل نہیں چاہتے تھے

فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے ۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ

اور یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی آفت نہیں آئے گی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

(لیکن) پھر اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اُن کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ
وہ لوگ بلا شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح، اللہ ہیں حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے
يٰبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ
کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی جو شخص اللہ کیساتھ شرک کرے گا
فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾
اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط
وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ
اگر یہ لوگ ایسے اقوال سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے
﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوْبُوْنَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهُ ط وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾
تو یہ کیوں اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اُس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهُ صِدِّيْقَةٌ ط
مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن کی والدہ (مریم) اللہ کی ولی
كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ
اور سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر
ثُمَّ انْظُرْ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ
بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں ۔ کہو کہ تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو

مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے ۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ

کہو کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

پہلے گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اکثر گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے ۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسٰی بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی

مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

(اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے بلاشبہ وہ بُرا کرتے تھے ۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

(وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے ۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ

اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی تھی اُس پر یقین رکھتے تو اُن لوگوں کو دوست نہ بناتے

وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً
لیکن اُن میں اکثر بدکردار ہیں ۔ (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کیساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے
لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا
یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں کے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے
الَّذِيْنَ قَالُوْآ إِنَّا نَصَارٰى ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾
جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ اُن میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے ۔[9]

---

[9] ان ایات میں مسلمانوں کے ساتھ عداوت یا مودت کے معیار سے ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو اپنی حق پرستی اور خوف الٰھی کی وجہ سے مسلمانوں سے بغض وعداوت نہیں رکھتے تھے،مگر ان اوصاف کے لوگ یہود میں بہت کم ، بلکہ معدوم تھے، جیسے عبداللہ ابن سلامؓ وغیرہ ،نصاریٰ میں نسبتاً ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی ،خصوصاً نبی ﷺ کے عہد میں ملک حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام وعوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی ،اور اسی سبب سے جب مکہ مکرمہ کے مسلمان قریش کے مظالم سے تنگ آ گئے ،تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا،اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے ، نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے جائیں ۔اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے پہلی مرتبہ گیارہ صحابہ کرام حبشہ کی طرف نکلے ،جن میں عثمان غنیؓ اوران کی زوجہ رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ بھی شامل تھیں ۔

اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جو عورتوں کے علاوہ بیاسی (۸۲)مردوں پر مشتمل تھا ،حبشہ پہنچ گیا ،شاہ حبشہ اور وہاں کے باشندوں نے ان کا شریفانہ استقبال کیا اور یہ لوگ امن وعافیت سے وہاں رہنے لگے ،قریش مکہ کے غیض وغضب نے ان کو اس پر بھی نہ رہنے دیا، کہ یہ لوگ کسی دوسرے ملک میں اپنی زندگی عافیت سے گذار لیں ،انہوں نے اپنا ایک وفد بہت سے تحفے دے کر شاہ حبشہ کے پاس روانہ کیا ،اور یہ درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیں ،مگر شاہ حبشہ نے حالات کی تحقیق کی ،اور جعفر بن ابی طالبؓ اوران کے رفقاء سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حالات معلوم کئے ،ان حالات اور اسلام کی تعلیمات کو عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی

پیشنگوئی کے عین مطابق پایا، جس میں خاتم الانبیآ ﷺ کی بعثت کا ذکر اور ان کی تعلیمات کا مختصر خاکہ، اور ان کا اور ان کے صحابہ کا حلیہ وغیرہ مذکور تھا، اس سے متأثر ہو کر شاہ حبشہ نے قریشی وفد کے ہدیئے، تحفے واپس کردئے اور ان کو صاف جواب دے دیا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے کا کبھی حکم نہیں دے سکتا۔

جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے دربار میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ کھینچ دیا تھا، اور پھر ان صحابہ کرام کے قیام نے نہ صرف اس کے دل میں بلکہ وہاں کے حکام وعوام سب کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سچی محبت وعظمت پیدا کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور وہاں آپ ﷺ کا اور صحابہ کرامؓ کا مطمئن ہوجانا معلوم ہوا، اور مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کیا تو نجاشی نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء، مشائخ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں باسٹھ (۶۲) آدمی حبشہ کے اور آٹھ (۸) شام کے تھے۔

یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک درویشانہ اور راہبانہ لباس میں ملبوس حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی، یہ لوگ سنتے جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے، سب نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے کتنا مشابہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، اور یہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ ان کی واپسی پر نجاشی نے بھی اسلام کا اعلان کردیا اور اپنا ایک خط دے کر اپنے صاحبزادے کو ایک دوسرے وفد کا قائد بنا کر بھیجا، مگر سوء اتفاق سے یہ کشتی سمندر میں غرق ہوگئی، الغرض حبشہ کا بادشاہ اور حکام وعوام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا بلکہ بالآخر خود بھی مسلمان ہوگئے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا کہ آیات متذکرہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں: **لتجدن اقربهم مودة للذين اٰمنوا الذين قالوا انا نصارىٰ** : اور بعد کی آیات میں ان کا خوف حق تعالیٰ سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے، اس پر بھی جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اگرچہ یہ آیات نجاشی اور اس کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن الفاظ میں عموم ہے، اس لئے اس کا حکم ان تمام نصاریٰ کے لئے عام اور شامل ہے، جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں، یعنی اسلام سے پہلے انجیل کے متبع تھے، اور اسلام آنے کے بعد اسلام کے پیروکار ہوگئے۔

یہود میں بھی اگرچہ چند افراد اسی شان کے موجود تھے، جو عہد موسوی میں تورات پر عامل رہے، پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، لیکن یہ اتنی کم تعداد تھی کہ امتوں اور قوموں کے ذکر کے وقت اس کو ذکر نہیں

کیا جاسکتا ہے، باقی یہود کا حال کھلا ہوا تھا، کہ وہ مسلمانوں کی عداوت اور بیخ کنی میں سب سے آگے تھے، اسی لئے صدر آیت میں یہود کا یہ حال ذکر فرمایا: **لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود**: یعنی مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے جو خوف الٰہی اور حق پرستی کی حامل تھی، اس میں نجاشی اور اس کے اعوان بھی داخل ہیں۔ اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ میں داخل ہوں، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہوجائیں اور اسلام دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہرحال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، کیونکہ یہ بداہۃً غلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے، اسی لئے ابوبکر جصاص ؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں، یہ سراسر جہالت ہے، کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ نے بھی اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم حصہ نہیں لیا، ہاں یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے، جو حق پرست تھے، اسی کے نتیجہ میں ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، اور یہ آیات ان دونوں جماعتوں کے مابین اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں خود اسی آیت کے آخر میں قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمادیا ہے: **ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لایستکبرون**: یعنی جن نصاریٰ کی مدح ان آیات میں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور متقین، تارک الدنیا افراد ہیں اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہود کے یہ حالات نہ تھے، ان میں حق پرستی نہ تھی، ان کے علماء نے بھی بجائے ترک دنیا کے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنالیا تھا، اور طلب دنیا میں ایسے مست ہوگئے تھے کہ حق وناحق اور حلال اور حرام کی بھی پرواہ نہ رہی تھی، آیت مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم وملت کی اصلی روح حق پرست، اور متقی علماء ومشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے جب تک کسی قوم میں ایسے علماء ومشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں تقوی ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر وبرکت سے محروم نہیں ہوتی۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ

اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا

سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ عرض کرتے ہیں کہ اے رب!

آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

ہم ایمان لے آئے تو ہمیں ماننے والوں میں لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے

الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ

ایمان نہ لائیں اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں نیک بندوں کیساتھ (جنت میں) داخل کرے گا۔ تو اللہ نے ان کو اس کہنے

بِمَا قَالُوا جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَآءُ

کے عوض (جنت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکوکاروں کا یہی

الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَٰتِنَا أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ

صلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔

الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَٰتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ

مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں

وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اُسے کھاؤ

حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِيٓ أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ

اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا

بِاللَّغْوِ فِيْٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ
لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اُس کا کفارہ
إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ
دس محتاجوں کو اوسط درجے کا دووقت کھانا کھلانا ہے جوتم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو کپڑے دینا
أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ
یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے
إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا أَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیئے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے
لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ
اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو ۔[١٠]اے ایمان والو! شراب

---

[١٠]اس ایت میں قسم کھانے کی چندصورتوں کا بیان ہے،بعض کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے،اورخلاصہ سب کا یہ ہے کہ اگر کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کرجھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں،مثلاایک شخص نے کوئی کام کرلیا ہے،اوروہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے،اورپھر جان بوجھ کرقسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا،یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اورموجب وبال دنیاواخرت ہے،مگراس پرکوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا،توبہ واستغفارلازم ہے،اسی لئے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے کیونکہ غموس کے معنی ڈوبادینے والے کے ہیں،یہ قسم انسان کو گناہ اوروبال میں غرق کردینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ پراپنے نزدیک سچا سمجھ کرقسم کھائے اورواقع میں وہ غلط ہومثلاکسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے،اس پراعتماد کرکے اس نے قسم کھالی،کہ وہ آگیا ہے،پھرمعلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے،اس کویمین لغو کہتے ہیں۔اسی طرح بلاقصدزبان سے لفظ قسم نکل جائے تواس کوبھی یمین لغو کہا جاتا ہے اس کاحکم

یہ ہے کہ نہ اسپر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے۔بعض میں نہیں ہوتا۔اس جگہ قران کریم کی ایت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو کیونکہ بالمقابل" عقدتم الایمان " مذکور ہے،جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد صرف دنیا کا مواخذہ ہے جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورۂ بقرہ کی ایت:۲۵۲،میں ارشاد ہے:﴿لایواخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم﴾۔اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے۔جو بلا قصد وارادہ زبان سے نکل جائے،یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھالے۔مگر وہ واقع میں غلط نکلے۔اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو۔جس کو یمین غموس کہتے ہیں۔اس لئے اس ایت کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر تو کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ یمین غموس پر ہے جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہوتو سورۂ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے،اور اس سورت کی ایت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا۔جس کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر اللہ تعالی تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا،بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے جو آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو۔اور پھر اس کو توڑ دیا ہو اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کر لیا جائے۔اول یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا صبح وشام دو وقت کھلا دیا جائے۔یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دیا جائے،مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ،یا کوئی مملوک غلام ازاد کر دیا جائے اس کے بعد ارشاد ہے: فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام ازاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے۔بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے در پے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔ایت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اول لفظ اطعام آیا ہے اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں،اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی،اس لئے فقہاء نے ایت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ =

وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ

اورجوا،اوربت اورفال کے تیرسب شیطان کے گندے کام ہیں ۔

فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

سوان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ [11] شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں

= کفارہ دینے والے کودونوں باتوں کا اختیار ہے، کہ دس مسکینوں کی دعوت کر کے کھانا کھلا دے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جووہ عادۃً اپنے گھر کھاتا ہے، دس مسکینوں کودونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے۔اوردوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے۔لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہوسکتا ہے جبکہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

[11] ان آیات میں بتلانا یہ منظور ہے کہ مالک کائنات نے ساری کائنات کوانسان کی خدمت کے لئے پیدافرمایا،اور ہرایک چیزکوانسان کی خاص خاص خدمت پر لگادیا ہے،اورانسان کومخدوم کائنات بنایا ہے،انسان پرصرف ایک پابندی لگادی کہ ہماری مخلوقات سے نفع اٹھانے کی جوحدود ہم نے مقرر کردی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو،جن چیزوں کوتمہارے لئے حلال طیب بنادیاہے ان سے احتراز کرنا بے ادبی اور ناشکری ہے اور جن چیزوں کے کسی خاص استعمال کوحرام قراردیدیاہے، اس میں خلاف ورزی کرنا نافرمانی اور بغاوت ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ مالک کی ہدایات کے مطابق اس کی مخلوقات کا استعمال کرے،اسی کا نام عبدیت ہے۔

پہلی آیت میں شراب، جوا، بت اور جوئے کی تیر، چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے،اسی مضمون کی ایک آیت تقریباًایسے ہی الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ میں بھی آچکی ہے،اس آیت میں ان چارچیزوں کو رجس فرمایا،رجس عربی زبان میں ایسی گندی چیزکو کہا جاتا ہے جس سے انسان کی طبعیت کوگھن اورنفرت پیدا ہو، یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اورطبع سلیم رکھتا ہوتو خود بخود ہی ان چیزوں سے اس کوگھن اورنفرت ہوگی۔

ان چار چیزوں میں سے ایک ازلام ہے، جو زلم کی جمع ہے ازلام اُن تیروں کو کہا جاتا ہے جن پر قرعہ اندازی کر کے عرب میں جوا کھیلنے کی رسم جاری تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ دس آدمی شرکت میں ایک اونٹ ذبح

کرتے تھے، پھراس کا گوشت تقسیم کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ دس حصے برابر کر کے تقسیم کرتے اس میں اس طرح جوا کھیلتے کہ دس عدد تیروں میں سات تیروں پر کچھ مقررہ حصوں کے نشانات بنا رکھے تھے، کسی پر ایک کسی پر دو یا تین، اور تین تیروں کو سادہ رکھا ہوا تھا، ان تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتے تھے، پھر ایک ایک شریک کے لئے ایک ایک تیر ترکش میں سے نکالتے، اور جتنے حصوں کا تیر کسی کے نام پر نکل آئے وہ اُن حصوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

اور جس کے نام پر سادہ تیر نکل آئے وہ حصہ سے محروم رہتا تھا، جیسے آج کل بہت سی قسمیں لاٹری کے طریقہ پر بازاروں میں جاری ہیں، اس طرح کی قرعہ اندازی، قمار یعنی جوا ہے جواز روئے قرآن کریم حرام ہے۔ ہاں ایک طرح کی قرعہ اندازی جائز اور رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ کہ جب حقوق سب کے مساوی ہوں اور حصے بھی مساوی تقسیم کر دیئے گئے ہوں، پھر ان میں سے حصوں کی تعین بذریعہ قرعہ اندزی کر لی جائے، مثلاً ایک مکان چار شریکوں میں تقسیم کرنا ہے تو قیمت کے لحاظ سے چار حصے برابر لگا لئے گئے، اب یہ متعین کرنا کہ کونسا حصہ کس شریک کے پاس رہے، اس کی تعیین اگر آپس میں مصالحت ورضامندی سے نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ قرعہ اندازی کر کے جس کے نام پر جس طرف کا حصہ نکل آئے اس کو دیدیا جائے، یا کسی چیز کے خواہش مند ایک ہزار ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں، مگر جو چیز تقسیم کرنا ہے وہ کل سو ہیں تو اس میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ازلام کی قرعہ اندازی کے ذریعہ گوشت تقسیم کرنے کی جاہلانہ رسم کی حرمت سورۂ مائدہ ہی کی ایک آیت میں پہلے آ چکی ہے: ﴿وان تستقسموا بالأزلام﴾۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں جن چار چیزوں کا حرام ہونا مذکور ہے ان میں سے دو یعنی میسر اور ازلام نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، باقی تین میں ایک انصاب ہے جو نصب کی جمع ہے ایسی چیزوں کو نصب کہا جاتا ہے جو عبادت کے لئے کھڑی کی گئی ہو خواہ بت ہو یا کوئی درخت، پتھر وغیرہ۔ آیت کے شان نزول اور اس کے بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفاسد کا بیان کرنا ہے، یعنی شراب اور جوا، انصاب یعنی بتوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوے کا معاملہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی۔

ابن ابی شیبہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مدمن الخمر کعابد الوثن

:(رقم:۲۴۰۷۰)یعنی دائمی شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا،اور بعض روایات میں ہے: **شارب الخمر کعابد اللات والعزیٰ** :(مصنف عبدالرزاق:رقم ۱۷۰۶۴)یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں شراب اور جوئے کی شدید حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے،اول روحانی اور معنوی خرابیاں: **رجس من عمل الشیطٰن** :کے الفاظ میں بیان کیں،جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کے نزدیک گندی قابل نفرت چیزیں اور شیطانی جال ہیں،جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے،یہ روحانی مفاسد بیان فرمانے کے بعد حکم دیا گیا:﴿**فاجتنبوہ**﴾:کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو،آخر میں فرمایا: **لعلکم تفلحون** : جس میں بتلا دیا گیا کہ تمہاری فلاح دنیا وآخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں شراب اور جوئے کے دنیوی اور ظاہری مفاسد کا بیان اس طرح فرمایا: **انمایریدالشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر** :یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان بغض وعدوات کی بنیادیں ڈال دے،ان آیات کا نزول بھی کچھ ایسے ہی واقعات کے بارے میں ہوا ہے کہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکات صادر ہوئیں جو باہمی غیظ وغضب اور پھر جنگ وجدل کا سبب بن گئیں،اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا شراب کے نشہ میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جوئے کا معاملہ ہے کہ ہارنے والا اگرچہ اپنی ہار مان کر اس وقت نقصان اٹھالیتا ہے،مگر اپنے حریف پر غیظ وغضب اور بغض وعداوت اس کے لازمی اثرات میں سے ہے،قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل وعیال اور مال وسامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج وغم کی زندگی گذارتے تھے۔

آخر آیت میں پھر ان چیزوں کی ایک خرابی ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:﴿**ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ**﴾:یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتی ہیں،یہ خرابی بظاہر روحانی اور اخروی خرابی ہے،جس کو دنیوی خرابی کے بعد مکرر ذکر فرماتے ہیں،اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ اصل قابل نظر اور قابل فکر

وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، عقلمند کے نزدیک اسی کی خوبی مطلوب ومرغوب ہونی چاہئے، اور اسی کی خرابی سے ڈرنا چاہئے، دنیا کی چندروزہ زندگی کی خوبی نہ کوئی قابل فخر چیز ہے، نہ خرابی زیادہ قابل رنج وغم ہے، کہ اس کی دونوں حالتیں چندروز میں ختم ہوجانے والی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذکراللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیاوآخرت اور جسم وروح دونوں کے لئے مضر ہے۔ آخرت اور روح کے لئے مضر ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اور روح مردہ ہے، اور ذرا غور سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے غافل کیلئے دنیا بھی وبال جان بن جاتی ہے کہ جب اللہ سے غافل ہوکر اس کا انتہائی مقصود مال ودولت اور عزت وجاہ ہوجائے تو وہ اتنے بکھیڑے اپنے ساتھ لاتے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل غم ہوتے ہیں جس میں مبتلا ہوکر انسان اپنے مقصود المقاصد یعنی راحت وآرام اور اطمینان وسکون سے محروم ہوجاتا ہے، اور ان اسباب راحت میں ایسا مست ہوجاتا ہے کہ خود راحت کو بھی بھول جاتا ہے، اور اگر کسی وقت یہ مال ودولت یا عزت وجاہ جاتے رہیں یا ان میں کمی آجائے تو ان کے غم اور رنج کی انتہاء نہیں رہتی، غرض یہ خالص دنیادار انسان دونوں حالتوں میں رنج وفکر اور غم واندوہ میں گھرا رہتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا دل اللہ کی یاد سے روشن اور نور نماز سے منور ہے، دنیا کے مال ومنال اور جاہ ومنصب اس کے قدموں پر گرتے ہیں، اور انکو صحیح راحت وآرام پہنچاتے ہیں، اور اگر یہ چیزیں جاتی رہیں تو ان کے قلوب اس سے متأثر نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکراللہ اور نماز سے غفلت اگر بغور دیکھا جائے تو اخروی اور دنیوی دونوں طرح کی خرابی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ: **رجس من عمل الشیطٰن**: سے خالص اخروی اور روحانی مضرت بیان کرنا مقصود ہو، اور: **یوقع بینکم العدواۃ والبغضآء**: سے خالص دنیوی اور جسمانی خرابی بتلانا ہو اور: **یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ**: سے دین ودنیا کی مشترک تباہی وبربادی کا ذکر کرنا مقصود ہو، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ذکراللہ میں تو نماز بھی داخل ہے، پھر نماز کو علٰحدہ بیان کرنے میں کیا حکمت ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں نماز کی اہمیت اور ذکراللہ کی تمام اقسام میں افضل واشرف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نماز کو مستقل طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، اور تمام دینی اور دنیوی، جسمانی اور روحانی خرابیوں کی تفصیل بتلانے کے بعد ان چیزوں سے باز رکھنے کی ہدایت ایک عجیب دل نواز انداز سے فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے: **فھل انتم منتھون**: یعنی جب یہ ساری خرابیاں تمہارے علم میں آگئیں تو اب بھی ان سے باز نہیں آؤ گے۔

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے

وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہئیے ۔ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول (اللہ علیہ ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو

وَاحْذَرُوْا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْآ أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾

اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے ۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے

إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا

جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز کیا

وَّأَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور نیکو کاری کی اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے ۔ مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو

لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت ِ احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ ظاہر کرے

مَنْ يَّخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾

کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کیلئے دردناک عذاب ہے ۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اُسے مارے تو

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

(یا تو اُس کا) بدلا (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

قربانی) کعبہ پہنچائی جائے۔ یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ أَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ

تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو پھر کرے گا

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٩٥

تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے ۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں رہو تم پر حرام ہے

إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩٦ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔ اللہ نے عزت کے گھر (یعنی) کعبہ کو لوگوں کیلئے موجبِ

قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا

امن مقرر فرمایا ہے اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو وہ اُن جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو

أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو

عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

ہر چیز کا علم ہے ۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان بھی ہے ۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

پیغمبر کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓأُولِى الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ہی لگے تو عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ کامیاب ہو جاؤ ۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ

مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (اُن کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں

وَإِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ

اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ

(اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے ۔ اس طرح کی باتیں تم سے پہلے

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ

لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر اُن سے منکر ہو گئے ۔ اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے

وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں

الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝١٠٣ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ

اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے ۔[۱۱] اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے

---

[11] یہ مضمون تحریمات غیر اللہ کا اعادہ ہے بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو طواغیت کے خاطر چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ استعمال نہیں کرتے تھے۔ سائبہ وہ جانور جس کو طواغیت کی خاطر بار برداری کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے،

وصیلہ: اس نوعمر اونٹنی کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے جنیں اور ان کے درمیان نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔ ایسے اونٹنی کو مشرکین اپنی معبودوں کی خوشنودی کے لئے ازاد چھوڑ دیتے تھے۔

حام: اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں مشرکین اس کو طواغیت کے لئے چھوڑ دیتے۔ **قاله ابن المسیب. (بخاری کتاب التفسیر).**

اللہ تعالی نے تو مذکورہ بالا تحریمات کی ہرگز اجازت نہیں دی لیکن مشرکین یہ سب کچھ اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالی پر بہتان باندھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالی کفر و شرک کا حکم نہیں دیتا، اور تحریمات غیر اللہ تو صریح شرک ہے۔

مشرکین جس طرح غیر اللہ کی خوشنودی اور اپنے معبودان باطلہ کی رضا جوئی کے لئے نذریں مانتے تھے اسی طرح وہ بعض جانوروں کو اپنے معبودوں کی خاطر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ نہ ان کا گوشت کھاتے، نہ دودھ پیتے، نہ ان پر سواری کرتے، نہ بوجھ لادتے، یہ تحریمات وہ اپنے معبودوں کو راضی کرنے کے لئے کیا کرتے تھے، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، تحریمات غیر اللہ میں داخل ہیں، غیر اللہ کی نیازوں کو مشرکین حلال سمجھتے تھے، اور جن چیزوں کی انہوں نے اپنی طرف سے تحریم کر دی تھی ان کو حرام سمجھتے تھے، اللہ تعالی نے دونوں کا حکم بیان فرمایا، کہ غیر اللہ کی نذریں حرام ہیں، انہیں مت کھاؤ اور بحیرہ سائبہ وغیرہ تحریمات غیر اللہ حلال ہیں، ان کو کھاؤ، اور اپنی خود ساختہ تحریمات کو اٹھاؤ کیونکہ جو چوپائے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے حلال کئے ہیں وہ حلال ہی رہیں گے، اور بندوں کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہو جائیں گے۔=

وَإِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا ط

اُس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۞ [۱۰۴] يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ

بھلا اگر اُن کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں ؟ ۔ اے ایمان والو!

آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا

إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ [۱۰۵] ۞

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے سب کاموں سے جو کئے تھے آ گاہ کرے گا [۱۲]

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ

اور وصیت کرنے کا وقت ہو، وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں یا غیر لوگوں میں سے دو شخص ہوں

= بعض مفسرین نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کو نذر غیر اللہ میں داخل کر کے حرام قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ایک طرف تو یہ حکم دیا ہے: لاتحرموا طیبات مااحل اللہ لکم یعنی جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرو۔ اور دوسری طرف فرمایا: ﴿ماجعل اللہ من بحیرۃ ﴾ الآیۃ یعنی اللہ تعالی نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تحریم کا کوئی حکم نہیں دیا، اور نہ اس کی اجازت دی ہے، اس لئے یہ جانور حلال ہے اور حلال ہی رہیں گے، بندوں کی تحریم سے حرام نہیں ہو سکتے۔

[۱۲] اس ایت کے مفہوم سے یہ دلیل نہیں لی جا سکتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری نہیں رہا، اس اشکال کا جواب ابوبکرؓ نے خود فرمایا، قیس کہتا ہے کہ : قام ابوبکرؓ فحمداللہ واثنی علیہ وقال ایھا الناس انکم تقرؤن

هذه الٓاية : يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ أَنۡفُسَكُمۡ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ ، وانكم تضعونهاعلى غيرموضعها،واني سمعت رسول اللهﷺقال: ان الناس اذارأوا المنكرولايغيرونه اوشک الله عزوجل ان يعمهم بعقابه. قال وسمعت ابابكرؓيقول:ياايها الناس اياكم و الكذب فان الكذب مجانب الٓايمان. اس رویت کومسند احمد نے:۱/۵، میں نقل کیا ہے۔یعنی ابوبکرؓ کھڑے ہوکراللہ تعالی کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا،اے لوگو!تم یہ ایت پڑھتے ہولیکن اس کے مفہوم پراس کونہیں رہنے دیتے ،رسول اللہﷺ فرماتے تھے کہ اگر کوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھر اسے غیرت نہ آئے اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب، کہ اللہ تعالی ان دونوں کوعذاب میں گھسیٹ لے ۔اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔جھوٹ انسان کوایمان سے ہٹادیتا ہے۔

اورامام ترمذی نے ابوامیہ سے روایت نقل کی ہے(تحفۃ الأحوذی:۸/۲۳،۴/۴۲۶) اتيت اباثعلبة الخشنى، فقلت له كيف تصنع فى هذه الاية؟فقال ايّة اية؟قلت قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ أَنۡفُسَكُمۡ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ ، فقال اماوالله لقدسألت عنهاخبيراسألت عنهارسول اللهﷺفقال:بل ائتمروابالمعروف ،وتناهوعن المنكر،حتى اذارأيت شحّامطاعا،وهوى متّبعا،ودنياموثرة،واعجاب كل ذى رأى برايه، فعليک بخاصة نفسک ودع العوام فان من وراء كم اياما، الصبرفيهن مثل القبض على الجمر،للعامل فيهن اجرخمسين رجلايعملون كعملكم ،قال عبدالله بن المبارک وزادغيرعتبة، قيل يارسول الله اجرخمسين رجلامنهم اومنا؟قال بل اجرخمسين منكم. یعنی میں ابوثعلبہ الخشنی سے اس ایت کے بارے میں پوچھا(مذکورہ ایت) توانہوں نے کہا! کہ تم نے واللہ بہت ہی باخبر آدمی سے پوچھا،سنو!میں نے بھی رسول اللہﷺ سے اس ایت کے بارے میں پوچھا،تو آپﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی پگڑی سنبھالنے کے بعد بے فکر ہوکر نہ بیٹھ رہنا۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر برابر کئے جاؤ،اس وقت تک کہ لوگ تنگ دل اور تنگ حوصلہ ہوجائے ،زکوات نہ دیں،اورخواہشات کی پیروی کرنے لگیں،دنیا کواخرت پرترجیح دینے لگیں،ہرشخص اپنی ہی رائے پراڑنے لگے ،کسی ناصح کی کچھ نہ سنے،اس وقت تک الگ تھلگ ہوجاؤ،نابکاروں کواپنی حالت پرچھوڑ دو۔تمہارے بعد ہی ایسازمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہوگا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔اپنے آپ نیک عمل کرلینے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابر اجر پائے گا۔کہا گیا یارسول اللہﷺ کیا ہمارے پچاس آدمی یا اس گروہ کے؟ آپﷺ نے فرمایانہیں بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔

إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ؕ
اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت آجائے

تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهٖ
اگر تم اُن گواہوں کی نسبت کچھ شک کرو تو اُن کو (عصر کی) نماز کے بعد کھڑا کرو اور دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت

ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ﴿۱۰۶﴾
کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے [۱۳]

فَإِنْ عُثِرَ عَلٰى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ
پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انہوں نے حق مارنا چاہا تھا

يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ
ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں جو (میت سے) قرابت قرینہ رکھتے ہوں پھر وہ اللہ کی قسمیں کھائیں

---

[۱۳] یہ مبتداء ہے اور ''اثنان'' اس کی خبر ہے، خبر سے پہلے ''شھادۃ'' مضاف محذوف ہے، اصل میں ''شھادۃ اثنین'' تھا، مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسی کا اعراب دیکر اس کے قائم مقام کر دیا گیا ''من بعد الصلاۃ'' یہ قید اتفاقی ہے، کیونکہ نماز میں مسلمان جمع ہوتے ہیں، اس لئے شہادت ان کے سامنے ہو تو بہتر ہے۔ شرک فعلی کی نفی کے بعد شہادت کے مضمون کا ذکر بظاہر بے ربط سا معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ کا کلام اس عیب سے پاک ہے جناب شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ تحریمات اللہ، تحریمات غیر اللہ، نذر اللہ، اور نذر غیر اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا نہ کوئی غیب دان ہے، نہ متصرف و کارساز، اس لئے قسم بھی اللہ کے نام ہی کی کھانی چاہیئے ۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں سے بھی غیر اللہ کی قسم نہ لی جائے کیونکہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ ہے، اور کوئی نہیں، اور جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا غیب دان اور کارساز ہونا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا، دو عیسائی اور ایک مسلمان اکٹھے تجارتی سفر پر روانہ ہوئے، مسلمان بیمار ہو گیا اس نے ایک

کاغذ پراپنے سامان کی فہرست تیار کی ،اوراسے سامان میں چھپادیا،اوران کووصیت کی کہ وہ اس کا سامان اس کے وارثوں کودیدیں،وہ فوت ہوگیااس کے ساتھیوں نے اس کے سامان سے ایک نہایت قیمتی جام نکال لیا۔اور باقی سامان اس کے وارثوں کودیدیا۔ جب وارثوں نے سامان میں رکھی ہوئی فہرست میں جام کاذکر دیکھالیکن سامان میں اسے نہ پایا،توان دونوں سےاس کا مطالبہ کیاانہوں نے کہاہمیں اس کاعلم نہیں، چنانچہ میت کے وارثوں نے یہ مقدمہ نبیﷺ کے سامنے پیش کردیا۔آپﷺ نے وارثوں سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہیں تھےاس لئے آپﷺ نے وارثوں سے کہا کہ وہ ان سے کسی ایسی چیز کی قسم لے،جوان کے دین میں بڑی سمجھی جاتی ہے،اس پراللہ تعالی نے یہ ایت نازل فرمائی کہ قسم خواہ غیرمسلم سے لی جائے وہ صرف اللہ کے نام کی ہونی چاہئے نہ کہ غیراللہ کی، یہ روایت ترمذی کی ہے اس کے الفاظ یہ ہے:**فسئلهم البينة فلم يجدو افامرهم ان يستحلفوه بمايعظم على اهل دينه فحلف فانزل الله ياايها الذين امنواشهادة بينكم الخ.** ترمذی: ۳۰۲۹(خازن)۔

اس ایت میں ”**فيقسمان بالله**“مقصود جملہ ہے،یعنی اگرکوئی ایسےصورت پیش آجائےاوراس میں غیرمسلم سےقسم لینے کی ضرورت پڑجائےتواس سےبھی اللہ کے نام ہی کی قسم لینی چاہئے،جیسا کہ کتب فقہ میں لکھاہے: کہ یہودی سےاس طرح قسم لی جائےو**الله الذی انزل التوراة علی موسیٰ علیه السلام** اورعیسائی سے **والله الذی انزل الانجیل علی عیسٰی علیه السلام** اورآتش پرست سے**والله الذی خلق النار**.(ہدایہ وغیرہ)۔

”**استحقااثما**“ یعنی وہ خیانت اورجھوٹی شہادت سے گناہ کےمستحق ہوئے۔”**الذین**“ سےورثاءمیت مراد ہیں اور”**الاولیٰن**“ سے وہ دونوں شخص مراد ہیں جنہوں نے میت کے مال میں خیانت کی،اور پھرجھوٹی گواہی دی، اورمیت کےوارثوں کونقصان پہنچایا۔

المرادبالاوليان الوصيان اللذان ظهرت خيانتهما، فمعنى استحقاعليهم الاولیٰن خان فی مالهم وجنى عليهم الوصيان اللذان عثرعلى خيانتهما(روح المعانی). حاصل یہ کہ جب بعد میں معلوم ہوجائے کہ سفر میں جن دوآدمیوں کومیت نے وصیت کی تھی وہ خیانت مجرمانہ کی مرتکب ہوئے ہیں،اورانہوں نے غلط بیانی کی ہے،توپھرمیت کے وارثوں میں سے دوآدمیوں سےقسم لی جائے وہ اللہ کے نام کی قسم کھاکراپنابیان دیں، کہ ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے،اور ہمارابیان صحیح اورقابل قبول ہے،اورہم نے اپنے بیان میں حق سے تجاوزنہیں کیا۔

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ
کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے بہت سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، ایسا کیا ہو تو ہم
الظّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ أَدْنٰىٓ أَنْ يَّأْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوْا
بے انصاف ہیں۔اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری)
أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور (اس کے حکموں کو توجہ سے) سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو
الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ
ہدایت نہیں دیتا۔(وہ دن یاد کرو) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر اُن سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا؟[۱۴]

---

[۱۴] پہلے نفی شرک فعلی کے سلسلے میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں اب یہاں قیامت کے دن پیش آنیوالا ایک واقعہ ذکر کر کے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ اور تو خود انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر فوقیت اور برتری عطا فرمائی وہ بھی غیب دان نہیں تھے۔ وہ نہ زندگی میں غیب جانتے تھے، نہ موت کے بعد، غیر اللہ کے نام نذریں اور نیازیں صرف اس لئے دیتے تھے کہ وہ ہماری حاجات کو جانتے اور ہمیں نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں، جیسا کہ اج کل کے مشرکین کا بھی اپنے پیروں کے متعلق عقیدہ ہے تو اخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ صاف فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام تو غیب جانتے نہیں، جو سب سے افضل ہیں۔ چنانچہ وہ قیامت کے دن صاف کہیں گے کہ ان کے پیچھے جو کچھ ہوتا رہا ہے اس کا انہیں کچھ علم نہیں۔ پھر جو لوگ انبیاء علیہم السلام سے رتبہ میں کمتر ہیں وہ کس طرح غیب دان ہو سکتے ہیں۔

''یوم'' ظرف کا عامل بعد میں مذکور ہے قالوا لا علم لنا. فیقول، یجمع پر معطوف ہے یعنی جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے یہ سوال کرے گا کہ تمہیں تبلیغ توحید کے بعد اپنی

امتوں کی طرف سے کیا جواب ملا؟ اس دن وہ سب کہیں گے ہمیں تو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو غیب کی بات ہے اور تمام غیبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے اور کوئی نہیں۔ یہ ایت انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی پر برہان قاطع ہے۔

اس آیت میں ''ماذا اجبتم'' کے دو معنی ہیں: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سوال تبلیغ کے وقت سے متعلق ہوگا کہ جب تم تبلیغ کرتے تھے اس وقت لوگوں نے تمہاری بات کو قبول کیا یا نہ؟ تو وہ جواب دیں گے **لاعلم لنابباطن مااجاب بہ امـمـنا (قرطبی)** یعنی ان کے باطن کو ہم نہیں جانتے تھے ہمیں صرف ان کے ظاہر کا علم تھا لیکن اس میں عبارت مقدر کر کے مطلب نکالنا پڑتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء علیہم السلام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے؟ کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں؟ اور کیا تمہیں اس کا علم ہے تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے اللہ بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں، جیسا کہ اگلی ایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی قیامت کے دن اللہ تعالی کے سوال کے جواب میں یہی کہیں گے۔ **کنت علیهم شهیدامادمت فیهم**، الایۃ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے کہ جن انبیاء، اولیاء کو لوگ دنیا میں پکارتے رہے، قیامت کے دن وہ صاف کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی پکار وغیرہ کا کوئی علم نہیں۔ ''**ان کـنـا عـن عبـادتهم لغافلین**'' (یونس:۲۹) بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعد الوفات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں **لاعـلـم لـنـاالاان عـلـمـنـاجـوابهم لناوقت حیاتناولانعلم ماکان منهم بعد وفاتنا، (کبیر)**.

اہل بدعت کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تو سب کچھ ہوگا لیکن ہول قیامت کی وجہ سے وہ جواب نہیں دے سکیں گے، یہ جواب دو، وجوہ سے غلط ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام قیامت کے جزع فزع سے محفوظ ہوں گے اور ان پر کوئی گبراہٹ طاری نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد ہے: **لا یحزنهم الفزع الاکبر** (انبیاء: ۱۰۳) یعنی جن لوگوں کے لئے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے وہ قیامت کے فزع اکبر (بڑی گبراہٹ) سے خوفزدہ نہیں ہونگے (۲): اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کو سب کچھ معلوم تھا تو اس صورت میں **لاعـلـم لـنـا**، واقعہ کے صریح خلاف اور جھوٹ ہوگا۔

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَآ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰہُ
وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔ جب اللہ (عیسیٰ سے) فرمائے گا کہ اے
یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ
عیسیٰ بن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے
اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے تمہاری مدد کی تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق پر)
تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ
لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب اور دانائی
وَالتَّوْرٰاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ
اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اُس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے
فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ
اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتے تھے
وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ
اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل
عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ
تم سے روک دیا جب تم اُن کے پاس کھلے نشانیاں لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے کہنے لگے
اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ
کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر

آمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگے کہ (اللہ!) ہم ایمان لائے تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسٰی بن مریم! کیا تمہارا رب ایسا کر سکتا ہے

أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو ۔

قَالُوْا نُرِيْدُ أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

وہ بولے کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا

اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں ۔ (تب) عیسٰی بن مریم نے دعا کی کہ اے ہمارے رب!

أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا

ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کیلئے

وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ میں تم پر ضرور خوان نازل

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّيْ أُعَذِّبُهُ عَذَابًا

فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اُسے ایسا عذاب دوں گا

لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کہ اہلِ عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا ۔ اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسٰی بن مریم!

ءَ أَنْتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَأُمِّیَ إِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَکَ
کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے
مَا یَکُوْنُ لِیْ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ إِنْ کُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ
مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے معلوم ہوگا
تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ إِنَّکَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ
(کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اُسے میں نہیں جانتا بیشک تو علام الغیوب ہے
﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِیْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ
میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے
وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِیْبَ
اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگہبان تھا
عَلَیْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ
اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے ۔(۱۵)اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں
وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ
اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے ۔ اللہ فرمائے گا کہ آج
یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی اُن کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا أَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾
ہمیشہ ان میں بستے رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

(١٥) عن ابن عباسؓ قال خطب رسول اللهﷺفقال:یاایها الناس انکم محشورون الی الله حفاۃ عراۃ غرلاً.ثم قال:کمابدأنا اول خلق نعیده وعداعلینااناکنافاعلین.الی آخر الایة.ثم قال:الاوان اوّل الخلائق یُکسی یوم القیامة ابراهیمُ ،الاوانه یجاء برجال من امتی فیؤخذبهم ذات الشمال فاقول:یارب اصیحابی، فیقال:انک لاتدری مااحدثوابعدک فاقول کماقال العبد الصالح:وکنت علیهم شهیدامادمت فیهم،فلماتوفیتنی کنت انت الرقیب علیهم فیقال:ان هٰؤلاء لم یزالوامرتدین علی اعقابهم منذفارقتهم.الحدیث.بخاری:٤٦٢٥.

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قیامت کے روزتم ننگے اورغیرمختون اٹھائے جاؤ گے جیسے کہ پیدائش کے وقت تھے۔سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کولباس پہنایاجائے گا۔اب میری امت کے چندلوگ لائے جائیں گے جنہیں دوزخ کی نشانی کے طور پر بائیں طرف رکھاجائے گا۔تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت ہے،تو کہاجائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعدتمہاری سنت کوچھوڑکرکیابدعتیں ان لوگوں نے جاری کیں۔تو میں بندہ صالح کی طرح یہی کہوں گا(عیسٰی علیہ السلام)(یعنی ایت میں جومضمون ہے) کہاجائے گا کہ تمہارے بعدلوگ مرتد اور بدعتی ہوگئے تھے۔اس روایت کواس آیت کی تفسیر میں ابن کثیروغیرہ نے نقل کیا ہے۔

سورة الأنعام مکیۃ [۱]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین بنائے اور اندھیرا اور اجالا بنایا

ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ

پھر بھی یہ کافر اوروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھراتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر

قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

ایک وقت مقرر کردیا اور اس کے ہاں ایک مدت مقرر ہیں تم پھر بھی شک کرتے ہو۔

وَہُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الۡاَرۡضِ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَجَہۡرَکُمۡ

اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے

---

[۱] سورت انعام مکہ میں ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہوگئی، اس کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے، اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے، اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور سورۂ انعام اتر رہی تھی، میں ناقۂ نبی ﷺ کی باگ تھامے ہوئے تھی، وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسی دب گئی تھی کہ گویا اس کی ہڈیاں ہی ٹوٹ جائیں گی، ملائکہ زمین و اسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ سورۂ انعام اترنے کے بعد نبی کریم ﷺ تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے افق تک گھیرے ہوئے تھے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝﴿۳﴾ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا
اور اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اُن لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر
كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
یہ کہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جب ان کے پاس حق آیا تو اُس کو بھی جھٹلا دیا
فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَؤُا مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴿۵﴾
پس ان کو اُن چیزوں کا جن سے یہ استہزاء کرتے ہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔
أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِم مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیئے تھے کہ
مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ
تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور اُن پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوْبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
جو اُن کے (مکانوں کے) نیچے بہہ رہی تھیں پھر اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور اُن کے بعد
قَرْنًا آخَرِيْنَ ۝﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيهِمْ
اور اُمتیں پیدا کر دیں۔ اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ اُسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے
لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ
تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا
مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝﴿۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾
نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ
اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کیساتھ مذاق ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے مذاق کیا کرتے تھے
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا
اُن کو مذاق کی سزا نے آ گھیرا ۔ کہو کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُل لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟١١۔ (ان سے) پوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟
قُلْ لِلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ
کہہ دو کہ اللہ کا۔ اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں
فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾
ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے ۔
وَلَهُ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ
اور جو مخلوق رات اور دن میں آرام کرتے ہیں سب اُسی کی ہے اور وہ سنتا جانتا ہے ۔ کہو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو
أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ
مددگار بناؤں؟ کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا
قُلْ إِنِّىْ أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾
نہیں لیتا (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر!) مشرکوں میں نہ ہونا

قُلْ إِنِّيْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے

مَّنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾

جس شخص سے اس روز عذاب ٹال دیا گیاتو اُس پر اللہ نے (بڑی) مہربانی فرمائی اور یہ کھلی کامیابی ہے

وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اُس کے سوا اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت (وراحت) عطا کرے تو (کوئی

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

اُس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا

الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ

اورخبردار ہے۔ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے

وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ط

اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرٰى قُلْ لَّا أَشْهَدُ

کیاتم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کیساتھ اور بھی معبود ہیں؟ (اے محمدﷺ!) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ

کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں ۔جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِيْنَ

ہے وہ ان (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ جنہوں نے

خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾
اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے ۔
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيٰتِهٖ
اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کیا یا اُس کی آیتوں کو جھٹلایا کچھ شک نہیں
إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے ۔ اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے پھر
نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾
مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا؟
ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا وَاللهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾
تو اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا کہ) کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے
اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾
دیکھو اُنہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ جھوٹ بناتے تھے سب ان سے جاتا رہا ۔
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ
اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں
وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا
کہ اُن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو اُن پر ایمان نہ لائیں
حَتّٰى إِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا
یہاں تک کہ جب تمہارے پاس تم سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں مگر (ان باتوں سے)

إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ

اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔ اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ دوزخ کے کنارے

فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیئے جائیں تا کہ اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ

اور مومن ہو جائیں ۔ ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر

وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾

یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے

وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا

اور اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ فرمائے گا کہ کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) برحق نہیں ہے

بِالْحَقِّ قَالُوا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

تو کہیں گے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! (بالکل برحق ہے) اللہ فرمائے گا کہ اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب چکھو

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰهِ حَتّٰى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھاٹے میں آ گئے یہاں تک کہ جب اُن پر قیامت نا گہاں آ

قَالُوْا يَا حَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ
موجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ
أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت بُرا ہے ۔ اور دنیا کی زندگی تو ایک
إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾
کھیل اور تماشہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کیلئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟
قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ
ہمیں معلوم ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ
الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں ۔[۲] اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے
فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَأُوْذُوْا حَتّٰى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ
تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے
اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ كَانَ
والا نہیں۔ اور تمہیں پیغمبروں (کے احوال) کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر ان کی روگردانی تم پر
كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ
شاق گزرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو

---

[۲] علیؓ سے روایت ہے کہ: ان ابا جهل قال للنبی ﷺ انا لا نكذبك ،ولكن نكذّب بما جئت به،

فانزل اللہ تعالی ھذہ الآیۃ،(ترمذی رقم: ۳۰۶۴ مستدرک، ۲/ ۳۱۵)۔

جب ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: کہ اے محمد ﷺ! ہم تمہیں نہیں جھٹلاتے، ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لیکر آئے ہو، تو اللہ تعالی نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارا اختلاف اس دین وشریعت کے بارے میں ہے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، ہم تو تمہاری تکذیب صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تمہاری لائی ہوئی کتاب وشریعت کو سچ نہیں مانتے، اگر درمیان میں سے تمہاری یہ کتاب وشریعت ہٹ جائے تو پھر تمہارے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا، لیکن وہ لعین اتنا نہیں سمجھا کہ جب محمد ﷺ دنیاوی معاملات میں لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے، اور صدق وسچائی ان کا وصف ہے، جس کا اقرار واعتراف خود قریش مکہ کو بھی تھا، تو پھر وہ دین وآخرت کے معاملہ میں لوگوں سے کیوں جھوٹ بولیں گے؟ اور ان کو جھوٹ کی طرف بلائیں گے، اور اللہ پر بہتان باندھیں گے۔

اصل بات یہ تھی کہ قریش مکہ کے سارے بڑے بڑے سردار نبی کریم ﷺ کے تئیں سخت بغض وعناد اور حسد کا شکار تھے، ان کو ساری جلن اس بات کی تھی کہ اس یتیم واُمّی شخص کو اتنا بڑا مرتبہ کیسے مل گیا؟ اور ہم اتنی ساری دنیاوی وجاہتیں رکھتے ہوئے اس کی پیروی کیسے کریں، کس طرح اس کو اپنا بڑا اور قابل اتباع مان لیں۔ اور یہی جلن ان سے طرح طرح کی باتیں کہلواتی تھی، جن میں نہ کوئی معقولیت ہوتی تھی اور نہ کوئی سچائی۔

تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں دو مطلب لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ اے محمد ﷺ یہ کافر جو تمہیں جھٹلاتے ہیں، اور یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ تم واقعۃً اپنے پروردگار کی طرف سے نئی کتاب وشریعت لے کر مبعوث ہوئے ہو، تو یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، درحقیقت اللہ کی نازل کردہ آیتوں اور اس کے اتارے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں، گویا اللہ تعالی کے اس فرمان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مالک اپنے اس غلام سے کہ جس کو لوگ ناروا اطوار پر پریشان کرتے اور ستاتے ہوں، یہ کہے کہ وہ لوگ تجھے نہیں ستاتے، بلکہ مجھے ستاتے ہیں، تو دیکھنا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں، اور ان کو کیسا مزہ چکھاتا ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ کافر تمہیں نہیں جھٹلاتے ہیں کیونکہ تم تو ان کے نزدیک بڑے سچے اور آمین ہو، اور تمہاری سچائی اور امانت ان میں ضرب المثال کی حیثیت رکھتی ہے، ہاں یہ لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کے فرمائے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ مطلب حدیث کے مضمون سے زیادہ مطابقت اور موزونیت رکھتا ہے۔

أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لاؤ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ

پس تم ہرگز نادانوں میں سے نہ ہونا ۔ بات یہ ہے کہ (حق کو) قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے بھی ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا لَوْلَا

اور مُردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا پھر اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے ۔[۳] اور کہتے ہیں کہ ان پر

---

[۳] ''یسمعون'' کے معنی ''ینیبون'' کے ہیں یعنی صرف وہی لوگ حق کو قبول کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی طرف رغبت ہو بقرینہ وما یتذکر الا من ینیب (مومن: ۱۳) اور الموتی (مردے) سے مراد یہاں کفار ومشرکین ہیں، کیونکہ ان کے دل ایمان اور توحید سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے و الموتی ای الکفار کما قال الحسن ورواہ عنه غیر واحد............وفی اطلاق الموتی علی الکفار استعارۃ طبعیة مبنیة علی تشبیه کفرھم وجھلھم بالموت۔(روح)۔ جامع البیان میں ہے الکفار الذین کالموتی لایسمعون یعنی کافر ان مردوں کی طرح ہے نہیں سنتے۔ بیضاوی میں ھؤلاء کالموتی الذین لایسمعون .جلالین میں ہے الموتی ای الکفار شبّھھم بھم فی عدم السماع . امام رازیؒ نے فرمایا:ای لاسبیل الی استماعھم . ابوسعود نے بھی یہی کہا۔ابن جریر میں ہے: جعلھم اللّٰہ ذکرہ فی اعداد الذین لایسمعون صوتا،ولایعقلون دعاء ،ولایفقھون قولا. خازن میں ہے و المعنی انھم فی حال کفرھم وتکذیبھم کمن لایسمع ولایتکلم، و لھٰذا شبّه الکفار بالموتی، لان المیت لایسمع ولایتکلم (مدارک) و الموتی یبعثھم اللّٰہ، ثم الیه یرجعون، فحیئنذ یسمعون واماقبل ذلک فلا(نیسابوری)یعنی ان الذین تحرص علی حصول ایمانھم بمنزلة الموتی الذین لایسمعون . اورکشاف میں ہے:ھم بمنزلة الموتی الذین لایسمعون ۔خلاصہ ان تمام عبارات کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں میں شمار کیا ہے، جو نہ حق سنتے ہیں نہ کسی کی پکار سنتے ہیں، نہ بات سمجھتے ہیں، جیسے مردہ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے،مزید تفصیل بعد میں آئے گا۔

نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّنَزِّلَ آيَةً وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
ان کے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ
نہیں جانتے ۔اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے
إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ
اُن کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی پھر
يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ
سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے ۔اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں
فِي الظُّلُمٰتِ ط مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَأْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ
(اس کے علاوہ) اندھیرے میں (پڑے ہوئے) جس کو اللہ چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ
کہو (کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو
أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾
تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) [4]

---

[4] یہ دلیل عقلی ہے علی سبیل الاعتراف من الخصم ۔امام فراء کہتے ہیں: کہ" ارأیت"دومعنوں میں مستعمل ہیں اول رؤیت عین، دوم بمعنی "اَخبِرنِی" مثلا کہا جاتا ہے "ارئیتک ای اخبرنی" اس صورت میں ضمیر ثانی خواہ واحد ہی کی ہو، (ک) یا تثنیہ (کما) اور جمع (کم) کی اعراب میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا، اور اس کی حیثیت محض ایک حرف کی ہوتی ہے، جو مخاطب کی حالت افراد اور تثنیہ و جمع کا اظہار کرتا ہے (من الکبیر)۔=

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ
(نہیں) بلکہ (مصیبت کے وقت) تم اُسی کو پکارتے ہو تو جس دُکھ کیلئے اُسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے
وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ
تو اُس کو دُور کر دیتا ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو (اس وقت) انہیں بھول جاتے ہو۔ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف پیغمبر بھیجے
فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾
پھر (اُن کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں ۔

= علامہ رضی لکھتے ہیں: کہ یہاں یہ رویئت بصری ہے یا قلبی اور ''ارئیت'' بمعنی ،ابصرت، ہے یا بمعنی عرفت اور صرف ایک مفعول کو چاہتا ہے جو یہاں ''حالکم'' محذوف ہے اور مجازا ''اخبرنی'' مجھے بتا کے معنی میں مستعمل ہے، اور ہمیشہ حالت عجیبہ سے استفسار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ذهب الرضى تبعالغيره انّ رأى،هنا بصرية ، وقيل قلبية بمعنى عرف وهى على القولين: متعد لواحد،واصل اللفظ الاستفهام عن العلم و العرفان، او الابصار،الاانه تجّوزبه عن معنى اخبرنى، ولايستعمل الا فى الاستخبارعن حالة عجيبة لشئ.

اس کے بعد استفہام کا ہونا ضروری ہے خواہ مذکور ہو خواہ مقدر، یہاں مذکور ہے، یعنی، اغیر الله، مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ مشرکین سے فرمائے مجھے بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ پہنچے تو کیا پھر بھی تم غیر اللہ ہی کو پکارو گے؟ ''بل ایاہ'' یہ اس کا جواب ہے، یعنی اس وقت تم غیر اللہ کو نہیں پکارو گے بلکہ اللہ کے سوا تم جن معبودوں کو پکارتے ہو ان سب کو بھول جاؤ گے، اور صرف ایک اللہ ہی کو پکارو گے تو وہ اگر چاہے گا تو تم سے وہ مصیبت دور فرما دے گا۔ جس کے لئے تم نے اسے پکارا ہے۔

اور ابن حیان نے فرمایا ہے، کہ یہ بمعنی ''اخبرنی'' ہے، اور ''التاء'' فيه للخطاب (الفاعل) ومالحقهاحرف يدل على اختلاف المخاطب ،وايضاجئ بالكاف للتاكيدفاذاكان المخاطبون كثيرون جئ بصيغة الجمع. واذاكان المخاطب واحداجئ بصيغة الافراد، كمافى اسراء: ٦٢ ۔(بحر)۔

فَلَوْلَا إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ
تو جب اُن پر ہمارا عذاب آتا رہا تو کیوں عاجزی نہیں کرتے رہے مگر اُن کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ
اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان اُن کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اُس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا
فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا
تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے
أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے ۔غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ
اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ (ان کافروں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان
وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ
اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھو
كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰكُمْ
ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں ۔کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر
عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾
اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہو گا؟
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ
اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے

فَلا خَوُفٌ عَلَيُهِمُ وَلا هُمُ يَحُزَنُوُنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيُنَ كَذَّبُوُا بِآيٰتِنَا
تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے ۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
يَمَسُّهُمُ الُعَذَابُ بِمَا كَانُوُا يَفُسُقُوُنَ ﴿۴۹﴾ قُلُ لَّآ أَقُوُلُ لَكُمُ عِنُدِيُ
اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُنہیں عذاب ہو گا ۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس
خَزَآئِنُ اللهِ وَلا أَعُلَمُ الُغَيُبَ وَلا أَقُوُلُ لَكُمُ إِنِّيُ مَلَكٌ
اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں
إِنُ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوُحٰى إِلَيَّ قُلُ هَلُ يَسُتَوِي الُأَعُمٰى وَالُبَصِيُرُ
میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟
أَفَلا تَتَفَكَّرُوُنَ ﴿۵۰﴾ وَأَنُذِرُ بِهِ الَّذِيُنَ يَخَافُوُنَ أَنُ يُّحُشَرُوُا إِلٰى رَبِّهِمُ
تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ ۔ اور جو لوگ خوف رکھتے کہ اپنے رب کے رُوبرو حاضر کئے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ)
لَيُسَ لَهُمُ مِّنُ دُوُنِهٖ وَلِيٌّ وَلا شَفِيُعٌ لَّعَلَّهُمُ يَتَّقُوُنَ ﴿۵۱﴾
اُس کے سوا نہ تو اُن کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، اُن کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرو تاکہ پرہیزگار بنیں
وَلا تَطُرُدِ الَّذِيُنَ يَدُعُوُنَ رَبَّهُمُ بِالُغَدٰوةِ وَالُعَشِيِّ يُرِيُدُوُنَ وَجُهَهُ
اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں (اور) اُس کی ذات کے طالب ہیں
مَا عَلَيُكَ مِنُ حِسَابِهِمُ مِّنُ شَيُءٍ وَّمَا مِنُ حِسَابِكَ عَلَيُهِمُ مِّنُ شَيُءٍ
اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالو اُن کے حسابِ (اعمال) کی جوابدہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جوابدہی اُن پر کچھ نہیں
فَتَطُرُدَهُمُ فَتَكُوُنَ مِنَ الظّٰلِمِيُنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعُضَهُمُ بِبَعُضٍ
اگر اُن کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے ۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے

لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا

کہ (جو دولتمند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ

بھلا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ ۔ اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (اُن سے) سلام علیکم کہا کرو اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے

أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ

کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو وہ بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

مہربان ہے ۔ اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اس لئے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ قُلْ

(اے پیغمبر! کفار سے) کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے اُن کی عبادت سے منع کیا گیا ہے (یہ بھی) کہہ دو

لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کروں گا۔ ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہوں

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ مَا عِندِي مَا

کہہ دو کہ میں تو اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز کیلئے

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿۵۷﴾

تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے (ایسا) حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْأَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ

کہہ دو کہ جس چیز کیلئے تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ۔ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا

وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا یَعْلَمُهَا

اور اُسے جنگلوں اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ إِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ

اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کا خبر رکھتا ہے

ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ

پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم

إِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

(سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تمہیں تمہارے اعمال جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ

موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے ۔ پھر

رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ۭ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ

(قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔سن لو کہ حکم اُسی کا ہے اور وہ

أَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

نہایت جلد حساب لینے والا ہے ۔ کہو بھلا تمہیں جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟

تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَّئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ

(جب) کہ تم اُسے عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اللہ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشے

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ

تو ہم اُس کے بہت شکر گزار ہوں۔کہو کہ اللہ ہی تمہیں اُس مصیبت سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر (تم) اس کیساتھ

أَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ

شرک کرتے ہو ۔ کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے تم پر اوپر کی طرف سے

فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ

یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے

بَأْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں [5]

---

[5] امام بخاری نے اس ایت کی تفسیر میں جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ ایت اتری کہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ تو آپ نے فرمایا اعوذ باللہ من ذلک پھر "من تحت ارجلکم" سنکر بھی فرمایا "اعوذ باللہ پھر يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا سنکر فرمایا یہ اسان تر ہے۔اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگتے تو مانگ سکتے تھے۔سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کو سن کر آپ ﷺ فرمایا کہ یہ بات ہو کر رہے گی اور ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔(صحیح البخاری:۶/۱۷، کتاب التفسیر)۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُم بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَإٍ

اور اس (قرآن) کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے، کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں۔ ہر خبر کیلئے

مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيٰتِنَا

ایک وقت مقرر ہے اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ

بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات)

الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کیساتھ نہ بیٹھو۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ بھی جواب دہی نہیں ہاں نصیحت تاکہ وہ بھی پرہیزگار ہوں

﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اُن سے کچھ کام نہ رکھو

وَذَكِّرْ بِهٖ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ

ہاں اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو تاکہ (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ

اللہ کے سوا نہ تو کوئی اُس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔ اور اگر وہ ہر چیز کا بدلہ بطور معاوضہ دینا چاہے

لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ

تو وہ اُس سے قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے اُن کیلئے پینے کو

شَــرَابٌ مِّــنْ حَــمِيْــمٍ وَّعَـذَابٌ أَلِيْـمٌ بِـمَـا كَـانُـوْا يَـكْـفُـرُوْنَ ﴿۷۰﴾

کھولتا ہوا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے اس لئے کہ کفر کرتے تھے

قُـلْ أَنَـدْعُـوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰى أَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا

إِذْ هَــدَانَــا اللّٰهُ كَــالَّـذِي اسْتَهْـوَتْــهُ الشَّيٰـطِيْـنُ فِـي الْأَرْضِ حَيْـرَانَ ص

تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے زمین میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران

لَــهٗ أَصْــحَــابٌ يَّــدْعُــوْنَــهٗ إِلَى الْهُـدَى ائْتِـنَــا قُـلْ إِنَّ هُـدَى اللّٰهِ

(ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے

هُـوَ الْهُـدٰى وَأُمِـرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَأَنْ أَقِيْـمُوا الصَّلٰوةَ

جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو

وَاتَّـقُوْهُ وَهُـوَ الَّذِيْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُـوَ الَّـذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں

وَالْأَرْضَ بِـالْـحَـقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ط قَـوْلُـهُ الْـحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ

اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائیگا۔ اُس کا ارشاد برحق ہے

يَـوْمَ يُـنْـفَـخُ فِـي الـصُّـوْرِ عَـالِـمُ الْـغَيْـبِ وَالشَّهَـادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

اور جس دن صور پھونکا جائے گا اُسی کی بادشاہت ہو گی وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی دانا

الْـخَبِيْـرُ ﴿۷۳﴾ وَإِذْ قَـالَ إِبْـرَاهِيْـمُ لِأَبِيْــهِ آزَرَ أَتَتَّـخِـذُ أَصْنَـامًـا آلِهَةً

اور خبردار ہے۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟

إِنِّىْٓ أَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ إِبْرٰهِيْمَ
میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو ۔ اور ہم اسی طرح ابراہیم کو
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾
آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ
(یعنی) جب رات نے اُن کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا، کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے
فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ
جب وہ غائب ہوگیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہوجانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاندکو دیکھا کہ چمک رہاہےتو کہنے لگے
هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ
کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہ دکھاتے
لَأَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا
تو میں ان لوگوں میں ہو جاتا جو بھٹک رہے ہیں ۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہاہےتو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے
رَبِّىْ هٰذَآ أَكْبَرُ فَلَمَّآ أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾
یہ سب سے بڑا ہے۔مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کوتم شریک بناتے ہومیں اُن سے بیزار ہوں[6]
إِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے آپ کو اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

---

[6] یہاں بعض لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ان اقوال سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ابراہیم علیہ السلام

پہلے ایمان میں متردد تھے،توامام رازیؒ کتاب عصمۃ الانبیاء میں اس سے یہ جواب دیتے ہیں، کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بلوغ سے قبل کہا تھا۔اس لئے کہ جب آپ کو بلوغ سے کچھ عرصہ قبل اللہ کی الوہیت کے بارے میں خیال آیا،تو آپ متفکر ہوکر ستاروں کی طرف دیکھنے لگے ان کی عجیب وغریب حرکات سے متاثر ہوکر کہا کہ ضرور یہ رب ہوگا،اور یہی بات انہوں نے سورج اور چاند کے بارے میں بھی کہی،اوراسی دوران وہ بالغ ہوئے تو اس نظریہ سے اعلان برأت کرتے ہوئے فرمایا''انـی بـرئ مـمـاتشـر کـون'' اورسورج وچانداورستاروں کے بارے میں یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ ان کے اندرنورانیت کے ساتھ بلندی بھی تھی۔

اوربعض لوگ یہ گفتگو بلوغ کے بعد پرمحمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گفتگو نظر واستدلال کے دوران ہوئی تھی البتہ یہ قول اخبار کے طور پر صادر نہیں ہوا بلکہ فرض کے طور پر کہا گیا،جیسا کہ ایک فلسفی حدوث اجسام پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے۔ **الجسم القدیم** (جسم قدیم ہے) تو وہ قدم اجسام کی خبر نہیں دیتا، بلکہ اس کو فرض کرتا ہے۔

بعض یہ جواب دیتے ہیں(هـذاربـی فـی زعـمهم)، یعنی ان کے خیال میں یہ میرا رب ہے،جیسا کہ ہم میں سے کوئی شخص فرقہ مشبہ کے بارے میں بطورتعریض وتذلیل کہے(انّ الهـه جسـم متغیر) یا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بطور طنز کہا تھا(فـانـظـر الـی الهـک الـذی ظـلـت علیه عاکفا)(طه:۹۷) ترجمہ:یعنی تیرے خیال کے مطابق یہ تیراالہ ہے اس کا حشر تو دیکھ لے۔

۲۔ یہ استفہام انکاری کے طور پر کہا گیا ہے اورحرف استفہام کوواضح ہونے کی وجہ سے حذف کیا گیا(مطلب یہ کہ کیا یہ میرا رب ہوسکتا ہے؟)۔

۳۔آیت میں اختصار ہے،اور پوری عبارت یہ ہے(یقولون هذاربی)یعنی یہ مشرکین مجھے کہتے ہیں کہ یہ تیرا رب ہے۔

۴۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے تعظیم کواکب کانظریہ باطل کرنا چاہا توانہوں نے ان کو یہ یقین دلایا،کہ میں بھی ستاروں کی تعظیم کرتا ہوں، پھر دلیل سے ان کی تعظیم کوختم کرڈالا۔اورایک قول کے مطابق انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کوستاروں کی عبادت کی طرف دعوت دی۔تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کی غلطی کواشکارا کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہی میرا رب ہے؟۔

۵۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ کہنا بطوراخبار نہ تھا بلکہ بطوراستدلال وقیاس تھا اوراسی وجہ سے اللہ تعالی نے اس پر زجروتوبیخ نہیں فرمائی بلکہ اسے مدح وتعظیم کے شکل میں ذکرکر کے سراہا گیا۔

حَنِيفًا وَّمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَآجُّوٓنِّى فِى

اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ ؕ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهٖٓ

بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا

إِلَّآ أَنْ يَشَآءَ رَبِّى شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّى كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۸۰﴾

ہاں جو میرا رب چاہے۔ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم فکر نہیں کرتے؟

وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللّٰهِ

بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کیساتھ شریک بناتے ہو

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَىُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ

جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر

إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ

سمجھ رکھتے ہو ۔ جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا

أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ آتَيْنٰهَآ

اُن کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں ۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے

إِبْرَاهِيمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَآءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے

﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ

اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ

اور اُن کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اورایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَإِلْيَاسَ

اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں ۔ اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَإِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط

یہ سب نیکوکار تھے ۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ آبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ

اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ۔ اور ان کے بعض باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللهِ

اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے

يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَلَوْ أَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ (کفار)

يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کیلئے) ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کہہ دو کہ

لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰

میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا یہ تو جہان کے لوگوں کیلئے محض نصیحت ہے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ إِذْ قَالُوْا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط

اوران لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ)

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ط

اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا أَنْتُمْ وَلَآ آبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ

اور تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا)

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ اور یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکہ اور اس کے آس پاس کے

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲

لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں۔ او راگر تم ان ظالم

فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ

لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کیلئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی

کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے

اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔ اور جیسا ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے

فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ

اور جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے

وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا ط

اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر اُن سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان

مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ

کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟ ۔ وہی صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے

وَجَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِكَ
اور اُسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے یہ
تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوۡمَ
اللہ کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے
لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَـرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا
تاکہ جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں میں اُن سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ
بیان کر دی ہیں ۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا
فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّفۡقَهُوۡنَ ﴿۹۸﴾
پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ سمجھنے والوں کیلئے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں
وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىۡءٍ
اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی فصلیں اُگاتے ہیں پھر
فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ
اُس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور اُن کونپلوں میں سے ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور
مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا
کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں
وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَيَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكُمۡ
اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) اُن کے پکنے پر نظر کرو ان میں اُن

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ

لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں (اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا

وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ

حالانکہ ان کو اُسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ ان باتوں سے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور ان سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ

(ہے) اُس کی اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے)

فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ

تو اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ

يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ

نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ (اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دو کہ) تمہارے (پاس) اللہ کی

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ

طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں

وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہلِ کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور تاکہ سمجھنے والے لوگوں کیلئے تشریح کر دیں

اتَّبِعْ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

اور جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اُسی کی پیروی کرو اُس (رب) کے سوا کوئی معبود نہیں

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوْا وَمَا

اور مشرکوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور (اے پیغمبر!)

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِم بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم اُن کے داروغہ ہو

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے بُرا (نہ) کہہ

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ

بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُن کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں

أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں

وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾

اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں[6]

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں

---

[6] یہ زجر ہے۔ وہ بڑی پکی قسمیں کھاتے ہیں، کہ اگر ان کو معجزہ دکھا جائے تو وہ مان لیں گے۔ قل انما الایات عنداللہ الخ جواب ہے، آپ ﷺ فرمادیں معجزات تو اللہ کے اختیار میں ہیں، میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ انما الایات عندا للہ لا عندی فکیف اجیبکم الیھا او اتیکم بھا، او المعنی ھو القادر علیھا، لا انا، حتی اتیکم بھا (روح)۔ چونکہ تمام صحابہ کرام کی بھی آرزو تھی کہ مشرکین کا مطلوبہ معجزہ آجائے، تا کہ وہ ایمان لے آئیں، اس لئے یہاں "کم" ضمیر جمع سے خطاب میں ان کو بھی شامل فرمالیا، اور فرمایا کہ تمہیں یہ بات معلوم نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر ان کو مطلوبہ معجزہ دے بھی دیا جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے معجزہ دکھانا حکمت کی خلاف ہے۔ نیز ان کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کو معجزہ نہ دکھایا جائے کیونکہ مطلوبہ معجزہ کے انکار کے بعد فوری عذاب آجاتا ہے اور مہلت نہیں ملتی۔ قیل للمؤمنین تتمنون ذلک و مایدریکم انھم یومنون . حاصل الکلام ان القوم طلبوا من الرسول معجزات قویۃ، و حلفوا انھا لو ظھرت لاٰمنوا، فبین اللہ تعالی انھم و ان حلفوا علی ذلک الا انہ تعالی عالم بانھا لو ظھرت لم یؤمنوا (کبیر)۔ یہاں پر اشعار کے معنے فہم ہے اور ما استفہامیہ انکاریہ ہے اور بعد میں جو "لا" ہے یہ مقحم ہے استفہام میں جو انکار ہے اس کی تاکید کی لئے ذکر کی گئی ہے (یعنی زائد ہے) یا دوسری مفعول محذوف ہے عبارت اس طرح ہوگی و مایشعرکم مافی الواقع وفی علم اللہ انھا الخ . یا یہ کہ "انھا" خلیل اور کسائی کے نزدیک (لعلّ) کے معنی میں ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے، عبارت اس طرح ہوگی، و مایشعرکم حالھم لعلھا اذا جأت الخ۔ بعض علماء کے نزدیک خطاب کافروں کو ہے اور کلام میں تقدیر یہ ہے، یعنی و مایشعرکم انکم امنتم عندمجئ الایات، یہاں پر وقف ہے اور "انھا" سے کلام مستانفہ ہے۔ "واؤ" تعلیلیہ ہے اور یہ " لایومنون " کی علت ہے اور، کمالم یؤمنوا، نقلب افئدتھم کی تعلیل ہے۔ یعنی جب پہلی بار ان کے پاس آیتیں آئیں تو انہوں نے ضد و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کردیا، تو اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر ثبت کردی، اس لئے اب اگر وہ منہ مانگا معجزہ دیکھیں گے تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔
وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَیْهِمُ الْمَلَآئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی
اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے
وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا إِلَّآ أَنْ یَشَآءَ اللّٰهُ
اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ
وَلٰکِنَّ أَکْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا
بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا
شَیٰطِیْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ إِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط
وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں مزین باتیں ڈالتے رہتے تھے
وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو اور جو کچھ یہ جھوٹ باندھتے ہیں اسے چھوڑ دو۔
وَلِتَصْغٰٓی إِلَیْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ
اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں
وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ أَفَغَیْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِیْ حَکَمًا
اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (کہو) کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں
وَّهُوَ الَّذِیْٓ أَنْزَلَ إِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِیْنَ آتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ
حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے

يَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم اُن کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا رستہ بھلا دیں گے

إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ تمہارا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے

مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

جولوگ ان کے راہ سے گمراہ ہوجاتے ہیں اوراللہ ہدایت والوں کوخوب جانتاہے

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے کھا لیا کرو

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

اور کیا سبب ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اُسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اُس نے تمہارے لئے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ

ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بیشک اُن کو نہیں کھانا چاہیئے) مگر اس صورت میں کہ اُن کے (کھانے کے) لئے ناچار ہو جاؤ

وَإِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

اور بہت سے لوگ بغیر سمجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگ

بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ
جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے باہر نکل جاتے ہیں تمہارا رب خوب جانتا ہے اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو
يَكْسِبُوْنَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾
جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے
وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اُسے مت کھاؤ کہ اُس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ)
لَيُوْحُوْنَ إِلٰى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ
اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی
لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
مشرک ہو جاؤ گے۔ بھلا جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کیلئے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ
کہیں اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح
زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں
أَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا
بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ اُن میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں اُن کا نقصان انہیں کو ہے اور (وہ
يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوْا
اس سے) بے خبر ہیں۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس طرح کی

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَا أُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ
رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک اُسی طرح کی رسالت ہمیں نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔
اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا
اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔ جولوگ جرم کرتے ہیں
صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ
اُن کو اللہ کے ہاں ذلت اور عذابِ شدید ہوگا اس لئے کہ مکاریاں کرتے تھے۔ تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے
أَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا
کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ
حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا
بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے رب کا سیدھا رستہ ہے۔ جولوگ غور کرنے والے ہیں ان کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ
بیان کر دی ہیں۔ ان کیلئے ان کے اعمال کے صلے میں رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں سے بہت
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا
(فائدے) حاصل کئے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے

بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِیٓ أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰکُمْ
اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے
خَالِدِیْنَ فِیْهَا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ إِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَکَذٰلِکَ
ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے ۔اور اسی طرح
نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں ۔ اے جنوں
وَالْإِنْسِ أَلَمْ یَأْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ آیٰتِیْ
اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے
وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰی أَنْفُسِنَا
اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے
وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ کَانُوْا کَافِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾
ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی کہ کفر کرتے تھے
ذٰلِکَ أَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ
(اے محمد ﷺ!) یہ (جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو) اس لئے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے
وَّأَهْلُهَا غَافِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ
ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں
عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ یَّشَأْ
اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ اُن سے بے خبر نہیں ہے ۔اور تمہارا رب غنی (اور) رحمت والا ہے اگر چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ
تو (اے بندو!) تمہیں نابود کر دے اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسا تم کو بھی دوسرے لوگوں کی
آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَاٰتٍ وَّمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾
نسل سے پیدا کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ (وقوع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے
قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کئے جاتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا
مَنْ تَكُوْنُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
کہ آخرت میں (جنت) کس کا گھر ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ مشرک نجات نہیں پائیں گے
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا
اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیالِ
هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ
(باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا۔ تو جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے
فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ اُن کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔ یہ کیسا بُرا
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ
انصاف ہے ۔[٧] اسی طرح بہت سے مشرکوں کو اُن کے شریکوں نے اُن کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا

---

[٧] ان چار آیاتوں میں ان کے رسوم باطلہ کا ذکر ہے، پہلی آیت میں غیر اللہ کی نذر و نیاز کا دوسری بار ذکر ہے

پہلے قد فصل الخ میں اجمالاً ذکر کیا یہاں قدرے تفصیل سے ذکر فرمایا، یعنی مشرکین نہ صرف چوپایوں ہی سے غیراللہ کا حصہ نکالتے ہیں بلکہ وہ غلوں اور پھلوں سے بھی غیراللہ کی نذر و نیاز مقرر کرتے ہیں ۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی جانور حرام نہیں جسے غیراللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے بلکہ وہ بھی حرام ہے جو زندہ غیراللہ کی نذر و نیاز کے طور پر دیدیا جائے ۔مشرکین زمین کی پیداوار سے اور جانوروں سے اپنے معبودوں کی نذر و نیاز کے حصے معین کر دیتے تھے۔

اور دوسری آیت میں ان لوگوں کے معبودان باطلہ کی نذر و نیاز کے حصوں کو اللہ تعالی کی نذر کے مصارف میں خرچ نہ کرنے کی ذکر ہے، لیکن اللہ تعالی کی نذروں کو اپنے معبودوں کی نذروں کے مصارف میں خرچ کر دیتے تھے۔آگے غیراللہ کی نذر و نیاز کی ایک تیسری شق کا بیان ہے: جس طرح مشرکین پھلوں ،غلوں اور چوپایوں سے غیراللہ کا حصہ نکالتے تھے ،اسی طرح وہ اپنی اولاد میں سے بھی بعض کو اپنے معبودوں کی نذر کے طور پر ذبح کرتے تھے: وقیل انھم کانوا ینذر احدھم اذا بلغ بنوہ عشرۃ نحر واحدمنھم (روح) ۔پھر آیت نمبر: ۱۳۸، میں تحریمات غیراللہ کا دوسری بار ذکر ہے یہاں باقی ماندہ صورتوں میں سے چار کا ذکر ہے۔

(۱) ھذہ انعام وحرث حجر الخ کچھ چوپایوں اور کھیتوں کو وہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے تھے اور کہتے تھے انہیں کوئی نہیں کھا سکتا۔

(۲) وانعام حرمت ظھورھا بعض نامزد چوپایوں پر سواری کرنے اور بوجھ لادنے کو حرام سمجھتے تھے۔

(۳) وانعام لایذکرون اسم اللہ علیھا ۔جن چوپایوں کو وہ غیراللہ کے لئے نامزد کرتے تھے ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

(۴) وقالوامافی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا .الخ، بحائر و سوائب کے بارے میں وہ یہ فیصلہ کر دیتے تھے کہ ان کے پیٹ کا بچہ اگر زندہ پیدا ہو تو مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام ہوگا، اور اگر مردہ پیدا ہو تو دونوں جنسوں کے لئے حلال ہوگا۔مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان معبودوں کے لئے تحریمیں کرنے سے اللہ تعالی خوش ہوتا ہے کہ ہم نے اس کی برگزیدہ بندوں کی تعظیم کی ہے، اللہ تعالی نے مشرکین کے اس فعل کو اپنی ذات مقدسہ پر افتراء قرار دیا، اور اس افتراء پر ان کو تخویف اخروی سنائی۔

شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

اچھا کر دکھایا ہے تا کہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور اُن کے دین کو اُن پر خلط ملط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَا

تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ۔ اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے اسے

اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا

اُس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ انکی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے

وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا

اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ سب اللہ پر جھوٹ ہے اور وہ عنقریب ان کو ان

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مَردوں کیلئے ہے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ

اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ جن لوگوں نے

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور اللہ پر افتراء کر کے اُس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

وہ گھاٹے میں پڑ گئے بلا شبہ وہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ

اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی

وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض صفاتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے

وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ‌ؕ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ

جلتے ہیں اور (بعض صفاتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو

يَوۡمَ حَصَادِهٖ‌ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا‌ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَۙ ﴿۱۴۱﴾

تو اللہ کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑانا کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا‌ؕ كُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ

وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌۙ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ‌

اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ یہ آٹھ قسم کے (ہیں)

مِّنَ الضَّاۡنِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡمَعۡزِ اثۡنَيۡنِ‌ؕ قُلۡ

دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ اے پیغمبر! ان سے) پوچھو

ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ؕ

کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادوں کو یا جو بچہ مادنیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہوا سے؟

نَبِّـئُوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَۙ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَيۡنِ‌ؕ

اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔ اور دو (دو) اونٹوں میں سے اور دو (دو) گایوں میں سے (ان کے بارے میں بھی)

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ

ان سے پوچھو کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادنیوں کو یا جو بچہ مادنیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اس کو؟ [۸]

---

[۸] "حمولة وفرشا" دونوں "جنّٰت" پر معطوف ہیں۔ یہ تحریمات غیر اللہ کا چوتھی بار تفصیل سے ذکر ہے "حمولة" سے وہ چوپائے مراد ہیں جو بوجھ اٹھاتے ہیں اور "فرش" سے وہ مراد ہیں جنہیں ذبح کے لئے زمین پر گرایا جاتا ہے، یا جن کے بالوں سے بنے ہوئے فرش زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔

"کلوا مما رزقکم الله" یعنی ان میں سے جو حلال ہیں انہیں کھاؤ، اور زمانہ جاہلیت کی تحریمات کو اٹھاؤ، اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اور شیطان کی پیروی میں اللہ کی حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ ای مما احله الله لکم ولاتحرموا کفعل الجاهلية ،وهذا نص فی الاباحة وازالة ماسنّه الکفار من البحيرة والسائبة (بحر محیط).

"ثمانية ازواج" یہ حمولة وفرشا سے بدل ہے یہاں حلال چوپائیوں کی آٹھ جوڑوں میں تقسیم فرمائی "اثنين" (دو) سے ہر جگہ نر و مادہ مراد ہے "ضأن" سے اس نے نر و مادہ پیدا کیا یعنی دنبہ اور دنبی، مینڈھا اور بھیڑ بھی، یہاں اسی میں داخل ہے۔ اور ایک جوڑا معز کا پیدا فرمایا یعنی بکرا اور بکری۔

"قل ءٰٓالذکرین حرم ام الانثیین" الخ. استفہام انکاری اور توبیخ کے لئے ہے (بحر) اور اس میں مشرکین سے اس خود ساختہ تحریم پر دلیل عقلی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے یہ دونوں جوڑے تمہارے انتفاع کے لئے پیدا فرمائے ہیں اب تم بتاؤ کہ تم نے ان کے نر و مادہ اور مادہ کے پیٹ کے بچے کے بارے میں اپنی طرف سے حلت وحرمت کے جو احکام وضع کر رکھے ہیں، یہ تم نے کہاں سے اخذ کئے ہیں۔ ان کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا اللہ نے ان جوڑوں کے نر کو حرام کیا ہے؟ یا ماداؤں کو یا ان بچوں کو جو ابھی مادہ جانوروں کے رحموں ہی میں ہیں۔

اگر کسی جانور کا نر ہونا اس کی حرمت کی علت ہے تو ہر نر جانور حرام ہونا چاہئے۔ اور اگر اس کا مادہ ہونا حرمت کی علت ہے تو اس صورت میں تمام مادہ جانور حرام ہونے چاہئیں، اور اگر بچے کا مادہ کے رحم میں ہونا اس کی حرمت کا سبب ہے تو ہر چوپایہ (نر و مادہ) حرام ہونا چاہئے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بلا وجہ تحریم محض تسویل شیطان اور تلبیس ابلیس ہے، فلو علل بالذکورة وجب ان یحرم الذکر ،او بالانوثة فکذلک، او باشتمال الرحم وجب ان یحرما لاشتمالها علیهما (بحر).

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ

بھلا جس وقت اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا تم اُس وقت موجود تھے؟ تو اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۴ قُلْ لَّآ أَجِدُ فِىْ مَا أُوْحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ

کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں اُن میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا

إِلَّآ أَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيْرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا

بجز اسکے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سؤر کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

کہ اُس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے

فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۵ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ

تو تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ

اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو اُن کی پیٹھ پر لگی ہو

أَوِ الْحَوَايَآ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وِإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں

۝۱۴۶ فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

اور اگر یہ لوگ تکذیب کریں تو کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

گنہگار لوگوں سے نہیں ٹلے گا ۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا

مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک) کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔اسی طرح ان لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

تکذیب کی تھی جوان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے۔ کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ

(اگر ہے) تو اُسے ہمارے سامنے نکالو۔تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔ کہہ دو کہ اللہ ہی کی

الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَ كُمُ

حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا ۔ کہو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو

الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَإِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ

بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں پھر اگر وہ (آ کر) گواہی دیں تو تم اُن کیساتھ گواہی نہ دینا

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ

اور نہ اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے

وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

اور (بتوں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ کہہ دو کہ (لوگو!) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں

أَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ

(اُن کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ)

وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تمہیں اور انہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ

اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ جانا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے

حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو[۹]

---

[۹] یہ تحریمات الٰہیہ کا ذکر ہے سورۂ مائدہ میں تحریمات الٰہیہ کی صرف ایک صورت مذکور تھی یعنی ''غیر محلی الصید وانتم حرم'' اور باقی ماندہ صورتیں سورۂ انعام کی اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں، اس سورۂ میں مسئلہ نذر غیر اللہ کا ذکر نہیں کیا گیا الاتشرکوا، ای امرکم۔ یا ''لا'' زاید ہے، یا حرام، بمعنی وجب ہے، تو اب اشکال رفع ہوا۔

محرمات الٰہیہ میں سب سے پہلے شرک کو ذکر کیا گیا اور پھر قتل سے روکا گیا درمیان میں والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا، اس سے مقصود یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اگر ماں باپ بھی شرک کرنے پر مجبور کرے تو اس معاملہ میں ان کی اطاعت بھی جائز نہیں، جیسا کہ سورۂ عنکبوت:۸، میں فرمایا، وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک به علم فلاتطعھما۔ مذکورہ محرمات کے علاوہ حسب ذیل امور کو بھی اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے، فواحش ظاہرہ وباطنہ یعنی بے حیائی کی تمام صورتیں خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، قتل نفس ناحق، مال یتیم کا ناجائز طریقے سے کھانا، ناپ تول میں کمی بیشی کر کے، کسی کی حق تلفی کرنا، جھوٹی شہادت دینا، اور فیصلے میں بے انصافی کرنا، وغیرہ یہ تمام محرمات الھیہ ہیں، یعنی ان امور کو اللہ تعالی نے حرام کیا ہے لہٰذا ان کی تحریم کو باقی رکھو اور ان کو حلال مت سمجھو۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: قال من اراد ان یقرأ صحیفة رسول اللهﷺ التی علیھا خاتمه. فلیقرأ ھؤلاء الآیات: الی قوله لعلکم تتقون. ترمذی کتاب التفسیر: ۸/۴۴۶ ۔یعنی جو نبیﷺ کی اخری وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ بالا آیتوں کو پڑھیں۔ اور حاکم نے مستدرک: ۳۱۸/۲، میں عبادۃ=

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا

اور ناپ اور تول انصاف کیساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا

(کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا

ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے

فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ

تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے ہٹ جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں

وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا

حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی

=بن الصامتؓ سے نقل کیا ہے کہ: قال رسول اللہ ﷺ ایکم یبایعنی علی ثلاث؟ ثم تلی رسول اللہ ﷺ، قل تعالوا اتلُ ماحرم ربکم علیکم، حتی فرغ من الآیات. فمن وفی فاجره علی اللہ ومن انتقص منهن شیئا فادرکه اللہ به فی الدنیا کانت عقوبته، ومن اخر الیٰ الآخرة فامره الی اللہ، ان شاء عذبه وان شاء عفی عنه۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیتیں اخر تک پڑھیں، جو ان باتوں کی قرار واقعی تعمیل کرے گا۔ اس کا اجر اللہ تعالی پر ثابت ہے۔ اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے اللہ تعالی دنیا ہی میں اس کو سزا دے۔ اور اگر سزا کو اخرت تک اٹھا رکھے تو اس وقت اس کی مرضی، چاہے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔

عَلَى الَّذِىٓ أَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ

تا کہ اُن لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تا کہ

بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ

(ان کی اُمت کے) لوگ اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں ۔ اور یہ کتاب بھی ہم نے

أَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾

ہی اتاری ہے، برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے

أَنۡ تَقُوۡلُوۡٓا إِنَّمَآ أُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَإِنۡ كُنَّا

(اور اس لئے اتاری ہے) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری تھیں اور ہم اُن کے

عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ﴿۱۵۶﴾ أَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ أَنَّآ أُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡكِتٰبُ لَكُنَّآ

پڑھنے سے (معذور اور) بے خبر تھے ۔ یا (یہ نہ) کہو اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن لوگوں کی نسبت کہیں

أَهۡدٰى مِنۡهُمۡ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ

زیادہ سیدھے رستے پر ہوتے۔ سو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے

فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور اُن سے (لوگوں کو) پھیرے۔ جو لوگ ہماری آیتوں

وَصَدَفَ عَنۡهَا سَنَجۡزِى الَّذِيۡنَ يَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰيٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا

سے پھرتے ہیں اس پھیرنے کے سبب ہم اُن کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے ۔

كَانُوۡا يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ إِلَّآ أَنۡ تَأۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ أَوۡ يَأۡتِىَ

یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا رب آئے یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں

رَبُّکَ أَوْ یَـأْتِـیَ بَعْـضُ آیٰـتِ رَبِّکَ یَوْمَ یَـأْتِیْ بَعْضُ آیٰـتِ رَبِّکَ

آ ئیں ۔(مگر) جس روز تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا

لَا یَـنْـفَـعُ نَـفْسًا إِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ کَسَبَتْ فِیْ إِیْمَانِهَا

کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے

خَیْـــرًا قُـــلِ انْتَـــظِــــرُوْا إِنَّــــا مُـــنْتَـــظِـــرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّـــذِیْـــنَ

(تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے

فَـرَّقُـوْا دِیْـنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَی اللهِ

اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تمہیں کچھ کام نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالے

ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا

پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ اُن کو (سب) بتائے گا۔ جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اُس کو ویسی دس نیکیاں

وَمَـنْ جَـآءَ بِـالسَّیِّـئَةِ فَلَا یُـجْـزٰیٓ إِلَّا مِثْلَهَـا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ملیں گی اور جو بُرائی لائے گا اُسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

قُـلْ إِنَّـنِـیْ هَـدٰنِـیْ رَبِّیْ إِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْـنًـا قِیَـمًـا مِّلَّةَ إِبْرَاهِیْمَ

کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے مذہب ابراہیم (علیہ السلام) کا

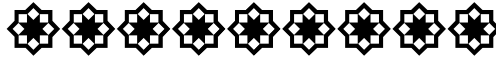
حَـنِیْـفًا ۚ وَمَـا کَــانَ مِـنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِـیْ وَنُسُـکِیْ

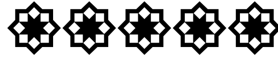
جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت

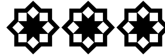
وَمَـحْیَـایَ وَمَـمَـاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَـرِیْکَ لَهُ وَبِذٰلِکَ

اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے ۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا

أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللهِ أَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ
حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں ۔ کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا
شَيْءٍ وَّلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَّازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى
مالک ہے اور جو کوئی (بُرا) کام کرتا ہے تو اُس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا
ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ
پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا ۔
الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلَآئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ
اوروہی تو ہے جس نے زمین میں کوخلیفہ بنایا اورایک دوسرے پررتبہ بڑھایاتا کہ تمہیں آزمائے
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتٰكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾
ان چیزوں میں جوتم کودی ہیں بیشک تیرارب جلدی عذاب دینے والا ہے اوربیشک البتہ وہ بخشنے والامہربان ہے۔









سورة الاعراف (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ﴿١﴾ كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ

الٓمّٓصٓ. یہ کتاب تیری طرف بھیجی گئی ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے ڈرائے اور اس سے تیرے دل میں تنگی نہ ہونا چاہئے

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ جو چیز تمھاری رب کی طرف سے تم پر اتاری ہے اس کی پیروی کرو

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿٤﴾

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب آ تا تھا جب کہ وہ سوتے تھے یا جب وہ دوپہر کو آرام کرتے تھے

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾

تو جس وقت ان پر عذاب آ تا تھا اُن کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے) ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾

توجن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم اُن سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ

پھر اپنے علم سے اُن کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں ہیں۔ اور اس روز (اعمال کا) تولنا برحق ہے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾
تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا
اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اس لئے
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ
کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾
اور اس میں تمہارے لئے سامانِ معیشت پیدا کئے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو
وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
اور ہم ہی نے تمہیں (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ
تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ نے) فرمایا
مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ
کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں
خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ
مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔فرمایا کہ تو (جنت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں
اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ
کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُس دن تک مہلت عطا فرما جس دن

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾
لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے ۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے
قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾
کہا جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں ضرور ان کے تاک میں تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا۔
ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ
پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا)
وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا
اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا ۔ (اللہ نے) فرمایا کہ نکل جا یہاں سے پاجی مردود
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (اُن کو اور تجھے جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا
وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا
اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو نوش جان کرو
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا
مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے ۔ تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ
الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ
اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے
مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ
اور اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا
فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا
(توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت
عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾
کے (پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔عرض کرنے لگے کہ پروردگار
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے
﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
(اللہ نے) فرمایا کہ (تم سب جنت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت
وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا
(خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔(یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا
تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری
يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ
کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے

ذٰلِکَ مِنْ آیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیٓ آدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ

یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں ۔ اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے

الشَّیْطٰنُ کَمَا أَخْرَجَ أَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا

جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوادیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروادیئے تاکہ اُن کے ستر اُن کو

سَوْاٰتِھِمَا إِنَّہُ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہُ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ

کھول کر دکھا دے وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے

إِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ أَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً

۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ۔ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَا آبَآءَ نَا وَاللّٰہُ أَمَرَنَا بِھَا قُلْ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَأْمُرُ

تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ

بِالْفَحْشَآءِ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ

بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ۔ کہہ دو

أَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَأَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ

کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو

وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اُسی کو پکارو اُس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہوں گے

فَرِیْقًا ھَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ إِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ أَوْلِیَآءَ

ایک فریق کو تو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ
اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں ۔ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو سنوارو
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ
اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا
﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ
پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں
قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ
اُن کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ
انہی کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے رب نے
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ
تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم
تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں
تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً
کچھ علم نہیں ۔ اور ہر ایک فرقے کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْ آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ
ہیں نہ جلدی ۔اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں

مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَمَنِ اتَّقٰى
اور ہماری آیتیں تمہیں سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جوشخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا
وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۵﴾
اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے
وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَاۤ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ
اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ
فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے ۔تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے
اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ يَنَالُهُمۡ نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ
یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس
تۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ؕ قَالُوۡا
ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جان نکالنے آئیں گےتو کہیں گے کہ جن کوتم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ (اب) کہاں ہیں؟
ضَلُّوۡا عَنَّا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾
وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے (کہاں) غائب ہو گئے اور اقرار کریں گے کہ بیشک وہ کافر تھے
قَالَ ادۡخُلُوۡا فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ فِى النَّارِ‌ؕ
تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہوگزری ہیں انہی کیساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ
كُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا
جب ایک جماعت (وہاں) داخل ہو گی تو اپنی (مذہبی) بہن پر لعنت کرے گی یہاں تک

ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ أُخْرٰهُمْ لِأُوْلٰاهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّوْنَا

کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے اللہ! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا

فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

تھا تو ان کو جہنم کا دگنا عذاب دے اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے

وَقَالَتْ أُوْلٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں تو جو (عمل)

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں عذاب کے مزے چکھو ۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اور اُن سے سرتابی کی اُن کیلئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ

ایسے لوگوں کیلئے بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اُسی کا) اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں

﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے

أُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ایسے ہی لوگ اہلِ جنت ہیں (کہ) اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَنَــزَعْـنَــا مَــا فِــيْ صُـدُوْرِهِـم مِّـنْ غِـلٍّ تَـجْـرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰـرُ

اور جو کینے اُن کے دلوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے، اُن کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی

وَقَـالُـوا الْـحَـمْـدُ لِلّٰهِ الَّـذِىْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے

اللّٰهُ لَـقَـدْ جَـآءَتْ رُسُـلُ رَبِّـنَـا بِـالْـحَـقِّ وَنُـوْدُوْآ

بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔ اور (اس روز) اواز کر دی جائے گی

أَنْ تِـلْـكُـمُ الْـجَنَّةُ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ

کہ تم اُن اعمال کے صلے میں جو (دنیا میں) کرتے تھے اس جنت کے وارث بنا دیئے گئے ہو۔ اور اہلِ جنت دوزخیوں سے

الْـجَـنَّةِ أَصْـحٰـبَ الـنَّـارِ أَنْ قَـدْ وَجَـدْنَـا مَـا وَعَـدَنَـا رَبُّـنَـا حَـقًّـا

پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اُسے سچا پایا، بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا

فَهَـلْ وَجَـدْتُّـمْ مَّـا وَعَـدَ رَبُّـكُـمْ حَـقًّـا قَـالُوْا نَعَمْ فَـأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ

کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو (اُس وقت) اُن میں ایک پکارنے والا پکار دے گا

أَنْ لَّـعْـنَـةُ اللّٰهِ عَـلَـى الـظّٰـلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّـذِيْـنَ يَـصُـدُّوْنَ عَـنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کہ بے انصافوں پر اللہ کی لعنت ہو ۔وہی لوگ جو اللہ کی راہ سے روکتے

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُـم بِـالْآخِـرَةِ كَافِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

اور اس میں کجی ڈھونڈتے اور آخرت سے انکار کرتے ہیں ۔ ان دونوں یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان

وَعَـلَـى الْأَعْـرَافِ رِجَـالٌ يَّـعْـرِفُـوْنَ كُلًّا بِسِيْـمٰـاهُـمْ

(اعراف نام کی) ایک دیوار ہو گی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے

وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ
تو وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو یہ لوگ (ابھی) جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے
﴿۴۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا
اور جب اُن کی نگاہیں پلٹ کر اہلِ دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب
لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا
ہمیں ظالم لوگوں کیساتھ شامل نہ کرنا اور اہلِ اعراف (کافر) لوگوں کو جنہیں اُن کی صورتوں سے شناخت کرتے ہوں گے پکاریں گے
يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَا أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
اور کہیں گے (کہ آج) نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کچھ کام آئی اور نہ تمہارا
تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ أَهٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ
تکبر (ہی سود مند ہوا)۔ (پھر مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں
لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ط اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ
کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا (تو مومنو!) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچھ خوف
وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ
نہیں اور نہ تمہیں کچھ رنج و غم ہوگا ۔ اور دوزخی جنتیوں سے کہیں گے کہ
أَنْ أَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا
کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمہیں عنایت فرمایا ہے اس میں سے (کچھ ہمیں بھی دو) وہ جواب دیں گے کہ
إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾
اللہ نے جنت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جنہوں نے اپنے دین کو تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِآيٰتِنَا

تو جس طرح یہ لوگ اُس دن کے آنے کو بھولے ہوئے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی انہیں

يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً

بھلا دیں گے ۔ اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو علم و دانش کیساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ

(اور) وہ مومن لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے ۔ کیا یہ لوگ اس کے وعدۂ عذاب کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ وعدہ آ جائے گا

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ نُرَدُّ

بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیئے جائیں

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ

کہ جو عملِ (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں ۔ بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا ۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا [۱]

مسئله استوی علی العرش

[۱] مسئلہ **استوی علی العرش** کا تعلق توحید اسماء وصفات سے ہے، اور توحید اسماء وصفات توحید کی تین اقسام میں سے ایک مستقل قسم ہے: (۱) (توحید ربوبیت (۲)۔توحید الوہیت (۳)۔توحید اسماء وصفات)۔ابن ابی العز شرح عقیدۃ الطحاویہ: ۲۴/۱، میں فرماتا ہے کہ: **فان التوحید یتضمن ثلاثة انواع، احدها، الکلام فی الصفات، و الثانی توحید الربوبیة، و الثالث: توحید الالوهیة۔**

توحید اسماء وصفات کا دین میں مقام ومرتبہ بہت اونچا ہے، اور اس کی اہمیت نہایت عظیم ہے، انسان کے لئے اس وقت تک مکمل طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن نہیں ہے جب تک اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم نہ ہو، اور اس کے متعلق ایک ضروری عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اعلام واوصاف ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام نام علم ہیں، اس لحاظ سے کہ وہ اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، نیز وہ سب کے سب وصف بھی ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ان تمام ناموں کے اندر معانی موجود ہیں جو کہ اس کی ذات کے ساتھ صفات کی حیثیت سے قائم ہیں، اب یہ سارے نام بحیثیت **علم** ہونے کے آپس میں مترادف ہیں، کیونکہ ان سب کا مسمی ایک ہی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بحیثیت اوصاف ہونے کے یہ تمام نام آپس میں متبائین ہیں، کیونکہ ہر نام اپنے خاص معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

اس قاعدے کا ذکر صالحی نے: سبل الہدی والرشاد: ۴۰۷/۱، میں کیا ہے، فرماتا ہے: **هو علم و صفة، اجتمع فيه الامران فی حقه ﷺ، وان کان علما محضا فی حق کثیر ممن يسمی به غيره ﷺ، وهذا شأن اسماء الرب تبارک وتعالی، و اسماء نبيه ﷺ، هی اعلام دالة علی معان هی بها اوصاف مدح، فلا تضاد فيها العلمية الوصفية، بخلاف غيرها من اسماء المخلوقين، فهو الله الخالق البارئ المصوّر القهّار، فهذه اسماء له تعالی دالة علی معان له هی صفات۔**

ابن نفطویہ مسئلہ سبحان: ۳۷۵/۱، میں (مجموعہ اجزاء حدیثیہ) میں لکھتا ہے: **و اسماء الله صفات له،**

وصفات الله مدح، وكل من ذكر الله باسم من اسمائه فقداطاعه ،اذاوصفه بصفته التی رضيهالنفسه، ونفی سواهاعنه. پھر آگے فرماتا ہے:فالاثبات باسمائه التی هی صفاته، و النفی فیماسواذالک، فتامله تجده فی سائر القران۔

اورقوام السنۃ کتاب الحجۃ:۱۴۲/۲، میں لکھتا ہے : الصفات و الاسماء التی هی صفات الخ اس کے علاوہ اورعلماء نے بھی اس مسئلہ کوتفصیل سے ذکر کیا ہے، واضح ہوکہ ہم نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالی کا ہرنام علم ہےاوروصف بھی،تو یہ حقیقت خودقران کریم نے بتلادی ہے،جیسا کہ سورۂ احقاف:۸، میں فرماتا ہے:وهو الغفور الرحیم، یعنی وہ ذات غفوراوررحیم ہے،اورسورۂ کہف:۵۸، میں فرمایا:وربک الغفور ذو الرحمة ،یعنی تیرارب غفوراوررحمت والا ہے۔پہلی ایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام الرحیم بھی ہے۔اوردوسری ایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی رحمت والا ہے یعنی صفت رحمت سے متصف ہے،

پھرلغت اورعرف عام میں یہ بات اجماع کا درجہ رکھتی ہے کہ(علیم) اسے ہی کہا جائے گا جس میں ’’علم‘‘ کا وصف ہو،اور(سمیع) اسے ہی کہا جائے گا جس میں سمع کا وصف ہو،اور(بصیر)وہی کہلائے گا جس میں بصر(دیکھنے) کی صفت ہو،اور یہ بات اس قدرواضح اورصریح ہے،کہ اسے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ان معطلہ کی گمراہی اورضلالت کھل کرسامنے آگئی جنہوں نے اللہ تعالی کے ناموں کو،ان سے معانی سلب کرکے مانا۔

چنانچہ ان کاعقیدہ ہے کہ اللہ تعالی سمیع ہے لیکن بلاسمع،بصیر ہے لیکن بلابصر،انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ان اسماء کے اندر پائے جانے والے معنی یاصفت کا ثبوت تعددقدماء کومستلزم ہے،لیکن یہ علت علیل بلکہ میت ہے، کیونکہ قران ،حدیث اورعقل سب کےسب اسے باطل قراردیتے ہیں۔

جہاں تک قران وحدیث کاتعلق ہےتو اللہ تعالی نے باوجودیکہ وہ’’الواحدالاحد‘‘ ہےلیکن اپنے آپ کو بہت سی صفات کے موصوف ہونے کےطور پر ذکرفرمایا: مثلاسورۂ بروج ۱۲تا۱۶۔سورۂ الاعلی:۱تا۵ ،ان ایات کریمہ میں ایک ہی موصوف کے بہت سےاوصاف مذکور ہیں،لیکن ان بہت سےاوصاف سے تعددقدماء لازم نہیں آتا،عقل بھی اس حقیقت کوتسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ کوئی ذات اگر بہت سی صفات سے متصف ہوتو یہ بہت سی صفات اس ذات موصوف سے متباین نہیں ہیں،

کہ جن کو ثابت کرنے سے تعدد موصوف لازم آتا ہو، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی ذات موصوفہ کی مختلف و متعدد صفات ہیں، جو کہ اس کے ساتھ قائم ہیں، اور ہر وہ شی جو موجود ہو اس میں مختلف صفات کا پایا جانا ضروری ہے ۔ چنانچہ اگر کسی کو الموجود کہا جائے تو اس میں صفت وجود پایا جانا آ گیا، پھر یہ بھی کہ وہ واجب الوجود ہے، یاممکن الوجود، نیز یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہے، جو قائم بنفسہ ہے، یا ایسے وصف کے طور پر ہے کہ جو کسی شئ میں پایا جائے ۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ''الدھر'' (زمانہ) اللہ تعالی کے اسماء میں سے نہیں ہے، کیونکہ ''الدھر'' ایک جامد نام ہے، جس میں ایسا کوئی معنی یا وصف نہیں جو اسے اسماء حسنیٰ کے ساتھ ملحق ہونے کے لائق بنائے ۔ اور اس لئے بھی کہ ''الدھر'' محض وقت یا زمانہ کا نام ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے منکرین قیامت کے بارے میں فرمایا ہے سورۃ الجاثیہ:۲۴، میں یہاں ''الدھر'' سے ان کی مراد زمانہ ہے، یعنی راتوں اور دنوں کا گزرنا ۔

اگر کوئی اعتراض میں کہے کہ حدیث متفق علیہ میں ہے ۔ (بخاری:۴۸۲۶، ومسلم:۴۵۸/۵ ۔ کہ :یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل و النھار تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلالت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ''دھر'' اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ جو لوگ دھر کو گالی دیتے تھے، ان کی مراد اللہ تعالی نہیں بلکہ زمانہ ہوتا ہے ۔ جو کہ حوادث و مصائب کا محل ہے ۔ اس حدیث کے لفظ انــــا الــدھــــر، کا معنی وہی ہوگا جو حدیث میں خود تفسیر کر کے یہاں بیان کر دیا یعنی میں زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں امر ہے میں رات اور دن کو پھیرتا ہوں ۔ چنانچہ اللہ تعالی خود دھر نہیں ہے بلکہ دھر کا خالق ہے ۔ اس حدیث نے یہ بھی بیان کیا کہ اللہ تعالی ''دھر'' کو پھیرنے والا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ' مُـقَلِّبُ ' ، یعنی پھیرنے والا '' مُـقَلَّبُ '' جس کو پھیرا جاتا ہو ۔ بن جائے، لہٰذا واضح ہو کہ اس حدیث میں ''دھر'' سے مراد اللہ تعالی نہیں ہے ۔ ملخص از (القواعد المثلی).

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی کے اسماء حسنیٰ میں جو صفات اور معانی ہیں وہ یا تو متعدی ہونگے یا لازم، اگر متعدی ہوں تو ان پر ایمان تین چیزوں کے اثبات سے مکمل ہوگا:

(۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے ۔ (۲) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم جس صفت کو متضمن ہے وہ صفت بھی اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے ۔ (۳) یہ ایمان لانا کہ اس صفت کا حکم اور مقتضی بھی ثابت ہے ،صفت متعدی کی مثال (السمیع) ہے، اس میں پہلا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کو بطور نام اللہ تعالی کے لئے اثبات ہو ۔

دوسرا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کا بطور صفت اللہ تعالی کے لئے اثبات ہو ۔

تیسرا واجب یہ ہے کہ اس کے حکم اور متقضی کا بھی اثبات ہو، اور وہ یہ کہ اللہ تعالی ہر مخفی بات کو سن لیتا ہے، جیسا کہ **سورۃالمجادلہ** ، کی پہلی ایت میں مذکور ہے۔

اور اگر اللہ تعالی کا نام ایسے وصف پر مشتمل ہو جو غیر متعدی، یعنی لازم ہے، تو اس پر ایمان کی تکمیل دو امور سے ہوگی: (۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے (۲) یہ ایمان لانا کہ اس ضمن میں اللہ تعالی کی جو صفت ہے وہ بھی اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے، مثلاً ''الحی''، تو ضروری ہے کہ ''الحی'' کو بطور نام اور اس کے ضمن میں جو حیات کا معنی ہے اسے بطور صفت، اللہ تعالی کے لئے ثابت ہونے کا ایمان رکھا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالی کے اسماء اس کی ذات وصفات پر مطابقتا، تضمنا، والتزاما، دلالت کرتے ہیں مثلاً ''الخالق'' اس کی ذات پر اور اس اسم کے اندر موجود ''صفت خلق'' پر مطابقتا دلالت کرتا ہے، جبکہ صرف اس کی ذات پر اور صرف صفت خلق پر تضمنا دلالت کرتا ہے، اور صفت علم وقدرت پر التزاما دلالت کرتا ہے، یعنی جو ذات خالق ہے وہ لازماً علیم بھی ہے، اور قدرت والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۂ طلاق:۱۲، پر اسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا ذکر کر کے اخر میں فرماتا ہے: **لتعلموا ان اللہ علی کل شیٔ قدیرط و ان اللہ قداحاط بکل شیٔ علما۔**

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے تمام اسماء وصفات توقیفی ہیں، اور ان میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس قاعدے کے پیش نظر ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء سے اگاہی کے لئے کتاب وسنت پر اکتفاء کیا جائے، کیونکہ عقل انسانی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس امر کا ادراک کر سکے۔ کہ اللہ تعالی کن نامون کا مستحق ہے؟۔

اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ قران وسنت میں جو نام ذکر کی گئی ہے انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، اور کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کیا جائے، بالخصوص اللہ تعالی کی صفات پر مشتمل نصوص کے لئے۔ تو بہت ضروری ہے، اور نصوص صفات کے ظاہر کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ہمیں معلوم ہے، جبکہ دوسری حیثیت مجہول ہے، چنانچہ ایک حیثیت معنی کی ہے، اور دوسری کیفیت کی۔ تو معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔

اور یہ بات دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے، تو اس سے مفوضہ کے مسلک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا، مفوضہ صفات باری تعالی کے نصوص کے معانی کے علم کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص صفات کے معانی بھی ہم نہیں جانتے بلکہ یہ اللہ تعالی کے علم میں ہے۔ مفوضہ کا دعوی ہے کہ سلف صالحین کا مذہب بھی یہ ہے، مفوضہ کا یہ قول صراحۃً باطل ہے، اور سلف صالحین معانی کے تفویض کے عقیدہ سے بری ہیں، ان سے تواتر کے ساتھ ایسے اقوال

منقول ہیں جوصفات کے معانی کے اثبات پر دال ہیں۔کبھی وہ معانی اجمالا ہوتے ہیں توکبھی تفصیلا۔البتہ وہ صفات کی کیفیت کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی کیفیت کا علم اللہ تعالی کے سپرد ہے ہم صفات کا صرف معنی جانتے ہیں، کیفیت نہیں جانتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی معروف کتاب ''العقل والنقل'': ۱/۱۱۶، میں جو منہاج السنۃ کے حاشیہ پر مطبوع ہے میں فرماتے ہیں: جہاں تک تفویض کا تعلق ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن میں تدبر کا حکم دیا ہے، اور اس کے تعقل وفہم کی ترغیب دلائی ہے۔مزید فرماتے ہیں اگر یہ بات مان لیں کہ نصوص صفات کے معانی صرف اللہ ہی جانتا ہے، تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالی نے قران مجید میں جو اپنی صفات بیان کی ہیں، انبیاء ان کے معانی سے ناواقف تھے، تو گویا انبیاء کرام لوگوں کے سامنے ایک ایسا کلام پڑھتے رہے، جس کا معنی وہ خود بھی نہیں جانتے (والعیاذ باللہ) یہ بات تو قران پاک اور انبیاء کرام دونوں کے حق میں موجب جرح وطعن ہوگی۔

کیونکہ اللہ تعالی نے یہ قرآن اتارا ہے اور اسے لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اسے مکمل طور پر پہنچا دینے پر مامور کیا ہے۔نیز انہیں اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کا بیان بھی سکھلا دیں، پھر تمام لوگوں کو قران پاک پر تدبر وتعقل کا حکم دیا ہے تو اس سب کے بعد قرآن پاک کے سب سے اشرف واعلیٰ حصے یعنی رب کائنات کی صفات کے معانی کا علم نہ ہونا انتہائی تعجب خیز ہوگا۔اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان نصوص پر تعقل وتدبر نہ کیا جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو بلاغ مبین کے تقاضے پورے کئے اور نہ ہی اس وحی منزل کے بیان کا پورا حق ادا کیا (والعیاذ باللہ)۔

اس میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہر نصوص سے جو معنی متبادر الی الذہن ہے اور ذات باری تعالی کے لائق شان ہے اس کو حق قرار دیا اور اس کی اس دلالت کو ثابت اور برقرار رکھا۔اور یہی لوگ حقیقت میں اھل السنة و الجماعة کے لقب کے حقیقی مصداق ہیں، اس پاکیزہ عقیدے پر سلف صالحین کا اجماع ثابت ہے چنانچہ ابن عبدالبر، التمہید: ۷/۱۴۵، میں فرماتے ہیں: کہ: **اھل السنة مجمعون على الاقرار بالصفات الواردة كلها فى القرآن و السنة ، و الايمان بها، وحملها على الحقيقة لا على المجاز، الا انهم لا يكيّفون شيئا من ذالك، ولا يحدون فيه صفة محصورة، واما اهل البدع و الجهمية و المعتزلة كلها و الخوارج، فكلهم ينكرها، ولا يحمل شيئا منها على الحقيقة ويزعمون ان من اقر بها مشبّه .... و الحق**

فیماقاله القائلون بمانطق به کتاب اللہ وسنة رسوله وهم ائمة الجماعة، و الحمدلله الخ۔

یعنی قرآن وسنت میں اللہ تعالی کی جتنی صفات وارد ہیں ان کے اقرار پران کے ساتھ ایمان لانے پر اورانہیں ان کے مجازی معنی کے بجائے حقیقی معنی پر محمول کرنے پر اہل السنۃ کا اجماع ثابت ہے، وہ نہ تو کسی صفت کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی کسی صفت کو حد میں محدود کرتے ہیں۔

قاضی ابویعلی اپنی کتاب "ابطال التاویلات" میں فرماتے ہیں: **واعلم انه لایجوز ردهذه الاخبارعلی ماذهب الیه جماعة من المعتزلة،ولا التشاغل بتاویلها علی ماذهب الیه الاشعریة،والواجب حملهاعلی ظاهرها،وانهاصفات لله تعالی،لاتشبه سائر الموصوفین بهامن الخلق ولانعتقد التشبیه فیها ،الخ** یعنی اللہ تعالی کی صفات پر مشتمل اخبار کورد کرنا جائز نہیں نہ ان صفات کی تاویل روا ہے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں ان کے معنی ظاہر پر محمول کیا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالی کی صفات میں سے کوئی صفت اس کی کسی مخلوق کی صفت سے کوئی مشابہت اورمماثلت نہیں رکھتی ۔تشبیہ کا عقیدہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے امام اہل السنۃ (امام احمد بن حنبل)اور دیگر ائمہ کرام سے یہی عقیدہ منقول ہے ۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی: ۵/۸۷، ۸۹، میں بھی یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔

بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نصوص صفات کا معنی ظاہر ومتبادر تو لیا،لیکن ایک باطل رنگ کے ساتھ،اوروہ تشبیہ ہے، چنانچہ انہوں نے نصوص صفات کی دلالت کو تشبیہ کے عقیدہ پر قائم کر دیا،یعنی خالق کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ یہ فرقہ مشبّہ ہے اوران کا مذہب کئی وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ تشبیہ کا عقیدہ نصوص پر ظلم اوران کے معنی مراد کو معطل کرنے کے مترادف ہے۔ بھلا نصوص صفات تشبیہ پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔**لیس کمثله شیئ** :(الشوری:۱۱) یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خالق اپنی مخلوق سے ذات وصفات میں ہرلحاظ سے مباین اور جدا ہے،تو پھر ان نصوص پر یہ حکم کیونکر لگایا جاسکتا ہے کہ یہ خالق ومخلوق میں مشابہت پر دلالت کرتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مشابہت کا جو معنی مشبہ نے سمجھا وہ سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہے کیونکہ صحابہ وتابعین میں کوئی تشبیہ کا قائل نہیں تھا لہذا مشبہ کا مذہب باطل ہوا۔ اگر قائلین تشبیہ یہ سوال کریں کہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن مجید میں

ہماری عقل وفہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اور اللہ تعالی کی صفات مثلاً نزول (اترنا) یا ید (ہاتھ)۔ (اس کا تفصیلی جواب سورۂ مائدہ: ۶۴، میں گذر گیا ہے)۔ کو ہم انسانوں کے نزول اور ید کو مثال بنا کر ہی سمجھ سکتے ہے۔ لہٰذا تشبیہ کا عقیدہ ثابت ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس ذات نے ہمارے عقل وفہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اسی کا فرمان ہے: **لیس کمثله شیء**، الشوری: ۱۱، یعنی اس جیسے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی ذات نے بندوں کو اپنی لئے مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا: **فلاتضربوا لله الامثال ان الله يعلم وانتم لاتعلمون، النحل: ۷۴**، اسی ذات نے بندوں کو اس کا ہم مثل بنانے سے منع فرمایا، سورۂ بقرہ ۲۲، اور اللہ تعالی کا پورا کلام حق ہے جس کا بعض، بعض کی تصدیق کرتا ہے، اور یہ کلام پاک ہر قسم کے تناقض سے پاک ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نصوص صفات سے ایک باطل معنی مراد لیا جو ہرگز اللہ تعالی کے لائق شان نہیں اور وہ معنی ''تشبیہ'' ہے پھر انہوں نے مشبہ کی طرح تشبیہ کا عقیدہ اپنانے کی بجائے تشبیہ سے بچنے کے لئے صفات کے انکار کا راستہ اپنا لیا، اور یہ فرقہ معطلہ، جہمیہ ہے، جن میں سے بعض نے اسماء وصفات دونوں کا انکار کر دیا اور بعض نے اسماء کو تو مان لیا لیکن ان سے حاصل ہونے والی صفات کا انکار کر دیا۔ معطلہ نے نصوص صفات کے ظاہری معانی سے صرف نظر کر کے خود ساختہ معانی تراش لیئے جو محض ان کی بیمار عقول کی پیداوار ہیں، ان معانی کی تعین میں وہ آپس میں خود بڑی حیرت واضطراب کا شکار ہیں، اور اسے وہ تاویل کا نام دیتے ہیں جو درحقیقت تحریف ہے۔

جبکہ کچھ معطلہ تناقض کا شکار ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کی بعض صفات کو مانتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اس گروہ میں اشعریہ اور ماتریدیہ وغیرہ کے نام آتے ہیں، یہ لوگ اگر کسی صفت کو شامل کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس کے صحیح ہونے پر عقل دلالت کر رہی ہے۔ اور اگر کسی صفت کی نفی کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس صفت کی عقل نفی کر رہی ہے یا یہ کہ اس کی صحت پر عقل دلالت نہیں کر رہی۔

ان لوگوں کا ایک شبہ ہے کہ ہم جو تاویل کرتے ہیں یہ احکم ہے، اگرچہ تاویل نہ کرنا اسلم ہے، تو اس کے متعلق بدرالدین عینی عمدۃ القاری: ۲۲۲/۱، میں مسئلۃ الید (ید اللہ) کے متعلق لکھتا ہے: **ولفظ اليدمن المتشابهات، ففي مثل هذاافترق العلماء على فرقتين، احداهماماتسمى مفوضة، وهم الذين يفوضون الامرفيهاالى اللهتعالى، قائلين (ومايعلم تاويله الا الله)ال عمران: ۷، والاخرى تسمى مؤلة، وهم الذين يؤلون مثل هذا، كمايقال المرادمن اليد القدرة، عاطفين (و الراسخون فى العلم)ال عمران: ۷، على، الله، والاول**

اسلم، والثانی احکم، قلت ذکرابو حنیفۃ ؒ ،ان تاویل الیدبالقدرۃ ونحو ذلک یؤدی الی التعطیل، فان اللّٰہ تعالی اثبت لنفسہ یدا،فاذا اوّلت بالقدرۃیصیرعین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل ھذاان نؤمن بماذکرہ اللّٰہ من ذلک علی ما ارادہ، ولانشتغل بتاویلہ فنقول، لہ ید، علی ماارادہ،لاکَیَدِ الُمخلوقین، وکذالک فی نظائر ذلک۔

آمدم برسر مطلب، یہاں چونکہ مسئلہ استواء علی العرش مذکور ہے ہم اختصار کے ساتھ سلف صالحین کے اقوال کو نقل کر کے وضاحت کرتے ہیں۔قرآن کریم میں ایسی مضمون والی جملے سات جگہوں میں ذکر کی گئی ہیں (۱)۔یہاں [۲]۔سورۂ یونس:۳[۳]سورۂ رعد:۲[۴]طٰہٰ:۵[۵]سورۂ فرقان:۵۹[٦]سورۂ الم سجدہ:۴[۷]سورۂ حدید:۴۔ پہلے ان لوگوں کا ایک شبہ ہے اس کے متعلق کہ استوی کا معنی استولیٰ ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ کرنا۔اس کا جواب علامہ ذہبی نے کتاب ''الاربعین فی صفات رب العٰلمین:۳۸، میں دیا ہے۔

ابوسلیمان داؤد بن علی اصبہانی فرماتے ہیں کہ ہم ابن اعرابی کے پاس تھے، کہ ایک آدمی ان کے پاس آ کر کہنے لگا: الرحمٰن علی العرش، استوی کا کیا معنی ہے؟انہوں نے فرمایا رحمٰن عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خبر دی ہے،تو اس آدمی نے کہا،اے ابوعبداللہ،استوی کا معنی ''استولی'' ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ رکھنا،تو ابن الاعرابی نے کہا خاموش ہو جاؤ!استولی علی الشئ کسی چیز پر قابض ہونا صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی مدمقابل ہو،تو جب کوئی ایک دوسرے پر غالب وقابض ہو جائے تو اس وقت استولی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

امام ذہبی مذکورہ کتاب کی :۳۹، میں امام مالک ؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابن وہب نے فرمایا: کہ ہم امام مالک کے پاس تھے کہ ایک آدمی آکر کہنے لگا''الرحمٰن علی العرش ،استوی ، میں استواء کی کیفیت بیان کیجئے؟ تو امام مالک خاموش ہو کر نگاہ جھکالی،اور پسینے سے شرابور ہو گئے، پھر اپنا سر اٹھا کر فرمایا:اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے اپنا وصف بیان کیا ہے۔کیفیت بارے سوال نہیں کیا جائے گا،وہ کیفت سے ماوراء اور پاک ہے تو بدعتی ہے (اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ) اسے نکال باہر کرو۔

امام مالک ؒ کے استاذ محترم امام ربیعہ ؒبن ابی عبدالرحمان فروخ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے نیز ام سلمہؓ اور وہب بن منبہ سے بھی (اسی طرح) مروی ہے۔امام مالک ؒ کا یہ قول کتاب الرد علی الجہمیۃ:۱۰۴،(دارمی) الابانۃ:۲۲۹،شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ:۳۹۸/۳، کتاب اسماء وصفات للبیہقی:۵۱۵،۵۱٦، فتاوی ابن تیمیہ:۴۱/۵، اجتماع جیوش الاسلامیہ:۴۷،

العلو:۱۰۳، فتح الباری:۱۳/۴۰۶، میں مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی امام ذہبی نے مذکورہ کتاب کی ص:۵۹، میں نقل کیا ہے: فرماتا ہے: **قال ابوحنیفهؒ من انکران الله فی السماء فقد کفر،** یعنی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو اللہ تعالی کے اسمان پر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ یقینی کافر ہے، یہ قول امام ذہبی نے کتاب العلو:۲۰۲، ابن قدامہ نے اثبات صفۃ العلو:۱۷۰، فتاوی ابن تیمیہ:۵/۴۹، اجتماع جیوش الاسلامیۃ:۴۷، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ علی القاری نے شرح فقہ اکبر:۱۳۹، میں تفصیل سے یہ قول نقل کیا ہے۔

عن ابی مطیع الحکم بن عبدالله البلخی انه سأل اباحنیفهؒ،عمن قال لااعرف ربی فی السماء هوام فی الارض؟فقال :قدکفرلان الله یقول:الرحمٰن علی العرش استوی،وعرشه فوق سبع سمٰواته،قلت فان قال انه علی العرش استوی، ولکنه یقول لاادری العرش فی السماء ام فی الارض؟قال هو کافر،لانه........ کونه فی السماء ،فمن انکران انه فی السماء فقدکفر، لانه تعالی فی اعلی علیین ،وهو یدعی من اعلی لامن اسفل۔

امام شافعیؒ نے اپنے عقیدے اور اپنی وصیت میں فرمایا ہے وہ بات جو سنت سے ثابت ہے میرا عقیدہ وہی ہے اور میں نے اہل حدیث کو بھی اسی عقیدہ پر دیکھا ہے کہ اللہ تعالی اسمان پر اپنے عرش پر (مستوی) ہے وہ اپنی مخلوق سے جس طرح چاہتا ہے قریب ہوتا ہے اور آسمان دنیا پر جس طرح چاہتا ہے نزول فرماتا ہے۔ اس کو امام ذہبیؒ نے مذکورہ کتاب کی ص۴۲، اور العلو:۱۲۰، میں اور کتاب اثبات صفۃ العلو:۱۸۰۔ ابن بطہ نے کتاب الابانۃ:۲۳۲، اور ابن قیمؒ نے اجتماع الجیوش الاسلامیۃ:۵۹، میں نقل کیا ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ نے اپنی مسند:۷۰، میں انسؓ سے ایک روایت بھی نقل کیا ہے جس کو امام ذہبیؒ نے سنداً کتاب الاربعین:۳۴، میں نقل کیا ہے: **عن انس بن مالکؓ، یقول اتی جبرئیل بمرآة بیضاء فقال ماهذه؟قال الجمعة وهو الیوم الذی استوی فیه ربک علی العرش.هذاحدیث غریب، رواه الشافعی فی مسنده۔**

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر آئے، تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا یہ جمعہ کا دن ہے، اور یہی وہ دن ہے جس میں آپؐ کے رب عرش پر مستوی ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالی جمعہ المبارک کے دن عرش معلّٰی پر مستوی ہوئے۔ اس حدیث کو عبداللہ بن احمد نے کتاب

السنۃ:۵۶، میں کشف الاستار:۴/۱۹۴، ابن مندہ نے الرد علی الجہمیۃ:۱۰۱، میں، آجری نے الشریعۃ:۲۶۵، میں ذکر کیا ہے۔
جبکہ امام ذہبی نے کتاب العلو میں تقریبا، ۱۶۸، علماء سے اس کے متعلق اقوال نقل کیئے ہیں۔

جبکہ اس میں ایک قول امام ابویوسفؒ کا بھی ہے کہ: قال بشر بن موسیٰ الخفاف: جاء بشار بن الولید الکندی الی القاضی ابویوسفؒ، فقال له تنهانی عن الکلام، وبشر المریسی وعلیٌّ الاحول یتکلمون قال: ومایقولون؟ قال: یقولون الله فی کل مکان، فقال ابویوسفؒ علیّ بهم فانتهوا إلیهم وقدقام بشر، فجئ بعلیّ الاحول وبالاخر شیخ، فقال ابویوسفؒ، ونظر الی الشیخ، لولا ان فیک موضع ادب لاوجعتک، فامربه الی الحبس، وضرب الاحول وطوّف به. کتاب مختصر العلو:۱۵۴۔

امام احمدؒ کا قول اور عبداللہ بن مبارک کا قول امام ذہبی نے ایک ساتھ ذکر کیا ہے، فرماتا ہے: علی بن حسن بن شفیق کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مبارک سے کہا: ہم اپنے رب کو کیسی پہچانیں؟ توانہوں نے فرمایا: (وہ) ساتویں آسمان پر اپنے عرش پر ہے، جہمیّہ کی طرح نہیں کہا جائے گا کہ وہ یہاں زمین پر ہے۔ پھر یہ بات امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھی گئی توانہوں نے فرمایا میرے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ یہ دونوں اقوال امام ذہبیؒ نے: ۴۰، ۴۱، میں ذکر کیا ہے جبکہ عبداللہ بن مبارک کا قول امام بخاریؒ نے کتاب خلق افعال العباد: ۸، میں امام دارمی نے کتاب الرد علی المریسی: ۱۰۳، میں عبداللہ بن احمد نے کتاب السنۃ: ۱۳، میں الابانۃ: ۲۳۲، کتاب اسماء وصفات: ۵۳۸ اجتماع الجیوش الاسلامیۃ: ۴۴، ۸۳، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام احمد کا قول ابن قدامہ نے اثبات صفۃ العلو: ۱۰۰، اور ابن تیمیہ نے فتاوی: ۵/۵۲، میں نقل کیا ہے۔

محمد بن جریر طبریؒ تفسیر جامع البیان عن تاویل آیِ القرآن میں فرماتے ہیں ''ثم استوی علی العرش میں ''استواء'' سے مراد علو اور ارتفاع ہے۔

امام ذہبیؒ الاربعین: ۴۳، پر فرماتا ہے: قلت وکونه تعالی فوق العرش: رواه عن النبی ﷺ جبیر بن مطعم، والعباس بن عبد المطلبؓ، وابن مسعودؓ، وجابر بن سلیم، وهو مروی عن غیر واحد من الصحابة والتابعین، وفی الکتب المنزلة مثل ماصح عن کعب الاحبار قال: فی التوراة أناالله فوق عبادی علی عرشی ادبّر امور عبادی۔ اللہ تعالی کے عرش پر مستوی ہونے کا عقیدہ سیدنا جبیر بن مطعم، عباس بن عبد المطلب، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، ابن عباس، قتادہ بن نعمان، عبادہ بن صامت، ابن مسعود، اور جابر بن سلیم رضوان اللہ عنہم اجمعین، نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، نیز یہ عقیدہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم

سے مروی ہے، سابقہ کتب سماویہ میں بھی اسی طرح ہے، جیسا کہ کعب احبارؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے فرمایا: تورات میں ہے (اللہ تعالی فرماتے ہیں) میں اللہ اپنے عرش پر اپنے بندوں کے اوپر ہوں، اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم و مدبر ہوں۔

دفع وہم "فی"، بہت دفعہ علی، کے معنی میں استعمال ہوجاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ﴾ (توبہ: ۲) یعنی علی الارض۔ نیز ﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمۡ فِىۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ﴾ (طٰہٰ: ۷۱)۔ اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ﴾ (ملک: ۱۶)۔ دراصل میں من علی السماء ہے۔ اور ہر وہ چیز جو بلند ہو وہ "سماء" کہلاتی ہے۔ تو یہاں "سماء" سے مراد عرش ہے۔ کیونکہ عرش آسمانوں پر ہی ہے۔ اور اللہ تعالی کا اسمان پر ہونا رسول اللہ ﷺ سے صاف الفاظ میں متواتر طور پر منقول ہے۔ ایک درج ذیل ہے:

حدیث: قوله ﷺ للجارية: اين الله؟ قالت في السماء ، قال اعتقها فانها مؤمنة۔ (ابوداود: رقم: ۹۳۱، السنن الکبری للبیہقی: ۲۰۴۷۸)۔ ترجمہ آپ ﷺ کا لونڈی سے یہ فرمانا، اللہ تعالی کہاں ہے؟ اس لونڈی نے جواب دیا: اسمان پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ ایمان دار ہے۔ اس حدیث کو سیدنا ابوہریرہؓ، معاویہ بن حکم، محمد بن شرید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ (الاربعین للذہبی)۔

اس بحث کی اخیر میں ایک حدیث جو کہ جبیر بن مطعمؓ سے منقول ہے، نقل کرتے ہیں، اور اس پر اکتفاء کرتے ہیں اگر چہ اس باب میں احادیث زیادہ ہے جیسا کہ امام ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ عن جبير بن مطعم عن ابيه عن جده قال اتى رسول الله ﷺ اعرابى فقال: يارسول الله جهدت الانفس، وضاعت العيال، ونهكت [نهبت] الاموال وهلكت الانعام، فاستسق الله لنا، فانا نستشفع بك على الله، ونستشفع بالله عليك، قال رسول الله ﷺ ويحك اتدرى ماتقول، وسبّح رسول الله ﷺ، فمازال يسبّح حتى عرف ذلك في وجوه اصحابه، ثم قال: ويحك انه لايستشفع بالله على احد من خلقه، شأن الله اعظم من ذلك، ويحك اتدرى ماالله؟ ان عرشه على سمٰواته، لهكذا، وقال باصابعه مثل القبة عليه، وانه ليئط به اطيط الرحل بالراكب، قال ابن بشار في حديثه ان الله فوق عرشه، وعرشه فوق سمٰواته، وساق الحديث. [ابوداود: ۴/۲۴۳، كتاب التوحيد لابن خزيمه: ۱۰۳، كتاب الردعلى المريسى: ۱۰۵]۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گنوار آیا، اور کہنے لگا، یارسول اللہ! مصیبت میں پڑ گئے لوگ، اور تباہ ہو گئے گھر بار، اور گھٹ گئے مال، اور مر گئے جانور، تو دعا کیجئے اللہ سے پانی برسنے کی، ہم سفارش لے جاتے ہیں آپؐ کی اللہ کے پاس، اور سفارش لاتے ہیں اللہ کی آپؐ کے پاس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ارے تو سمجھتا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟، اور رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا، پھر اللہ کی تعریف کرتے رہے (بڑی دیر تک) یہاں تک کہ معلوم ہوا اثر اس گنوارے کے کہنے کا آپ ﷺ کے اصحاب کے چہروں میں، پھر آپؐ نے فرمایا: آرے اللہ کی سفارش نہیں کی جاتی، اس کی مخلوقات میں سے کسی پر، اللہ جل جلالہ کی شان بہت بڑی اور برتر ہے، ایسی بات سے، ارے تو جانتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی بڑائی اور بزرگی کیسی ہے؟ اس کا عرش (تخت) آسمانوں پر اس طرح ہے، اور اشارہ کیا انگلیوں سے ایک گنبد کے طور پر، باوجود اس کے وہ چر چراتا ہے (اللہ کے خوف اور عظمت سے) جیسے پالان چر چراتے ہیں سوار کے نیچے، ابن بشار نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ کیا کہ اللہ جل جلالہ اپنے عرش کے اوپر ہے اور عرش اس کا اس کے اسمانوں کے اوپر ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی تفصیل کے لئے امام ذہبی کا کتاب العلو، وکتاب الاربعین، امام بیہقی کا کتاب الاسماء و الصفات، شرح عقیدۃ الطحاویۃ، شرح العقیدۃ الواسطیۃ اور الصواعق المرسلۃ وغیرہ مطالعہ کیجئے۔ اس مسئلے کے متعلق ابن تیمیہؒ نے بہت تفصیل سے اپنی مختلف کتابوں میں بحث کیا ہے، بعض لوگوں نے آپ کو یہ غلط قول منسوب کیا ہے، کہ آپ نے کہا ہے کہ عرش قدیم ہے۔ لیکن یہ قول احمد رضا بجنوری نے، ملفوظات کشمیری: ۲۰۳، آپ کے طرف منسوب کر کے شیخ الاسلام پر بہتان باندھا ہے، کیونکہ یہ قول آپ کے کسی کتاب میں مذکور نہیں، بلکہ مجموع فتاوی: ۲۱۴/۱۸، میں آپ نے یہ تصریح کیا ہے، کہ ان العرش مخلوق ایضا، یعنی بیشک عرش بھی مخلوق ہے، جبکہ بجنوری نے ملفوظات: ۲۴۳، میں یہ قول بھی آپ کو منسوب کیا ہے، کہ آپ نے دوران خطبہ نزول الٰہی کا تشریح کرتے ہوئے منبر سے نیچے اترے اور پھر فرمایا، اللہ ینزل کنزولی ھذا، لیکن یہ بھی آپ پر جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس مسئلے کے متعلق شیخ الاسلام کا رسالہ ''شرح حدیث النزول'' مشہور ہے اس میں آپ نے یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس میں فرمایا ہے کہ، **وکذلک نعلم معنی النزول ولا نعلم کیفیتہ**، یعنی اسی طرح ہم نزول کا معنی جانتے ہیں اور اس کی کیفیت کو نہیں جانتے: ص۳۲۔ تو بجنوری کے دونوں انتساب جھوٹ پر مبنی ہے۔

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

وہی رات کو دن کا لباس پہنا تا ہے کہ وہ اُس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا س

مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

سب اُسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

(لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا إِنَّ

اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا کچھ شک نہیں

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ

کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے

بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهِ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں

فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ

باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ جو زمین پاکیزہ (ہے) اُس میں سے سبزہ بھی

بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ

رب کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو

لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿٥٨﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

شکر گزار لوگوں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

کہ اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهٖٓ إِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾

بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔تو جو اُن کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾

انہوں نے کہا کہ اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾

تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَأَنْجَيْنٰهُ

تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم پرہیزگار بنو اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا إِنَّهُمْ

اور جو اُن کیساتھ کشتی میں سوار تھے اُن کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں

كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَإِلٰى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ

کہ وہ اندھے لوگ تھے۔ اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم!

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۶۵﴾

اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَّإِنَّا لَنَظُنُّكَ

تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں

مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹا خیال کرتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین

الْعَالَمِينَ ﴿۶۷﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿۶۸﴾

کا پیغمبر ہوں ۔ میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اورتمہارا امانتدار خیرخواہ ہوں

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیاتمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّزَادَكُمْ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ دیا

فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو ۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرے اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۷۰﴾

تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ أَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْ أَسْمَآءٍ

ہود نے کہا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں

سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل

فَانْتَظِرُوْآ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ

نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کیساتھ تھے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

اُن کو نجات بخشی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں

وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ

اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً

معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے

فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

تو اسے چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں

أَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ

پکڑ لے گا ۔ اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے

فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا

(مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو

فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ
پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ۔ تو اُن کی قوم میں سردار لوگ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ
جو تکبر کرتے تھے، غریب لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے کہ بھلا تم یقین کرتے ہو
اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾
کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اُنہوں نے کہا ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ
تو مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُس کو نہیں مانتے ۔ آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا
وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے)
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾
پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ ۔ تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ
پھر صالح ان سے (ناامید ہو کر) پھرے اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی
وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا
مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے ۔ اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو)
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ
اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ
اس طرح کا کام نہیں کیا۔ یعنی خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد

مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا
سے نکل جانے والے ہو۔ تو اُن سے اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور بولے تو یہ بولے کہ ان لوگوں (یعنی لوط اور اُس کے گھر

أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَهْلَهٗٓ
والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا

إِلَّا امْرَأَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ
مگر ان کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا سو دیکھ لو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ
کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا۔ اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم!

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۖ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا
تو تم ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور

تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾
زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِهٖ
اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور اللہ کی راہ سے روکتے

وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ

اور اُس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تمہیں جماعت کثیر بنا دیا

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ

اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر

آمَنُوْا بِالَّذِیْ أُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ

ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کئے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے

بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا

کہ شعیب! (یا تو) ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے

أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾

یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ اُنہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟)

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللّٰهُ مِنْهَا

اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ

اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، ہاں اللہ جو ہمارا رب ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے رب کا علم

عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے، ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے اے اللہ! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دے

وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اُن کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!)

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بیشک تم خسارے میں پڑ گئے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ

تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنہوں نے

كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے اور جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

وہ خسارے میں پڑ گئے۔تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر رنج و غم کیوں کروں؟ ۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ

عاجزی اور انکساری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا یہاں تک کہ (مال واولاد میں) زیادہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اسی طرح

مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَأَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

کا رنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے اُن کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اگران بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے)

وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَٰهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

کھول دیتے مگر اُنہوں نے تو تکذیب کی سو اُن کے اعمال کی سزا میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا ۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿٩٧﴾

کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں

أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾

اور کیا اہلِ شہر اس سے نڈر ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَٰسِرُونَ ﴿٩٩﴾

کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَآءُ

کیا ان لوگوں کو جو اہلِ زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں

أَصَبْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں ۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تمہیں سناتے ہیں اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِ

مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اُسے مان لیں اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے

الْـكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَـا وَجَـدْنَـا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ وَجَـدْنَا أَكْثَرَهُمْ
اور ہم نے اُن میں سے اکثروں میں (عہد کا نباہ) نہیں دیکھا اور اُن میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔
لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَـعَثْـنَـا مِـنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِآيٰتِنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ
پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا
فَـظَـلَـمُـوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَـالَ مُوْسٰى
تو اُنہوں نے اُن کیساتھ کفر کیا سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اے
يٰفِرْعَوْنُ إِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰى أَنْ لَّآ أَقُوْلَ عَلَى
فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں ۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں
اللهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَـدْ جِـئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ﴿١٠٥﴾
میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دیجئے
قَـالَ إِنْ كُـنْـتَ جِـئْـتَ بِـاٰيَةٍ فَـأْتِ بِهَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾
فرعون نے کہا کہ اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ) ۔
فَـأَلْـقٰـى عَـصَـاهُ فَإِذَا هِـيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَـزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِـيَ
موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اُسی وقت صریح اژدھا (بن گیا) ۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں
بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ
کی نگاہوں میں سفید (تھا) ۔ تو قومِ فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے ۔
﴿١٠٩﴾ يُّـرِيْـدُ أَنْ يُّـخْـرِجَـكُـمْ مِّـنْ أَرْضِـكُـمْ فَـمَـاذَا تَـأْمُـرُوْنَ ﴿١١٠﴾
اس کا اردہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے بھلا تمہاری کیا مشورہ ہے؟

قَالُوٓا أَرۡجِهۡ وَأَخَاهُ وَأَرۡسِلۡ فِي الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھئے اور شہروں میں نقیب روانہ کیجئے

يَأۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡا

کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے

إِنَّ لَنَا لَأَجۡرًا إِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمۡ وَإِنَّكُمۡ

کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا۔ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم

لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰى إِمَّا أَنۡ تُلۡقِيَ وَإِمَّآ أَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

مقربوں میں داخل کر لئے جاؤ گے۔ جادوگروں نے کہا موسیٰ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں

قَالَ أَلۡقُوۡا فَلَمَّآ أَلۡقَوۡا سَحَرُوۡٓا أَعۡيُنَ النَّاسِ

(موسیٰ نے) کہا کہ تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی)

وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلٰى مُوۡسٰٓى

اور لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں ڈرایا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

أَنۡ أَلۡقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلۡقَفُ مَا يَأۡفِكُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گی

فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ

اور حق واقع ہوا، اور ان کے کی ہوئی عمل باطل ہوئی۔ پس یہ لوگ اس وقت یہاں مغلوب ہوئیں۔

وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلۡقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾

اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے رب پر ایمان لائے ۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے رب پر ۔
قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ
فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر
فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
میں کیا ہے تاکہ اہلِ شہر کو یہاں سے نکال دو سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے ۔
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا ۔
قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ
وہ بولے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ اور اُس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بُری لگی ہے
اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے اے اللہ! ہم پر صبر و استقامت
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى
کے دہانے کھول دے اور ہمیں (مارنا) تو مسلمان ہی مارو ۔ اور قومِ فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ
وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ
اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہیں کہ ملک میں خرابی کریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں وہ بولے
سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
کہ ہم اُن کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلا شبہ ہم اُن پر غالب ہیں ۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْا أُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ

اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں

أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ

اور اُس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر ظاہر کرے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اور ہم نے

أَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

فرعونیوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

فَإِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى

تو جب اُن کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور اُن کے رفیقوں کی بدشگونی

وَمَنْ مَّعَهٗ أَلَآ إِنَّمَا طَآئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

بتاتے۔ دیکھو اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں جانتے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ

اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں

﴿۱۳۲﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ

تو ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون

آيٰتٍ مُّفَصَّلاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ
کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے، اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار۔ اور جب اُن پر عذاب واقع ہوتا
عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ
تو کہتے کہ موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو جیسا اُس نے تم سے عہد کر رکھا ہے،
لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ
اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے (کی
إِسْرَآئِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلٰٓى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
اجازت) دیں گے۔ پھر جب ہم ایک مدت کیلئے جس تک اُن کو پہنچنا تھا اُن سے عذاب دُور کر دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا
تو ہم نے اُن سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ اُن کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے بے پروائی کرتے تھے
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ
اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے اُن کو زمین (شام) کے مشرق
وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ
ومغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث بنایا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اُن کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا
إِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوْا
نیک وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قومِ فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے
يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ
تباہ کر دیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کیلئے

عَلٰى أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَل لَّنَآ إِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ط
بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ! جیسے اُن لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو
قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ هٰـؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّا
موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللهِ أَبْغِيْكُمْ إِلٰـهًا
یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں۔ (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں
وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
حالانکہ اس نے تم کو تمام اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ہے۔
وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ) سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے
يُقَتِّلُوْنَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے
عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ
سخت آزمائش تھی۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اُسے پورا کر دیا
فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِأَخِيْهِ هٰرُوْنَ
تو اس کے رب کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا
اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
کہ میرے (کوہِ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ
اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے
رَبِّ أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِى
کہ اے اللہ! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے
وَلٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِى ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى
ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے جب اُن کا رب پہاڑ پرنمودار ہوا
رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
تو (تجلی انوار ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے
تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ
اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن میں سب سے اوّل ہوں۔ (اللہ نے) فرمایا
يٰمُوسٰىٓ إِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالٰتِى
کہ اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے
وَبِكَلَامِى فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ
تو جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے اُسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں
فِى الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ
میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے طاقت سے پکڑے رہو
وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ﴿١٤٥﴾
اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں اُن کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا
وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں
سَبِيْلًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا
اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ
اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے
أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى
یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلا ملے گا۔ اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا
مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ
(وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے آواز نکلتی تھی، ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کر سکتا ہے
وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا
اور نہ اُن کو رستہ دکھا سکتا ہے اُس کو اُنہوں نے (معبود) بنا لیا اور ظلم کیا۔ اور جب
سُقِطَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ
وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہمیں معاف نہیں فرمائے گا
لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى إِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے

أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ

تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی کیا تم نے اپنے رب کا حکم جلد چاہا (یہ کہا)

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ

اور تختیاں رکھ دیں[۲] اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے

قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي

انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر تے

---

[۲] ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لیس الخبر کالمعاینة، ان اللّٰہ تعالی اخبر موسیٰ بما صنع قومه فی العجل، فلم یلق الالواح، فلما عاین ماصنعوا، القی الالواح فانکسرت. (مسنداحمد: ۱/ ۲۷۱، ابن حبان رقم: ۲۰۸۸، و الحاکم: ۲/ ۳۲۱، ۳۸۰۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں سننا، اس کو آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتا، چنانچہ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے اس عمل کے بارے میں خبر دی، جو انہوں نے گوسالہ پرستی کی صورت میں کیا تھا، تو انہوں نے تختیوں کو نہیں پھینکا، لیکن جب وہ اپنی قوم میں واپس آئے، اور اپنی انکھوں سے قوم کے اس عمل کو دیکھا تو تختیوں کو جلدی سے رکھ دیا دیا اور ٹوٹ گئیں۔

''و القی الالواح'' (القاء) کے لغوی معنی ڈال دینے کے ہیں، اور الواح لوح کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں تختی یہاں لفظ القاء سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کی حالت میں تورات کی تختیوں کی بے آدبی کی، کہ ان کو ڈال دیا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ الواح تورات کو بے آدبی کے ساتھ ڈال دینا گناہ عظیم ہے، اور انبیاء علیہم السلام سب گناہوں سے معصوم ہیں، اس لئے مراد آیت کی یہی ہے کہ اصل مقصود ہارون علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ خالی کرنا تھا، اور غصہ کی حالت میں جلدی سے ان کو رکھا، جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ڈال دیا، اس کو قرآن کریم نے بطور تنبیہ کے ڈال دینے کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (بیان القران)۔

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

تو ایسا کام نہ کریں کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأَخِيْ وَأَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ

تب انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تھا ان پر اللہ کا غضب واقع ہوگا اور

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا

دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے

السَّيِّـٰٔتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

وہ ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی ۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّا

اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے جب

أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا

ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا تو اُن کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی کیا تو اس فعل کی سزا

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا إِنْ هِیَ إِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ

میں جو ہم میں سے بے عقلوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

مَنْ تَشَآءُ أَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

ہدایت بخشے، تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَیْکَ قَالَ

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہو چکے (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِیْ أُصِیْبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے،

فَسَأَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں [۳]

---

[۳] اس آیت میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ کی کتاب تورات لاکر بنی اسرائیل کو دی، تو اپنی کجروی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالی ہی کا کلام ہے، ممکن ہے کہ آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں۔ ان کو اطمینان دلانے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، تو حق تعالی کی طرف سے یہ ارشاد ہوا، کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی خود اپنا کلام سنا دیں گے جس سے ان کو یقین آ جائے، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا، اور کوہ طور پر لے گئے، حسب وعدہ انہوں نے اپنے کانوں اللہ تعالی کا کلام سن لیا، مگر جب یہ حجت پوری ہوگئی تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم یہ اواز اللہ تعالی ہی کی ہے یا کسی اور کی۔

ہم تو جب یقین کریں جب کھلم کھلا اللہ تعالی کو دیکھ لیں، ان کا یہ سوال چونکہ ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی تھا۔ اس پر غضب الٰہی متوجہ ہوا، ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک آئی جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر گئے،

اور بظاہر مردہ ہوگئے سورۂ بقرہ میں اس جگہ ''صاعقہ'' کا لفظ آیا ہے اور یہاں '' رجفه'' کا''صاعقه'' کے معنی بجلی کی کڑک اور ''رجفہ'' کے معنی زلزلہ کے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہوگئی ہوں۔

بہر حال یہ لوگ ایسے ہوکر گر گئے، جیسے مردے ہوتے ہیں، خواہ حقیقتاً مر ہی گئے ہوں، یا ظاہر مردہ نظر آتے ہوں، موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا، اول تو اس لئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے۔ دوسرے اس لئے کہ اب اپنی قوم میں جا کر کیا جواب دیں گے، وہ یہ تہمت لگائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کرادیا ہے، اور اس تہمت کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے، اس لئے اللہ جل شانہ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں کہ اس واقعہ سے آپ کا مقصود ان کو ہلاک کرنا نہیں کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اب سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کئے جاسکتے تھے۔

فرعون کے ساتھ غرق کردیئے جاتے یا گوسالہ پرستی کے وقت سب کے سامنے ہلاک کردیئے جاتے، اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کردیتے مگر آپ نے یہ نہیں چاہا، تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی ان کا ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سزا دینا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بیوقوفوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کردیں۔ اس جگہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس لئے ذکر کیا کہ ان ستر آدمیوں کی اس طرح غائبانہ ہلاکت کا نتیجہ یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں ہلاک کئے جائیں۔

پھر عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محض آپ کا امتحان ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت و ناشکری کرنے لگیں۔ اور بعض لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں، میں بھی آپ کے فضل سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہٰذا اس امتحان میں میں مطمئن ہوں اور آپ ہی تو ہمارے خبر گیر ہیں، ہم پر مغفرت اور رحمت فرمایئے، اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں، اس لئے ان کی اس گستاخی کو بھی معاف کردیجئے چنانچہ وہ سب لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ستر آدمی جن کا ذکر اس آیت میں ہے، وہ نہیں جنہوں نے ''ارنا الله جهرة'' کی درخواست کی تھی، اور وہ صاعقہ کے ذریعے ہلاک کئے گئے تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جو خود تو گوسالہ پرستی میں شریک نہ تھے مگر قوم کو اس حرکت سے روکنے کی کوئی کوشش بھی نہ کی تھی اس کی سزا میں ان پر زلزلہ آیا اور بے ہوش ہوگئے واللہ اعلم بہر حال یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوکر کھڑے ہوگئے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ
وہ جو (محمدﷺ) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں
یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں
وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں
وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ
اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے
وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نُور ان کیساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ
مراد پانے والے ہیں (اے محمدﷺ!) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اُس کا رسول) ہوں
جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ
(وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا
وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
اور وہی موت دیتا ہے تو اللہ پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر، جو اللہ پر اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں،
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ
ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کروتا کہ ہدایت پاؤ اور قومِ موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اُسی کیساتھ

يَعۡدِلُوۡنَ ۝۱۵۹ وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا
انصاف کرتے ہیں اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا
وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اِذِ اسۡتَسۡقٰٮهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ
اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو
فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ
تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن (کے سروں)
وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ
پر بادل کو سائبان بنائے رکھا اور اُن پر من و سلویٰ اتارتے رہے (اور اُن سے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں
مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝۱۶۰
ہم تمہیں دیتے ہیں اُنہیں کھاؤ اور اُن لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان (کیا) اپنا ہی کیا
وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ
اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا)
وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا نَّـغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطِيۡٓـٰٔتِكُمۡ ؕ
اور (ہاں شہر میں جانا تو) حِطَّةٌ (توبہ) کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے
سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۱۶۱ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ
اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ مگر جو اُن میں ظالم تھے اُنہوں نے اس لفظ کو جس کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا
لَهُمۡ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ ۝۱۶۲
بدل کر اُس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ ظلم کرتے تھے

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ

اور ان سے اُس گاؤں کا حال تو پوچھو جو لبِ دریا واقع تھا جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں

إِذْ تَـأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ

حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں

كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ

اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں، اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے اور

قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کردینے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے

قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾

تو انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تمہارے رب کے سامنے معذرت کرسکیں اور عجیب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں[۴]

---

[۴] قصص کے اختتام پر اصحاب سبت کا واقعہ ذکر فرمایا اور اس سے مقصود تخویف دنیوی ہے ''القریہ'' سے ایلہ مراد ہے، جو مدین اور طور کے درمیان سمندر کے کنارے پر واقع تھا، ہفتہ کا دن دین موسوی میں قابل تعظیم تھا، اور اس دن میں مچھلی کا شکار ان کے لئے جائز نہیں تھا، لیکن ابتلا وامتحان کے لئے اللہ کے حکم سے ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر کنارے سے بالکل قریب کثرت سے آجاتیں۔ اور باقی ایام میں غائب رہتیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر انہوں نے یوم سبت کی تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر مچھلی کا شکار کرنا شروع کردیا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابلیس نے ان کو یہ حیلہ بتایا کہ وہ سمندر کے کنارے حوض بنالیں اور جمعہ کے دن مچھلیوں کو ہانک کر حوض میں ڈال دیا کریں، اور اتوار کے دن پکڑ لیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس حیلے سے اللہ کے حکم کو توڑا تو اللہ تعالی نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ سب بندر بن گئے۔

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں پہلی جماعت ہفتہ کے دن شکار کرتی تھی، دوسری جماعت ان کو اس سے منع

کرتی تھی، اور تیسری جماعت نہ شکار کرتی تھی اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتی تھی، بلکہ منع کرنے والوں سے بھی کہتی تھی کہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا یا شدید عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اس لئے ان کو وعظ ونصیحت کرکے کیوں دماغ سوزی کرتے ہو۔ ,,قالوا معذرۃ الیٰ ربکم،، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اللہ کے سامنے بطور معذرت ان کو اس فعل قبیح سے روکتے ہیں تاکہ نہی عن المنکر کا جو فریضہ ہمارے ذمہ ہے اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ اس فعل سے باز آجائیں ''معذرۃ'' فعل مقدر یعنی نعتذر کا مفعول مطلق ہے۔ **قال جمهور المفسرين ان بنی اسرائيل افترقت ثلٰث فرق.. فرقة عصت وصادت، وفرقة نهت واعتزلت، وفرقة اعتزلت ولم تنه ولم تعص، وان هذه الطائفة قالت للناهية ﴿لم تعظون قوما الله مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا﴾ (قرطبی).**

یہاں ''نسوا'' بمعنی ترکوا ہے، یعنی انہوں نے اپنی قوم کے صلحاء اور ناصحین کی پند ونصیحت کو چھوڑ دیا اور اس سے بالکلیہ اعراض کرلیا، تو برائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا مگر ان ظالموں کو جو سرکشی اور نافرمانی کرتے تھے دردناک عذاب سے پکڑلیا۔ ''فلما عتوا'' جب وہ اللہ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے اور ان کا انکار ضد وعناد کی حد کو پہنچ گیا تو ہم نے ان کی شکلیں مسخ کردیں اور ان کو بندر بنادیا۔

ابن کثیر نے یہاں عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل کیا ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کے پاس آیا، وہ آبدیدہ تھے، اور مصحف ان کی گود میں تھا، میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا قرآن کے یہ ورق رُلا رہے ہیں، سورۂ اعراف زیر تلاوت تھی کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے، انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی، ان کے ازمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پر رہتے تھے۔ تروتازہ، موٹی اور عمدہ بہ کثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ اللہ ہی کی عظمت کرتے رہے، اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ قیاس ڈال دیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے، دوسرے روز کھالینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہوگیا لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے، غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ

اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے، انکی سیدھی طرف رکنے والے جماعت تھی جوان سے الگ رہی اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کر لی، سیدھی جانب والوں نے کہا دیکھو! ہم تمہیں منع کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالی کے عذاب کے مستحق بن جاؤ، اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ، ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی لوگوں کو کیا نصیحت کر رہے ہو، یہ کہیں ماننے والی ہیں؟ اصحاب یمین نے کہا اللہ تعالی ہمیں معاف کرے اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں، ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتار عذاب نہ ہوں، اگر وہ باز آئے تو اللہ تعالی معاف کرے۔

لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انہوں نے کہا اے دشمنان رب اخرتم نے نہ مانا، اللہ تعالی کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم کو دن بھی نہ نکلے گا، یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پھتر برس پڑیں گے، یا ایسا ہی کوئی اور عذاب، یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب اللہ سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے اور یہ گناہ گار شہر کے اندر رہے۔شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا اب باہر رہنے والے صبح ہی، فصیل کے دروازے پر پہنچے، لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے دروازہ اندر سے بند تھا بہت کچھ کھٹکھٹایا اوازیں دیں، لیکن کچھ جواب نہ ملا، اب فصیل کے دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے، دیکھا کہ یہ سب بندر بنے ہوئے ہیں، ان کی لمبی لمبی دمیں ہیں، اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے، ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا، لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا، یہ بندر نزدیک آتے، ان کے پاؤں پر لوٹتے، تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے؟ تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں۔

پھر ابن عباسؓ نے یہ ایت پڑھی کہ جب انہوں نے نصیحت نہ مانی تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے، لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا، مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے، تو عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں آپ پر فدا، یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے، اور ان کی مخالفت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے؟ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے، تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل

پر بہت دکھائی دیتیں، اور جب شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا، اور وہاں لگا دیا، ایک بڑی سی مچھلی ہفتہ کے روز اس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گزرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑ کر اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑ آئے۔ اس سے پوچھا، اس نے انکار کیا۔ اور جب بہت اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر ایسا ہی کیا، اور شب یک شنبہ میں اس کو بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی خوشبو پائی تو پھر آ کر پوچھا۔ تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ کہا تو کیا کرتا ہے۔ اس نے انہیں اپنا حیلہ بتایا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلے پر عمل کرنے لگے، حتیٰ کہ یہ بات بہت عام ہو گئی۔ ان کا ایک شہر تھا اس کو ربض کہتے تھے۔ اس شہر کا دوازہ رات میں بند کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ ان کی پڑوس کے دیہاتی جوان کی بستی کے اطراف میں رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں شہر کے اندر جاتے تھے، تو دروازے کو بند پایا، آوازیں دیں، جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے، نزدیک آ رہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا۔ تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو، انہیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے، ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے، ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے، باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہؒ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباسؓ نے گویا اپنے قول سے رجوع کر لیا، کیونکہ انہیں انعام میں لباس دیا۔ اور اس قول سے تو یہ رجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے۔ اور قول باری تعالیٰ ﴿اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس﴾ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے انہیں ضرور نجات مل گئی ہوگی۔

﴿بئیس﴾ کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں یہ سب معنی آپس میں متقارب ہیں، واللہ اعلم
﴿خاسئین﴾ کے معنی ذلیل وحقیر ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ
جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ بُرائی سے منع کرتے تھے
وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾
اُن کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے اُن کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کئے جاتے تھے
فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ
پس جن اعمالِ (بد) سے اُن کو منع کیا گیا تھا جب وہ اُن (پر اصرار اور ہمارے حکم سے) گردن کشی کرنے لگے
قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ
تو ہم نے اُن کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔اور جب تمہارے رب نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ
إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ
اُن پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بُری بُری تکلیفیں دیتا رہے بیشک تمہارا رب جلد عذاب کرنے والا ہے
وَإِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ
اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔اور ہم نے ان کو جماعت جماعت کر کے ملک میں منتشر کر دیا،بعض ان میں سے نیکوکار ہیں
وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ
اور بعض اور طرح کے (یعنی بدکار) اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتَابَ
تا کہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے
يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْأَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا
یہ (بے تامل) اس دنیائے ادنیٰ کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے

وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتٰبِ

اور (لوگ ایسوں پرطعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ بھی اُسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا

أَنْ لَّا يَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ

کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے، اور آخرت کا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِينَ يُمَسَّكُونَ بِالْكِتٰبِ

پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟ ۔ اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۷۰﴾

اور نماز کا التزام کرتے ہیں (ان کو ہم اجر دیں گے کہ) ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ

اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرتا ہے

خُذُوا مَا آتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾

تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھ سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا

عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں

یَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ ﴿۱۷۲﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا

کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔[۵] یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي

اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ رجوع کریں۔ اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو

---

[۵] جملہ (من ظھورھم) جملہ "من بنی آدم" سے بدل ہے اور "ذریتھم"، "اخذ" کا مفعول ہے، یعنی اولاد آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا، اور سب سے عہد لیا" الست بربکم" کیا میں تمہارا پروردگار اور مالک نہیں ہو؟ بے شک تو ہمارا رب ہے، ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور اور معبود ہے۔ والمعنی شھدنا انک ربنا والھنا (قرطبی) یہ عہد کب لیا گیا؟ عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے کہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا اس طرح کہ ادم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکال کر ان سے اقرار لیا گیا۔ جناب شیخؒ فرماتے تھے کہ یہ عہد ہر شخص سے اس کی پیدائش کے وقت لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے موحد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :فطرة الله التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق الله (روم: ۳۰). اسی طرح ایک جگہ فرمایا: ولئن سئلتھم من خلقھم لیقولن الله (زخرف: ۸۷) یہ اللہ کے خالق ومالک ہونے کا سبق ان کو پیدائش کے وقت ہی سے ملا تھا۔ یہ اصل میں ، کراھة ان تقولوا، یا لئلاتقولوا، تھا، یعنی یہ عہد ربوبیت اس لئے لیا، تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توتوحید سے بالکل بے خبر تھے، اور ہم کو اس کا بالکل علم ہی نہ تھا، "او تقولوا" یہ پہلے تقولوا پر معطوف ہے، اور نہ یہ عذر پیش کرسکوگے کہ شرک کے اصل بانی تو ہمارے باپ دادا تھے، ہم ان کے بعد پیدا ہوئے اور ہم نے محض ان کی دیکھا دیکھی شرک کیا، اس لئے ان کے فعل کی وجہ سے ہمیں کیوں ہلاک کرتا ہے۔ اس عذر کو ختم کرنے کے لئے ہم نے ہر ایک سے عہد لیا۔

اور مسلم بن یسار نے فرمایا کہ عمرؓ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: فقال عمرؓ سمعت رسول

اللهﷺيسأل عنها؟فقال ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه، فاستخرج منه ذريةً، فقال خلقت هؤلاء للجنة، وبعمل اهل الجنة يعملون،ثم مسح ظهره بيده ،فاستخرج منه ذريةً ،فقال خلقت هؤلاء للنار، وبعمل اهل النار يعملون، فقال رجل ففيم العمل يارسول الله؟فقال رسول اللهﷺ ان الله اذاخلق العبدللجنة استعمله بعمل اهل الجنة ،حتى يموت على عمل من اعمال اهل الجنة،فيدخله به الجنة،واذاخلق العبدللنار،استعمله بعمل اهل النار حتى يموت على عمل من اعمال اهل النار،فيدخله به النار.ابوداود:۴۷۰۴،۴۷۰۳، في السنن الترمذى ۳۰۷۵،والنسائى فى الكبرى : ۱۱۱۹۰،فى التفسير، وصححه الحاكم ۳۵۲/۲،وقال الترمذى حسن.

انہوں نے کہا! کہ جب اس آیت کے بارے میں رسول اللہﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپﷺ کو فرماتے سنا! کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان کی پیٹھ پر داہنا ہاتھ پھیرا، اور اس میں سے ان کی اولا دنکالی، اورفرمایا! کہ میں نے ان کو جنت کے لئے اور جنتیوں کے سے اعمال کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے، پھر آپنا ہاتھ آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا، اوراس میں سے ان کی اولا دنکالی اورفرمایا: کہ میں نے ان کو دوزخ کے لئے اور دوزخیوں کے سے کام کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے، یہ سنکر ایک شخص نے کہا یارسول اللہ پھرعمل کی کیا ضرورت ہے؟ نبیﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالی کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے سے عمل کراتا ہے، یہاں تک کہ اس بندہ کی وفات جنتیوں جیسے عمل پر ہو جاتی ہے، چنانچہ حق تعالی ان اعمال کی بناء پر اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اسے دوزخیوں کے سے اعمال صادر کراتا ہے، یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مر جاتا ہے، لہذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

یہ عہد میثاق عالم ارواح میں ہوا تا تھا، جیسا کہ دیگر احادیث میں آتا ہے، کہ حق تعالی نے تمام روحوں کو جوازل سے لیکر ابد تک دنیا میں آنے والی تھیں ننھی ننھی چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیا، اور پھر ان کو عقل و دانائی بھی عنایت فرمائی، اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔

☆

آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
جس کوہم نے اپنی آیتیں عطافرمائیں تو اُس نے اُن کواتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا[٦]
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا

---

[٦] یہ ان کے قول کے رد کی چوتھی وجہ ہے، یعنی اگر وہ بخشے ہوئے ہوتے اوران کوکسی عمل خیر کی حاجت اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت نہ ہوتی تو ان ہی میں کے ایک نیک اور پارسا آدمی کواس کے گناہ عظیم کی وجہ سے ہم ذلت کے گھڑے میں کیوں ڈال دیتے، ان ایتوں میں بلعم بن باعورا کے قصے کی طرف اشارہ ہے، بلعم بن باعورا بنی اسرائیل میں سے تھا،اوراس کے پاس اسمانی کتاب کاعلم تھاوہ بہت نیک اورصالح تھا کہتے ہیں وہ اسم اعظم جانتا تھااس لئے بہت مستجاب الدعوات تھابعد میں دولت کے لالچ اوراپنی بیوی کے بہکانے سے آیات وہدایات کوچھوڑ کرگمراہ ہوگیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے جبارین سے جہاد کاارادہ کیا،تو وہ بلعم کے پاس آئے،اوراس سے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کی درخواست کی، پہلے تو اس نے انکارکیا،اورکہا کہ موسیٰ علیہ السلام،اللہ کارسول ہے، اوراس کے ساتھ فرشتے اورمومنین ہیں اس لئے میں اس پرکس طرح بددعا کرسکتا ہوں اخران کے اصراراورکچھ تحفے تحائف پیش کرنے پراور بیوی کے بہکانے پر وہ مان گیا جونہیں اس نے اللہ کے نبی کے خلاف زبان کھولی۔ اللہ نے اس کی ساری روحانیت سلب کرلی۔ تمام کمالات زائل ہوگئے ایمان سے محروم کردیا گیااوراس کی زبان منہ سے نکل کرنیچے لٹک گئی جس طرح شدت گرمی کی وجہ سے کتے کی زبان باہرنکل آتی ہےاوروہ ہانپنے لگتا ہے اس میں اس کی ذلت کا اظہار ہے۔

یعنی وہ دنیا کی طرف مائیل ہوگیا ای رکن الی الدنیاو مال الیھا(روح). ذلت ودناءت طبع میں اس کی مثال بالکل کتے کی سی ہے کہ اگرتم اس پرحملہ کرواور بھگاؤ تو بھی وہ ہانپتا ہے، اوراگراسے آزاد چھوڑ دوتو بھی وہ ہانپتا ہے یعنی زبان باہرلٹکا کرہانپنااس کی طبعی عادت ہے۔ اسی طرح بلعم بن باعورا کی زبان لٹک گئی تھی۔

فَـمَثَلُـهُ كَـمَثَلِ الْـكَـلْـبِ إِنْ تَـحْـمِلْ عَلَيْـهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْـهُ يَلْهَثْ

اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے

ذٰلِکَ مَثَلُ الْـقَـوْمِ الَّـذِيْـنَ كَـذَّبُـوْا بِـآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

اور یونہی چھوڑ دوتو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاءَ مَثَلًا الْـقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

بیان کردو تاکہ وہ فکر کریں۔جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بُری ہےاورانہوں نے نقصان (کیا تو)

يَـظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْـدِ اللّٰهُ فَهُـوَ الْمُهْتَدِیْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَأُولٰئِکَ هُمُ

اپنا ہی کیا ۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو ایسے ہی لوگ

الْـخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَـدْ ذَرَأْنَـا لِـجَهَـنَّـمَ كَثِيْــرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْـسِ

نقصان اٹھانے والے ہیں ۔اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں،

لَهُـمْ قُـلُـوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا

اُس کے دل ہیں لیکن اُس سے سمجھتے نہیں اور اُس کی آنکھیں ہیں مگر اُس سے دیکھتے نہیں اور اُس کے کان ہیں

يَسْــمَــعُــوْنَ بِهَـا أُولٰـئِکَ كَـالْأَنْـعَـامِ بَـلْ هُـمْ أَضَـلُّ أُولٰـئِکَ هُـمُ

پر اُس سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو

الْـغٰـفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْأَسْـمَـاءُ الْـحُـسْـنٰـى فَـادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ

غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۔ اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو

یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے [۷]

---

[۷] ادھر دو مسئلے بیان کرنا ضروری ہے ایک اسماءِ حسنیٰ، دوسرا اللہ کے ناموں میں الحاد، اس لئے کہ دونوں مسئلے از حد ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء کسی مخصوص و معین تعداد میں محصور نہیں، کیونکہ حدیث مشہور میں ہے: اسألک بکل اسم ھو لک سمیت به نفسک او انزلته فی کتابک او علّمته احدا من خلقک، او استأثرت به فی علم الغیب عندک (الحدیث) (مسند احمد ۱/۳۹۱، ۴۵۲، وغیرہ)۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں، وہ نام جو تو نے اپنی ذات کیلئے اختیار کیا ہے، یا وہ نام جو تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے۔ یا وہ نام جو تو نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے۔ یا وہ نام جو تو نے اب تک اپنے خزانہ غیب میں محفوظ فرما کر رکھے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء وصفات (نام) اس کے خزانے غیب میں محفوظ ہیں، اور جو چیز اللہ کے علم غیب میں ہو، اس کا حصر و احاطہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث: ان لله تسعة وتسعین اسمًا، مائة الا واحدا، من احصاها دخل الجنة ۔ ترجمہ بے شک اللہ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، ایک کم سو، جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا (بخاری مع الفتح ۱۱/۲۱۸). صحیح مسلم مع المفہم ۷/۱۴).

اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، تو اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے بس اتنے ہی نام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے نام ہیں، جبکہ حدیث کے الفاظ اس طرح نہیں وارد ہوئے، بلکہ حدیث کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے معنی اس طرح ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کے ناموں کی اس تعداد (۹۹) کی شان یہ ہے کہ جو انہیں پڑھنے کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اس مفہوم کے مطابق حدیث کے الفاظ من احصاها دخل الجنة ۔ مستقل جملہ نہیں بلکہ سابقہ جملے کی تکمیل ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ آپ کہیں، میرے پاس سو درہم ہیں جو میں نے صدقہ کے لئے رکھے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس اور درہم نہیں ہیں، جو آپ نے صدقہ کے لئے نہیں رکھے۔ واضح ہو کہ ان ناموں کی تعین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں

ہے۔اور جو حدیث بسلسلہ تعین پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی: ۳۸۲/۹، میں فرماتے ہیں: اہل الحدیث کا اتفاق ہیں کہ ۹۹ ناموں کی تعین کے سلسلہ میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ نبی کریم ﷺ کے قول سے نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۳۷۹/۹، پر مزید فرماتے ہیں: یہ نام ولید نامی راوی نے اپنے بعض شامی شیوخ سے ذکر کئے ہیں، جیسا کہ بعض طرق حدیث میں یہ واضح طور پر آیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری: ۲۲۵/۱۱، میں فرمایا ہے اس حدیث کے ضعف کے سلسلہ میں علت صرف ولید کا تفرد نہیں ہے، بلکہ نقل متن میں اختلاف واضطراب، تدلیس اور احتمال ادراج، یہ ساری علتیں ہوسکتی ہیں۔اب چونکہ ان ننانوے ناموں کی تعیین نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، لہٰذا سلف صالحین سے اس تعین کے سلسلہ میں خاصہ اختلاف منقول ہے اور بہت سے اقوال وارد ہیں۔کتاب اللہ سے ننانوے نام جو سفیان ثوری پر ظاہر ہوئے، انہیں جمع کر کے آپ کے خدمت میں پیش کرر ہے ہیں: سورۂ فاتحہ میں:

(۱)(الله) (۲)الرب (۳)الرحمان (۴)الرحیم(۵)المالک، اورسورۂ بقرہ میں(۶) المحیط (۷)القدیر (۸)العلیم(۹)الحکیم (۱۰)التواب(۱۱) البصیر (۱۲) الواسع(۱۳)البدیع(۱۴)السمیع (۱۵)الکافی (۱۶)الرؤوف(۱۷) الشاکر(۱۸)القَیُّوم (۱۹)العلیُّ (۲۰)العظیم (۲۱)الولِیُّ (۲۲)الغنِیُّ (۲۳)الحمید. (۲۴)القابض(۲۵)الباسط، اورسورۂ ال عمران میں (۲۶)القائم (۲۷)الوھاب (۲۸)؛سریع الحساب (۲۹)الخبیر، اورسورۂ نساء میں (۳۰)الرقیب(۳۱)الحسیب(۳۲) الشھید (۳۳) الغفور (۳۴)المعین (۳۵)الوکیل، اورسورۂ انعام میں (۳۶)الفاطر(۳۷)الظاھر(۳۸) القادر(۳۹)اللطیف (۴۰)شفیع، اورسورۂ اعراف میں(۴۱)المحیی (۴۲)الممیت (۴۳)خیر الحاکمین، اورسورۂ انفال میں(۴۴)نعم المولی (۴۵)نعم النصیر، اورسورۂ ہود میں (۴۶)الحفیظ (۴۷)أحکم الحاکمین(۴۸)القریب (۴۹)القوی (۵۰)المجیب (۵۱)الودود (۵۲)فعّال، اورسورۂ یوسف میں(۵۳)الواحد(۵۴)القھّار ،اورسورۂ الرعد میں(۵۵)الکبیر (۵۶)المتعال، اورسورۂ ابراہیم میں (۵۷)المنّانُ، اورسورۂ حجر میں(۵۸)الخَلّاق،اورسورۂ اسراء

میں (۵۹) الحلیم، اورسورۂ مریم میں (۶۰) الصادق (۶۱) الوارث، (۶۲) الحفی اورسورۂ طٰہٰ میں (۶۳) الملک، اورسورۂ حج میں (۶۴) الباعث، اورسورۂ المومنون میں (۶۵) الکریم (۶۶) أحسن الخالقین، اورسورۂ النور میں (۶۷) الحق (۶۸) المبین (۶۹) النور، اورسورۂ الفرقان میں (۷۰) الھادی، اورسورۂ سبا میں (۷۱) الفتّاح، اورسورۂ المومن میں (۷۲) غافر الذنب (۷۳) قابل التوب (۷۴) شدید العقاب (۷۵) ذو الطول، اورسورۂ الذاریات میں (۷۶) الرزّاق (۷۷) المتین، اورسورۂ طور میں (۷۸) البَرُّ، اورسورۂ القمر میں (۷۹) الملیک (۸۰) المقتدر، اورسورۂ الرحمٰن میں (۸۱) ذوالجلال (۸۲) ذو الاکرام، اورسورۂ الحدید میں (۸۳) الاول (۸۴) الآخر (۸۵) الباطن، اورسورۂ الذاریات میں (۸۶) ذوالقوۃ، اورسورۂ الحشر میں (۸۷) القُدُّوس (۸۸) السّلام (۸۹) المؤمن (۹۰) المھیمن (۹۱) العزیز (۹۲) الجَبّار (۹۳) المتکبِّر (۹۴) الخالق (۹۵) الباریٔ (۹۶) المُصَوِّر، اورسورۂ البروج میں (۹۷) المبدئ، اورسورۂ الاخلاص میں (۹۸) الاحد، (۹۹) الصمد .از کتاب السنة لإبن الخلال: ۶/۷۴.

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد

الحاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں پر ایمان لانے سے متعلق جو واجب اور ضروری امور ہیں ان میں سے کسی امر سے انحراف کرنا۔ اس الحاد کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا انکار کردیا جائے ۔ یا وہ نام جن صفات واحکام پر دلالت کررہے ہیں ان کا انکار کردیا جائے۔ گمراہ فرقہ جہمیہ اس الحاد کا مرتکب تھا۔ ضروری تو یہ تھا کہ ان ناموں پر وجوباً ایمان لایا جاتا، نیز یہ نام جن احکام اور صفات لائقہ پر مشتمل ہیں ان پر ایمان لایا جاتا، لیکن اس گمراہ فرقے نے انکار کرکے اس الحاد وانحراف کا ارتکاب کیا۔

(۲) الحاد کی دوسری شکل یہ ہے کہ ان ناموں کی مدلول صفات باری تعالیٰ کو مخلوقات کی صفات کے مشابہ قرار دیا جائے، حالانکہ یہ تشبہ باطل ہے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نصوص قرآن وحدیث اس تشبیہ پر دلالت کریں۔ بلکہ نصوص تو ہر قسم کی تشبیہ

کے باطل ہونے پر دال ہیں، تو جو یہ تشبیہ کا نظریہ اپنائے گا اس نے اسماء حسنیٰ میں الحاد و انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۳) الحاد کی تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام رکھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ذکر نہیں فرمایا، جیسا کہ نصاریٰ نے ذات باری تعالیٰ کو ''الاب'' یعنی باپ کا نام دیا فلاسفہ نے العلۃ الفاعلۃ کا نام دیا یہ سب الحاد ہے، اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، لہٰذا اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام تجویز کرنے والا الحاد و انحراف کا مرتکب قرار پائے گا۔ نیز ان گمراہ فرقوں نے اللہ تعالیٰ کے جو نام رکھے ہیں وہ سب کے سب فی نفسہ باطل ہیں، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان ناموں سے تنزیہ و پاکیزگی بیان کی جائے۔

(۴) الحاد کی چھوتی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام اشتقاق کرنا، اس الحاد کے مرتکب مشرکین مکہ تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ''العزیز'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''العزیٰ'' رکھدیا، اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''الالہ'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''اللاّت'' رکھدیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے: اللہ لاالـہ الاھـو لــہ الاسمـاء الحسنـی طه:۸ ۔یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوی کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں، نیز فرمایا: ﴿وللہ الاسماء الحسنی فادعوه بها﴾ الاعراف: ۱۸۰ ۔یعنی اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو، نیز فرمایا ﴿له الاسماء الحسنى يسبح له مافى السموٰت والارض﴾ یعنی اس کے لئے نہایت اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ اسمانوں میں ہو خواہ زمین میں، وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے، الحشر ۲۴۔

اب جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی عبادت والوھیت کے ساتھ مختص ہے، نیز یہ بھی اس کا خاصہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے تمام اسماء حسنیٰ اس کے ساتھ مختص ہیں۔ اور اس حقیقت پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے کسی غیر کو وہ نام دینا الحاد و انحراف ہی قرار پائے گا۔ واضح ہو کہ یہ الحاد اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملحدین کو اس انداز سے تہدید و تنبیہ فرمائی: ﴿وذروا الذين يلحدون فى اسمائه سيجزون ما كانوا يعملون﴾ ۔یعنی اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیئے کی ضرور سزا ملے گی (الاعراف: ۱۸۰)۔ بلکہ ادلہ شرعیہ کے بعض مقتضیات کے پیش نظر تو الحاد کی بعض صورتیں شرک یا کفر کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ
اور ہماری مخلوقات میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا رستہ بتاتے ہیں اور اُسی کیساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے
كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ
ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ اُن کو معلوم ہی نہ ہوگا۔ اور میں اُن کو مہلت دیئے جاتا ہوں
إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ
میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
ہے وہ تو ظاہر ظہور ڈر سنانے والے ہیں۔ کیا اُنہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں
وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسٰى أَنْ يَكُوْنَ
اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں اُن پر نظر نہیں کی اور اس بات پر (خیال نہیں کیا) کہ عجب نہیں اُن (کی موت)
قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
کا وقت نزدیک پہنچ گیا ہو تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی
يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
سرکشی میں پڑے بہکتے رہیں۔ (یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کے واقع ہونے کا وقت
عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کب ہے؟ کہہ دو کہ اُس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کردے گا، وہ آسمان اور زمین میں

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا

ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آ جائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اُس سے بخوبی واقف ہو

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

کہو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔[۸]

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ

کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا

الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ۔

---

[۸] یہ زجر ہے جب آپ قیامت سے ڈراتے ہیں تو ماننے کے بجائے الٹے ضد وعناد کی وجہ سے سوال کرنے لگتے ہیں کہ وہ قیامت آئے گی کب۔ نبی کریم ﷺ سے علم قیامت کی نفی سات طریقوں سے کی گئی۔

پہلا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اس کے جواب میں صاف کہہ دیں ﴿انما علمها عند ربی﴾ کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

دوسرا طریقہ: ﴿لا یجلیها لوقتها الا هو﴾۔ جب اس کا وقت آ پہنچے گا تو وہ خود ہی اس کو ظاہر فرمائیگا۔

تیسرا طریقہ: ﴿ثقلت فی السمٰوات﴾ زمین وآسمان میں قیامت کے علم کا معاملہ بہت اہم ہے۔ زمین وآسمان کی ساری مخلوق سے قیامت کا علم پوشیدہ ہے۔ اور ہر ایک کی تمنا ہے کہ اس کا علم اس پر منکشف ہو جائے۔ ای کل من اهلها من الملائکة و الثقلین اهمه شان الساعة ویتمنی ان یتجلّی له علمها، ویشق علیه خفائها (مدارک). و المراد کبرت وعظمت علی اهلها حیث لم یعلموا وقت وقوعها (روح المعانی).

چوتھا طریقہ: ﴿یسئلونک کانک حفی عنها﴾ مشرکین قیامت کے بارے میں آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کی تلاشی اور جستجو میں ہیں، اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں (ای عالم بها کثیر السوال

عنها)قرطبی.

پانچواں طریقہ: ﴿قل انما علمها عند الله﴾ دوبارہ تاکیداً حکم دیا کہ آپ اعلان کردیں کہ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے اللہ تعالی نے قیامت کا علم تمام مخلوق سے پوشیدہ کررکھا ہے، کیونکہ حکمت تشریعیہ کا اقتضا یہی ہے، اسی طرح انسان کی موت کے وقت کا علم مخفی ہے کیونکہ یہ چیز احکام الہی کی بجاآوری اور گناہوں سے اجتناب میں زیادہ معاون ومؤثر ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اس علم کو کسی نبی مرسل اور ملک مقرب پر بھی ظاہر نہیں فرمایا: وانما اخفی سبحانه امر الساعة، لاقتضاء الحکمة التشریعیة ذلک ،فانه ادعی الی الطاعة وازجر عن المعصیة ،کما ان اخفاء الاجل الخاص للانسان کذلک، وظاهر الآیات انه علیه السلام لم یعلم وقت قیامها،نعم علم علیه السلام قربها علی الاجمال(روح المعانی)۔

چھٹا طریقہ: قیامت کا علم تو درکنار وہ تو بہت بڑی بات ہے، میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں ہوں،الاماشاء اللہ، یہ استثناء منقطع ہے،یعنی جو کچھ اللہ چاہے،وہی ہوتا ہے۔اس میں انتہائی عجز کا اظہار ہے،اوراس سے نبی ﷺ کا علم قیامت سے عجز کامل طور پر ثابت ہوتا ہے،ولکن ماشاء الله من ذلک کائن ،فالاستثناء منقطع، وهذا ابلغ فی اظهار العجز(ابو السعود). و الکلام مسوق لاثبات عجزه عن العلم بالساعة علی اتم وجه (روح المعانی)۔

ساتواں طریقہ: یہ نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی پر ایک واضح دلیل ہے ،اگر میں غیب جانتا ہوتا تو دنیا کے تمام منافع حاصل کرلیتا،اورتمام مضار سے بچ جاتا،اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی،اہل بدعت کہتے ہیں کہ یہاں﴿کنت﴾ ماضی کا صیغہ ہےاور یہ پہلے کی بات ہے،بعد میں آپ کو کلی علم غیب حاصل ہوگیا تھا،اس کا جواب یہ ہے کہ جب کلمہ ''لو'' ماضی پر داخل ہوجائے،تو مفید استمرار ہوتا ہے،جیسا کہ شرح عقائداور حاشیہ خیالی میں مذکور ہے۔

''خیر'' سے دنیوی منافع اور''سوء'' سے دنیوی تکلفیں مراد ہیں،اوراس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ سے کئی دنیوی منافع فوت ہوگئے اورکئی دنیوی تکلیفیں آپ ﷺ کو پہنچیں،باقی رہی آخرت کی خیرتو وہ آپ ﷺ کوتمام وکمال حاصل تھی،اورآخرت کی مضار سے بھی محفوظ تھے، لہٰذا اب مبتدعین کا یہ اعتراض باطل ہوگیا،کہ تمہارے مطلب سے (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کا بھلائی سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا
وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ
تا کہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کیساتھ چلتی
فَلَمَّآ أَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا
پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے رب سے التجا کرتے ہیں
لَئِنْ آتَيْتَنَا صٰلِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صٰلِحًا
کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے۔ جب وہ اُن کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے)
جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾
میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کا رتبہ) اُس سے بلند ہے۔[9]

---

[9] یعنی یہ لوگ اولاد کے لئے غیر اللہ کی نذر ونیاز دیتے تھے، مفسرین کے نزدیک ''نفس واحدة'' سے آدم علیہ السلام مراد ہیں، ان آیتوں میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے بعض لوگ اس کو آدم وحواء علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ایک روایت سے تمسک کرتے ہیں (وہ روایت امام احمدؒ نے: ۱۱/۵، میں اور ترمذی: ۵۰۷۳، وغیرہ نے سمرہؓ سے نقل کیا ہے کہ: عن النبی ﷺ قال لما ولدت حواء طافت بها ابلیس وکان لا یعیش لها ولد فقال سمیه عبد الحارث فانه یعیش فسمته عبد الحارث فعاش وکان ذلک من وحی الشیطان وامره. یعنی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: کہ حواء کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا تو حواء کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا چنانچہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھا گیا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں تین علتیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابوحاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

(۲): دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً سمرہؓ کے اپنے قول سے مروی ہے جو مرفوع نہیں۔ابن جریر میں خود سمرہ بن جندبؓ کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔

(۳): تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسنؒ سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔

ابن جریر کہتے کہ یہ آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔

دوسری حدیث بھی اس بارے میں ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ :عن ابن عباسؓ قال کانت حواء تلد لآدم علیہ السلام اولادا فیعبّدھم للہ ویسمّیہ ''عبداللہ وعبیداللہ ''ونحو ذالک، فیصیبھم الموت فأتاھا ابلیسُ و آدمَ، فقال انکما لوتسمیانہ بغیر الذی تسمیانہ بہ لعاش ،قال فولدت لہ رجلا فسماہ عبدالحارث ففیہ انزل اللہ یقول اللہ (ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ الی قولہ 'جعلالہ شرکاء فیما آتھما)[ابن جریر وابن کثیر]. 'یعنی حوا کے جو اولاد ہوتی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کردیتی تھیں، اور ان کا نام عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔یہ بچے مرجاتے تھے۔چنانچہ آدم علیہ السلام وحوا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اپنی اولاد کا کچھ دوسرا نام رکھا کروگے تو وہ زندہ رہے گا۔اب حوا کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے:ھو الذی خلقکم الخ . ابن عباسؓ سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے، جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ قتادہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہم۔

اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے۔محققین نے اس روایت کو غیر معتبر

اوراسرائیلیات قرار دیا ہے۔

ابن حزم ''کتاب الفصل'': ۵/۴، میں لکھتا ہے کہ: واما قولہ عزوجل (یعنی یہ آیت)فھذا تکفیر لآدم علیہ السلام. ومن نسب لآدم علیہ السلام الشرک و الکفر، کفرًا مجرّدا بلاخلاف من احدمن الامة ونحن ننکرعلی من کفّرالمسلمین العصاة، العشارین، القتالین، و الشرط، الفاسقین، فکیف من کفّرالانبیاء علیھم السلام؟. وھذا الذی نسبوہ الی آدم علیہ السلام من انہ سمی ابنہ عبد الحارث، خرافة، موضوعة، مکذوبة، من تالیف من لادین لہ ولاحیاء، ولم یصح سندھاقط، وانمانزلت فی المشرکین علی ظاھرھا، الخ۔

صحیح بات یہ ہے کہ '' فلماتغشاھا'' سے روئے سخن بنی آدم کی طرف ہوگیا ہے، اور تثنیہ کے صیغوں سے اولاد آدم میں سے مشرک خاوند بیوی مراد ہیں کہ وہ پہلے تو اللہ تعالی سے دعائیں مانگتے ہیں، کہ ان کے گھر میں صحیح اور تندرست بیٹا پیدا ہو، اور وہ اس کا شکرادا کریں گے لیکن جب اللہ تعالی ان کو فرزند نرینہ عطا کردیتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ یہ بیٹا تو ان کو فلاں بزرگ کی برکت سے ملا ہے۔ پھر اسی بزرگ کی نذرونیاز دیتے ہیں، اور بعض اس کا نام بھی مشرکانہ ہی تجویز کرتے ہیں، مثلا: عبدود، عبدیغوث، عبدالعزیٰ پیراں دتہ، نبی بخش، علی بخش، حسین بخش وغیرہ۔ وقال قوم ان ھذاراجع الی جنس الادمیین، و التبیین عن حال المشرکین من ذریة آدم علیہ السلام وھو الذی یعول علیہ. فقولہ ﴿جعلالہ﴾ یعنی الذکرو الانثی الکافرَینِ الخ (قرطبی) لیکن جناب شیخ حسین علیؒ کے یہاں ''نفس واحدة'' سے مرد مراد ہے، اور ''منھا'' سے ''من جنسھا'' مراد ہے۔ یعنی تم کو اپنے اپنے باپ سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا۔

علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں ای من جنسھا کمافی قولہ سبحانہ وتعالی ﴿جعل لکم من انفسکم ازواجا﴾ (نحل: ۷۲). فمِنْ ابتدائیة (روح). اس طرح آیت میں حواء وآدم علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ شروع ہی سے مطلق خاوند بیوی کا ذکر ہے۔

أَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ
کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں
نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ
اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۔ اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمہارا کہا نہ مانیں۔
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوْهُمْ أَمْ اَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ ہو رہو ۔ (مشرکو!) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو
دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم اُن کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمہیں جواب بھی دیں ۔
﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ
بھلا اُن کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں
يُّبْصِرُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟ کہہ دو کہ اپنے شریکوں کو بلا لو
ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيِّـۦَ اللهُ الَّذِيْ
اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کرلو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو۔(پھر دیکھو کہ وہ میرا کیا کر سکتے ہیں) میرا مددگار تو اللہ ہی ہے
نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے ۔ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ
وہ نہ تمہاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۔اور اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ

إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو سن نہ سکیں اور تم اُنہیں دیکھتے ہو کہ (بہ ظاہر) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

(اے محمد ﷺ!) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول

مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پھر (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا

اور جب تم اُن کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی؟

قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا

کہہ دو کہ میں تو اُسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ یہ (قرآن)

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

تمہارے رب کی جانب سے دانش و بصیرت اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جائے

فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے رب کو

فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے، پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ
غافل نہ ہونا ۔بیشک جوکوئی تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾
اوراس کی پاک ذات کویادکرتے ہیں اوراسی کوسجدہ کرتے ہیں۔

سورة الانفال [مدنية]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اورنہایت رحم والا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
یہ لوگ تم سے مال غنیمت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ،کہہ دو کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو [ا]

[ا] یہ ایت غزوہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے متعلق ہے،آیت کی مفصل تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سامنے رکھا جائےتوتفسیر سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر جوکفرواسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا،اس میں جب مسلمانوں کوفتح ہوئی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا،تو صحابہ کرام کے درمیان اس کی تقسیم کے متعلق ایک ایسا واقعہ پیش آیا جواخلاص واتفاق کے اس مقام کے

شایان شان نہ تھا، جس پر صحابہ کرام کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی، اس لئے پہلی ہی آیت میں اس کا فیصلہ فرما دیا گیا، تا کہ اس مقدس گروہ کے قلوب میں صدق واخلاص اور اتفاق وایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔ اس واقعہ کی تفصیل غزوہ بدر کے شریک عبادہؓ کی زبانی مسند احمد: ۲۲۷/۷، ترمذی: رقم: ۱۶۰۶، ابن ماجہ: ۲۸۰۲، مستدرک: ۱۳۶/۲، وغیرہ میں اس طرح منقول ہے: کہ عبادہ بن صامتؓ سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: کہ یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا، جس نے ہمارے اخلاق پر بُرا اثر ڈالا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرما دیا۔ صورت یہ پیش آئی تھی کہ ہم سب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، تو اس وقت ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا، تا کہ وہ پھر واپس نہ آ سکے۔ کچھ لوگ کفار کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد اس لئے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن رسول پاک ﷺ پر حملہ نہ کر دے۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لئے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں۔ اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حق دار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا، اور تمہارے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کرو۔ اور جو لوگ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد جمع رہے انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن نبی کریم ﷺ کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا ہم اس میں مشغول رہے اس لئے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔ جب صحابہ کرام کی یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے اس کا کوئی مالک وحق دار نہیں بجز اس کے، جس کو رسول اللہ عطا فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشادات ربانی کے تحت اس مال کو سب شرکاء جہاد میں مساوی طور پر تقسیم فرما دیا، اور سب کے سب اللہ ورسول کے اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے خلاف شان جو صورت حال باہمی مسابقت کی پیش آ گئی تھی اس پر نادم ہوئے۔ لفظ "**انفال**"، نفل کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں فضل وانعام، نفلی نماز، روزہ، صدقہ، کو بھی نفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ذمہ لازم وواجب نہیں، کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں، اصطلاح قرآن وسنت میں لفظ نفل اور انفال

مال غنیمت کے لئے بھی کہا جاتا ہے، جو کفار سے بوقت جہاد حاصل ہوتا ہے، مگر قرآن کریم میں اس معنے کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں" انـفـال " اسی ایت میں، لفظ" فـی ء" سورت حشر میں بیان ہوئی ہے۔اور لفظ غنیمت اس صورت کی اکتالیسویں آیت میں ہے۔اور ان تینوں کے معانی تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف ہیں، فرق معمولی اور قلیل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک لفظ دوسرے کی جگہ مطلقا مال غنیمت کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، غنیمت عموماً اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ و جہاد کے ذریعہ مخالف فریق سے حاصل ہو، اور فئے اس مال کہتے ہیں جو بغیر جنگ وقتال کے کفار سے ملے، خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دیدینا قبول کریں۔اور نفل اور انفال کا لفظ اکثر اُس انعام کیلئے بولا جاتا ہے، جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگذاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطاء کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے (ابن کثیر)۔

اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل وانفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس ایت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لئے ہیں، صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ خاص اور عام دونوں معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔اس لئے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح وتحقیق وہ ہے جو امام ابوعبیدؒ نے اپنی کتاب ''الاموال'' میں ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل وانعام کو، اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالی کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد وقتال کے ذریعہ جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔

ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا، بلکہ مال غنیمت کے لئے قانون یہ تھا کہ وہ کسی کے لئے حلال نہیں تھے، تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا۔اور اسمان سے قدرتی طور پر ایک آگ اتی تھی اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی یہی اس جہاد کے مقبول عنداللہ ہونے کی علامت ہوتی تھی، اور اگر کوئی مال غنیمت جمع کیا گیا اور اسمانی آگ نے آکر اس کو نہ جلایا تو یہ علامت اس کی ہوتی تھی کہ یہ جہاد اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں اس لئے اس مال غنیمت کو بھی مردود اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور اسے کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ سے بروایت جابرؓ بخاری میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور ان کی امت کو نہیں ملیں۔انہیں پانچ میں سے ایک یہ ہے، **احلت لی الغنائم ولم تحل لاحـد قبـلـی**، یعنی میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے (بخاری: رقم: ۲۲۳۱) آیت مذکورہ میں انفال کا حکم یہ بتلایا گیا، کہ وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔معنی اس کے یہ ہیں کہ اصل ملکیت

تو اللہ تعالی کی ہے، اور متصرف ان میں اللہ تعالی کے رسول ہیں جو حکم الٰہی کے مطابق اپنی صوابدید پر ان کو تقسیم کرتے ہیں۔اس لئے ائمہ تفسیر کے ایک جماعت نے جن میں عبداللہ بن عباس ؓ مجاہد، عکرمہ وسدی وغیرہ داخل ہیں یہ فرمایا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب تک تقسیم غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورۃ کے پانچویں رکوع، آیۃ :۴۱، میں آرہا ہے کیونکہ اس میں پورے مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں، اور آگے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کر دیا جائے اور چار حصے شرکاء جہاد میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کر دیے جائیں، جن کی تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔اس تفصیلی بیان نے سورۃ انفال کی پہلی ایت کو منسوخ کر دیا، اور بعض علماء نے فرمایا: کہ یہاں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں، بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، سورۃ انفال کی پہلی ایت میں اجمال ہے، اور اکتالیسویں ایت میں اسی کی تفصیل ہے، البتہ مال فیٔ جس کے احکام سورۃ حشر میں بیان ہوا ہے، وہ پورا کا پورا رسول کریم ﷺ کے زیر تصرف ہے آپ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں عمل فرمائیں، اسی لئے اس جگہ احکام بیان فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے: ''**وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا**'' یعنی، جو کچھ تم کو ہمارا رسول دیدے اس کو لے لو، اور جس کو روک دے اس سے باز رہو۔اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے، اور مال فیٔ وہ جو بغیر قتال و جہاد کے ہاتھ آجائے، اور لفظ ''انفال'' دونوں کے لئے عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو امیر جہاد عطا کرے، اس سلسلہ میں غازیوں کو انعام دینے کے چار صورتیں نبی کریم ﷺ کے عہد سے رائج ہیں، ایک یہ کہ یہ اعلان فرمادیں کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا۔یہ سامان مال غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا۔اور دوسرے یہ کہ بڑی لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیجی جائے، اور یہ حکم دے دیا جائے کہ اس جانب سے جو مال غنیمت حاصل ہو وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئی ہے، صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ عام مسلمانوں کے ضروریات کے لئے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس میں سے کسی خاص غازی کو اس کی ممتاز کارگزاری کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔چوتھے یہ کہ پورے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر کے خدمت پیشہ لوگوں کو بطور انعام دیا جائے، جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں، اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہیں [ابن کثیر]۔

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ
مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾
بھروسا رکھتے ہیں[۲] وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں،

---

[۲] ابن کثیر اس ایت کے تحت لکھتا ہے کہ یہ آیت سورۂ توبہ کی ایت: '۹' جیسی ہے، پھر لکھتے ہیں سو! بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مومن ہے اور جنت کی خوشخبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوسکتی ہے، جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ بہت سارے ائمہ کا اسی پر اجماع ہے، جیسے امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور ابوعبیدؒ، مزید تفصیل ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے۔

ابن ابی العزؒ شرح عقیدہ الطحاویۃ: ۱/۳۴۲ (باب الایمان هو الاقرار) میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: کتاب وسنت اور اثار سے اس پر کثرت کے ساتھ دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے: ''﴿واذاتليت عليهم اياته زادتهم ايمانا﴾'' [الانفال]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ''ويزيدالله الذين اهتدوا هدى'' [مریم: ۷۶]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ويزداد الذين امنوا ايمانا﴾ [المدثر: ۳۱]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿هو الذى انزل السكينة فى قلوب المومنين ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم﴾ (الفتح: ۴)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل﴾ (العمران: ۱۷۳)۔

مذکورہ اور اس سے قبل والی ایت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے، کہ ایمان کی زیادتی مومن بہ کی

زیادتی کی وجہ سے ہے، کیا لوگوں کے کہنے میں کہ لوگ تمہارے مقابلہ کے لئے اکھٹے ہو گئے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ؟۔ مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ اور کیا ایمان داروں کے دلوں پر سکون کے اتارنے میں مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ جب حق تعالی نے ایمان داروں کے دلوں پر اس وقت سکون نازل فرمایا جب وہ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تا کہ ان کے یقین واطمینان میں اضافہ ہو، اس کی تاکید اللہ تعالی کے اس قول سے ہو رہی ہے، ارشاد الٰہی ہے: "**ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان**" (العمران: ۱۶۷)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿**واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا، فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون، واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم وماتوا وھم کافرون**﴾ (التوبہ: ۱۲۴، ۱۲۵)۔

اس ایت کی تفسیر میں فقیہ ابو اللیث ثمر قندیؒ نے تفسیر بحر العلوم میں ابو ہریرہؓ سے سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے، کہ بنو ثقیف قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا، اور فرمایا: ایمان دل میں مکمل ہے اس میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے، اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن کثیر سے دریافت کیا گیا؟ آپ نے فرمایا: اس کی سند میں ابو اللیث سے ابو مطیع راوی تک مجہول روات ہیں، مشہور تاریخ کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، نیز ابو مطیع حکم بن عبداللہ بن مسلم بلخی کو احمد بن حنبل، یحی بن معین، عمرو بن علی فلاس، بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابو حاتم رازی، ابو حاتم محمد بن حبان البستی، عقیل بن عدی، دارقطنی وغیرہ نے کمزور کہا ہے، نیز ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والا ابو المہزم تصحیف کرنے والا ہے، اس کا نام یزید بن سفیان ہے، اس کو اکثر ائمہ نے کمزور کہا، شعبہ بن حجاج نے متروک قرار دیا، نیز اس کو وضاع قرار دیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دیتے ہیں تو وہ لوگوں کے لئے جھوٹ موٹ بنا کر حدیثیں بیان کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں عورتوں کو ناقصات العقل والدین کہا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاوں، [متفق علیہ: خ: ۱۵، وم: ۴۴] اس میں کمال کی نفی ہے، مطلق ایمان کی نفی نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں، نیز ایمان کی شاخوں والی حدیث، شفاعت کی حدیث، اور یہ وضاحت کہ دوزخ سے وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے دل میں ادنیٰ ذرّہ کے برابر ایمان ہوگا۔ کمال کی نفی کرتی ہے، اس وضاحت کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تمام اسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان برابر ہے؟ اور ان میں تفاضل ایمان کے

علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے، صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ابوالدرداءؓ کا قول ہے، وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے ایمان کا خیال رکھتا ہے، کہ کہیں اس میں کمی نہ آ جائے۔

عمرؓ اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے، آئے! ہم ایمان میں اضافہ کریں، چنانچہ وہ ذکر اذکار میں محو ہو جاتے۔ نیز عبداللہ بن مسعودؓ دعا کرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! ایمان، یقین اور فقاہت میں اضافہ فرما۔ نیز معاذ بن جبلؓ نے ایک آدمی سے فرمایا: ہمارے ساتھ ایک مجلس کرو، ہم ایمان کی باتیں کریں، اسی مضمون کا قول عبداللہ بن رواحہؓ سے بھی منقول ہے، عمار بن یاسر سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے، انہوں نے بیان کیا جس شخص میں تین چیزیں ہیں، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا، اپنے آپ سے انصاف دلایا، تنگی کے وقت خرچ کیا، اور السلام علیکم کو عام کیا (بخاری) اتنا بیان کافی ہے، وباللہ التوفیق۔

لیکن یہ کہنا کہ اعمال کا ایمان پر عطف مغایرت کا متقاضی ہے، لہٰذا اعمال ایمان کے مسمی میں داخل نہیں ہیں۔ ذرا تفصیل طلب ہے، خیال کیجئے، کہیں تو صرف ایمان کا لفظ مستعمل ہوا ہے، اور کہیں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے، اور کہیں اسلام کا ذکر ہے، مطلق ایمان تو اعمال کو مستلزم ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (الانفال)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ (المائدۃ: ۸۱)۔

ارشاد نبوی ہے: زانی زنا کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا، نیز فرمایا تم ایمان دار نہیں جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو، نیز فرمایا جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، نیز فرمایا: جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس شخص کا قول راہ حق سے بعید ہے، جو کہتا ہے کہ، ہم میں سے نہیں ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے، کاش مجھے کوئی شخص بتائے کہ جو دھوکہ باز ہے وہ کیسے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جیسا ہے۔

جب ایمان پر عمل صالح کا عطف ہے تو اس وقت عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے لیکن ان دونوں پر جو حکم لگایا جا رہا ہے اس میں دونوں مشترک ہیں۔

خیال رہے کہ مغایرت کے کچھ مراتب ہیں، اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متباین ہوں، انمیں سے کوئی بھی نہ دوسرے کا عین ہو، نہ جز ہو، اور نہ ہی ان میں تلازم ہو، جیسے ارشاد الٰہی ہے: ﴿خلق السمٰوات والارض

وجعل الظلمات والنور﴾ (انعام:۱) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

نیز فرمایا: وانزل التورات والانجیل (آل عمران:۳) اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے، اس کا استعمال کثرت سے ہے اس کے قریب یہ صورت ہے کہ ان میں تلازم ہو، جیسے ارشاد الٰہی ہے: ﴿ولاتلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون﴾ (بقرہ ۴۲)۔

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، نیز فرمایا: ﴿واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ (المائدہ:۹۲) اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اس کے بعد یہ صورت ہے کہ بعض کا کل پر عطف ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے: ﴿حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ (البقرۃ:۲۳۸)۔ نیز فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۹۸)۔

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿واذاخذنامن النبیین میثاقھم ومنک﴾ (الاحزاب ۷) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے۔ اس جیسی صورت میں دو توجیہیں ہیں، ایک یہ کہ معطوف اول میں داخل ہے، تو اس کا دو دفعہ ذکر ہو گیا، دوسری یہ کہ وہ اس جگہ اول میں داخل نہیں اگرچہ انفراداً داخل ہے، اس کی مثال میں فقراء اور مساکین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان ان دونوں کا مفہوم انفراداً ایک ہے اور افتراقاً مختلف ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں صفات کے لحاظ سے اختلاف ہے ارشاد الٰہی ہے: ﴿غافر الذنب وقابل التوب﴾ (غافر:۳) گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اشعار میں عطف کی یہ صورت بھی ہے کہ الفاظ مختلف ہیں معنی ایک ہے شاعر کہتا ہے: فالفی قولھا کذبا ومینا: یعنی اس نے اس کے قول کو جھوٹا پایا۔

اس شعر میں ''کذب'' اور ''مین'' ہم معنی ہیں، قران پاک میں بھی یہ استعمال موجود ہے ارشاد الٰہی ہے: ﴿لکل جعلنامنکم شرعة ومنھاجا﴾ (المائدۃ:۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور دین بنایا جب کلام میں عطف کی یہ سب صورتیں مستعمل ہیں، تو ہم شارع کا کلام دیکھیں گے کہ اس میں لفظ ایمان کس طرح استعمال ہوا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مطلقا استعمال ہو تو اس سے مراد وہی معنی لیا جاتا ہے جو لفظ میں تقوی، دین سے لیا جاتا ہے، چنانچہ اسباب النزول کے ضمن میں مذکور ہے، کہ جب لوگوں نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی ارشاد الٰہی ہے: ﴿لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب﴾ (البقرۃ:۱۷۷) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرو۔=

أُولَـٰئِکَ هُـمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَّهُـمْ دَرَجٰـتٌ عِـنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
یہی سچے مومن ہیں اور ان کیلئے اللہ کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے
کَـرِيْـمٌ ﴿۴﴾ کَـمَـآ أَخْـرَجَکَ رَبُّکَ مِـنْ بَيْتِکَ بِـالْـحَـقِّ ۠
جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تدبیر کیساتھ اپنے گھر سے نکالا
وَإِنَّ فَـرِيْـقًـا مِّـنَ الْـمُـؤْمِـنِيْـنَ لَـکٰـرِهُـوْنَ ﴿۵﴾
اور (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی
يُـجَادِلُوْنَکَ فِـي الْـحَـقِّ بَعْـدَ مَـا تَبَيَّـنَ کَـأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ
وہ لوگ حق بات کے بارے میں اُس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا تم سے جھگڑنے لگے گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں
وَهُـمْ يَـنْـظُـرُوْنَ ﴿۶﴾ وَإِذْ يَـعِـدُکُـمُ اللّٰهُ إِحْـدَى الـطَّـآئِـفَتَيْـنِ
اور اسے دیکھ رہے ہیں ۔[۳] اور جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا (ابو سفیان اور ابو جہل کے)

= محمد بن نصر سند کے ساتھ قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص ابوذرؓ کے پاس آیا، اس نے اس سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اس شخص نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا، اس نے جواب دیتے ہوئے کہا، کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ سے وہی سوال کیا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے، آپ ﷺ نے اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی، جو میں نے آپ پر تلاوت کی ہے، اس نے بھی آپ ﷺ کو وہی بات کہی جو آپ نے مجھ سے کہی ہے، تو جب وہ مطمئن نہ ہوا تو آپ نے فرمایا: مؤمن وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے، تو اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہے، اور جب برائی کرتا ہے تو اس کو غم لاحق ہوتا ہے اور عذاب سے خائف رہتا ہے۔ اسلاف نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔

[۳] شروع سورت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سورۂ انفال کے بیشتر مضامین کفار و مشرکین پر عذاب و انتقام اور مسلمانوں پر احسان و انعام کے متعلق ہیں، اور اس کے ضمن میں دونوں فریق کے لئے عبرت و نصیحت کے احکام بیان

ہوئے ہیں۔ اوران معاملات میں سب سے پہلا اورسب سے اہم واقعہ غزوہ بدر کا تھا،جس میں بڑے ساز وسامان اور تعداد وقوت کے باوجود مشرکین کو جانی اور مالی نقصانات کیساتھ شکست اور مسلمانوں کو باوجود ہر طرح کی قلت، اور بے سامانی کی فتح عظیم نصیب ہوئی۔اس سورت میں واقعہ بدر کا تفصیلی بیان ہے، جو آیات مذکورہ سے شروع ہورہا ہے۔

پہلی ایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لئے اقدام ناپسند تھا۔مگر اللہ تعالی نے اپنے خاص فرمان کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہوگئے۔اس بات کے بیان کرنے کے لئے قران کریم نے جو الفاظ اختیار فرمائے ہیں، وہ کئی طرح سے قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ ایت کا شروع ’’کما اخرجک ربک‘‘ سے ہوتا ہے،اس میں لفظ ’’کما‘‘ ایک ایسا لفظ ہے جو تشبیہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے،تو غور طلب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ کس چیز کی کس چیز سے ہے۔مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں: ابوحیان نے اس طرح کے پندرہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں زیادہ اقرب تین احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہوگیا تھا، پھر حکم الہی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اوراس کی برکات اوراچھے نتائج کا ظہور سامنے آگیا،اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا، پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے اطاعت کی اوراس کے مفید نتائج اوراعلی ثمرات کا مشاہدہ ہوگیا۔ یہ توجیہ فراء اور مبرد کی طرف منسوب ہے(بحر محیط)۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اور مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگر چہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں ،مگر اللہ تعالی کا جو وعدہ نصرت وفتح ،غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آچکا ہے اس سے عبرت پکڑ واور یقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔(قرطبی)۔

تیسرا احتمال وہ ہے جس کو ابوحیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پر اطمینان نہیں تھا ایک روز میں اسی ایت پر غور وفکر کرتے ہوئے سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جارہا ہوں، اورایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی ایت کے متعلق اس سے بحث کررہا ہوں، اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی ،جیسی اس آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے

پھر ایکا یک خواب ہی میں میرے دل میں پڑا، کہ یہاں لفظ ”نصرک“ محذوف ہے، اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے بحث کرر ہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کی بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہو گیا۔ کیونکہ اس سورت میں لفظ ”کما“، تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی ایت کے یہ ہو گئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت وامداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم الٰہی کے تابع کیا۔

اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے، اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے، اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالی کی امداد ونصرت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے بہر حال ایت کے اس جملہ میں یہ تینوں معنی محتمل اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد اس پر نظر ڈالئے کہ قران کریم نے اس جہاد کے لئے نبی کریم ﷺ کا خود نکلنا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالی نے آپ کو نکالا، اس میں اشارہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی کمال عبدیت واطاعت کی طرف کہ آپ کا فعل درحقیت حق تعالی کا فعل ہوتا ہے جو آپ کے اعضاء وجوارح سے صادر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت وعبدیت کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرّب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جس کو پکڑتا ہے میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالی کی خاص نصرت وامداد ان کے ساتھ ہو جاتی ہے جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ یا ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے درحقیت اس میں قدرت حق تعالی شانہ کی کارفرما ہوتی ہے: (بخاری: رقم: ۶۵۰۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”اخرجک“ میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ نبی کریم ﷺ کا جہاد کے لئے نکلنا درحقیقت حق تعالی کا نکالنا تھا جو آپ ﷺ کے ذات سے ظاہر ہوا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ” اخرجک ربک“، فرمایا، جس میں اللہ تعالی جل شانہ کا ذکر صفت رب کے ساتھ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس جہاد کے لئے آپ کو نکالنا شان ربوبیت سے اور تربیت کے تقاضا سے تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم ومقہور مسلمانوں کے لئے فتحیاب اور مغرور وظالم کے لئے پہلے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

”من بیتک“، کے معنی ہیں آپ کے گھر سے، مطلب یہ ہوا کہ نکالا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے آپ

ﷺ کے گھر سے ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر یا یا خود مدینہ طیبہ ہے جس میں ہجرت کے بعد آپ مقیم ہوئے ، کیونکہ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آیا ہے اس کے ساتھ لفظ'' بالحق'' کا اضافہ کرکے بتلا دیا کہ یہ ساری کاروائی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے عمل میں آئی ہے۔ دوسری حکومتوں کی طرح ملک گیری کی ہوس یا بادشاہوں کا غصہ اس کا سبب نہیں۔ آخر آیت میں فرمایا: ''وان فریقا من المومنین لکارھون ''یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو گراں سمجھتی ، اور ناپسند کرتی تھی ۔ صحابہ کرام کو یہ گرانی کس طرح اور کیوں پیش آئی اس کے سمجھنے کے لئے نیز آئندہ آنے والی دوسری آیات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے غزوہ بدر کے ابتدائی حالات اور اسباب کا پہلے معلوم کر لینا مناسب ہے، اس لئے پہلے غزوہ بدر کا پورا واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن عقبہ اور ابن عامر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مال تجارت لے کر مکہ معظّمہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک ہیں۔

ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو، اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سونا بھی تھا تو اس نے اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ اس قافلہ کے پورے سرمایہ کے متعلق ابن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ پچاس ہزار دینار تھے۔ دینار سونے کا سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔

اس تجارتی قافلہ کی حفاظت اور کاروبار کے لئے قریش کے ستر جوان اور سردار ساتھ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجارتی قافلہ درحقیقت قریش مکہ کی ایک تجارتی کمپنی تھی۔ بغویؒ نے بروایت ابن عباسؓ وغیرہ نقل کیا ہے کہ اس قافلہ میں قریش کے چالیس سوار قریش کے سرداروں میں سے تھے، جن میں عمرو بن العاصؓ مخرمہ بن نوفل، خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کی سب سے بڑی طاقت ان کی یہی تجارت اور تجارتی سرمایہ تھا جس کے بل پر انہوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کرکے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت جب رسول کریم ﷺ کو سفر شام سے اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ کی رائے میں اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کرکے قریش کی طاقت توڑ دینے کا موقع ہے۔

صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو زمانہ رمضان کا تھا پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی۔ بعض نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا، مگر بعض نے کچھ پس وپیش کی۔ آپ نے بھی سب پر اس جہاد کی شرکت کو لازم نہ قرار دیا۔ بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں ۔ اس وقت بہت سے آدمی جہاد میں جانے سے رہ گئے،

اور جولوگ جانا چاہتے تھے اوران کی سواریاں دیہات میں تھیں انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم اپنی سواریاں لے آویں تو ساتھ چلیں گے۔مگر وقت اتنے انتظار کا نہ تھا۔اس لئے حکم یہ ہوا کہ جن لوگوں کے سواریاں پاس موجود ہیں اور جہاد میں جانا چاہیں صرف وہی لوگ چلیں۔ باہر سے سواریاں منگانے کا وقت نہیں۔اس لئے ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہوسکے۔اور جن صحابہ نے جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا اس کا سبب بھی یہی تھا، کہ آپ نے سب کے ذمہ اس جہاد کی شرکت کو واجب نہ قرار دیا تھا،اوران لوگوں کو یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ تجارتی قافلہ ہے، کوئی جنگی لشکر نہیں جس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو زیادہ لشکر اور مجاہدین کی ضرورت پڑے۔اس لئے صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد اس جہاد میں شریک نہ ہوئی۔

نبی کریم ﷺ نے جب ''بیر سقیا'' پر پہنچ کر قیس بن صعصعہؓ کو حکم دیا کہ لشکر کو شمار کریں تو انہوں نے شمار کر کے اطلاع دیں کہ تین سو تیرہ افراد ہیں، نبی کریم ﷺ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تعداد اصحاب طالوت کی ہے،اس لئے فال نیک، فتح اور کامیابی ہے،صحابہ کرام کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے۔ ہر تین آدمی کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔خود رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی دو مجاہد ایک اونٹ کے شریک تھے، ابولبابہؓ اور علیؓ، جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ دونوں عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں، ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔رحمۃ للعالمین کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تو تم مجھ سے زیادہ قوی ہو،اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں، کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں۔اس لئے اپنی باری میں رسول کریم ﷺ بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

دوسری طرف کسی شخص نے ملک شام کے مشہور مقام ''عین زرقا'' پر پہنچ کر رئیس قافلہ ابوسفیان کو اس کی خبر پہنچا دی کہ نبی کریم ﷺ ان کے قافلہ کے انتظار میں ہیں، اوران کا تعاقب کریں گے۔ ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ جب یہ قافلہ حدود حجاز میں داخل ہوا تو ایک ہوشیار مستعد آدمی ''ضمضم بن عمرؔ'' کو بیس مثقال سونا اجرت دیکر اس پر راضی کیا کہ وہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہوکر جلد سے جلد مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچا دے کہ ان کے قافلہ کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے۔''ضمضم بن عمرؔ'' نے اس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے،اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے۔اور کجاوہ کو الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا۔ یہ علامات اس زمانہ میں خطرہ کی گھنٹی سمجھی جاتی تھی۔ جب وہ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا تو پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی، اور تمام قریش مدافعت کے لئے تیار ہوگئے جولوگ اس جنگ کے لئے نکل سکتے تھے خود نکلے اور جو کسی وجہ سے معذور تھے

انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جنگ کے لئے تیار کیا، اور صرف تین روز میں یہ لشکر پورے ساز وسامان کے ساتھ تیار ہو گیا۔

ان میں جو لوگ اس جنگ میں شرکت سے ہچکچاتے اس کو یہ لوگ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور مسلمانوں کا ہم خیال سمجھتے، اس لئے ایسے لوگوں کو خصوصیت سے جنگ کے واسطے نکلنے پر مجبور کیا۔ جو لوگ علانیہ طور پر مسلمان تھے اور ابھی تک بوجہ اپنی اعذار کے ہجرت نہیں کر سکے تھے، بلکہ مکہ میں بس رہے تھے ان کو اور بنو ہاشم کے خاندان میں جس پر بھی یہ گمان تھا کہ یہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے، ان کو بھی اس جنگ کے لئے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہیں مجبور لوگوں میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباسؓ اور ابو طالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل بھی تھے۔

اس طرح اس لشکر میں ایک ہزار جوان دوسو گھوڑے اور چھ سو زرہیں، اور ترانے گانے والی لونڈیاں اور ان کے طبلے وغیرہ لے کر بدر کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہر منزل پر دس اونٹ ان لوگوں کے کھانے کے لئے ذبح ہوتے تھے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ صرف ایک تجارتی قافلہ کے انداز سے مقابلہ کی تیاری کر کے بارہ رمضان کو شنبہ کے دن مدینہ طیبہ سے نکلے اور کئی منزل طے کرنے کے بعد بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے دو شخصوں کو آگے بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں۔ (مظہری)۔

مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ ابوسفیان کا قافلہ نبی کریم ﷺ کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل دریا کے کنارے کنارے گزر گیا اور اس کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر جنگ کے لئے آ رہا ہے۔ (ابن کثیر)۔ ظاہر ہے کہ اس خبر نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ اس وقت رسول پاک ﷺ نے اپنے رفیق صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ اس آنے والے لشکر سے جنگ کرنا ہے یا نہیں۔ ابو ایوب انصاری اور بعض دوسرے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، اور نہ ہم اس قصد سے آئے ہیں۔ اس پر صدیق اکبر کھڑے ہوئے اور تعمیل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا پھر فاروق اعظمؓ کھڑے ہوئے اور اسی طرح تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا پھر مقدادؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو کچھ آپ کو اللہ کا حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ واللہ، ہم آپ ﷺ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا: ''اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون ''یعنی جائیے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ملک حبشہ کے مقام ''برک الغماد'' تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ

کے ساتھ جنگ کے لئے چلیں گے۔(سنن الکبری للبیہقی:۱۰/۱۰۹)۔نبی کریمﷺ خوش ہوئے اوران کودعائیں دیں، مگرابھی تک انصار کی طرف سے موافقت کی کوئی آوازنہ اٹھی تھی، اور یہ احتمال تھا کہ انصار نے جومعاہدہ نصرت وامداد کا نبی کریمﷺ کے ساتھ کیا تھاوہ اندرون مدینہ کا تھا۔مدینہ کے باہرامداد کرنے کے وہ پابندنہیں تھے،اس لئے آپ نے پھرمجمع کوخطاب کرکے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دوکہ اس جہاد پراقدام کریں یانہیں؟اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھاسعد بن معاذ انصاریؓ سمجھ گئے اورعرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایاہاں،سعد بن معاذؓ نےعرض کیایارسول اللہ ہم آپ پرایمان لائے،اوراس کی شہادت دی کہ جوکچھ آپ فرماتے ہیں سب حق ہے،اورہم آپ سےعہدو پیمان کئے ہیں ہرحال میں آپ کی اطاعت کریں گے۔اس لئے آپ کوجوکچھ اللہ تعالی کاحکم ملاہو،اس کوجاری فرمایئے۔قسم ہےاس ذات کی جس نے آپ کودین حق کے ساتھ بھیجاہےاگرآپ ہم کوسمندر میں لے جائیں توہم آپ کے ساتھ دریامیں گھس جائیں گے۔ہم میں سےایک آدمی بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ہمیں اس میں کوئی گرانی نہیں کہ آپ کل ہی ہمیں دشمن سے بھڑادیں۔ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کوہمارے کام سےایسے حالات کامشاہدہ کرائے گاجس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ہمیں اللہ کے نام پرجہاں چاہیں لے چلئے۔رسول اللہﷺ یہ سن کر بہت مسرورہوئے اورقافلہ کوحکم دیدیا کہ اللہ کے نام پرچلو۔اور یہ خوش خبری سنائی کہ مجھ سے اللہ تعالی نے یہ وعدہ فرمایاہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پرہماراغلبہ ہوگا۔دونوں جماعتوں سے مرادایک ابوسفیان کاتجارتی قافلہ اوردوسرایہ مکہ سے آنے والالشکرہے۔پھرفرمایا کہ اللہ کی قسم میں گویااپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ کودیکھ رہاہوں۔یہ پوراوقعہ تفسیرابن کثیراورمظہری سے لیاگیاہے۔واقعہ کےتفصیل سننے کے بعدان ایات مذکور الصدرکودیکھئے ،پہلی آیت میں جویہ ارشادفرمایا:''**وان فریقامن الومنین لکارھون**''یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہادکوبھاری سمجھ رہی تھی،اس سے اشارہ اس حال کی طرف ہے جوصحابہ کرام سے مشورہ لینے کے وقت بعض صحابہ کرام کی طرف سے ظاہرہوا کہ انہوں نے جہاد سے پست ہمتی کااظہارکیا۔اوراسی واقعہ کابیان دوسری آیت میں ہے:''**یجادلونک فی الحق بعدماتبین کانمایساقون الی الموت وھم ینظرون** ''یعنی یہ لوگ آپ سےحق کےمعاملہ میں مجادلہ اوراختلاف کرتے ہیں گویاان کوموت کی طرف کھینچاجارہاہے،جس کووہ اپنی انکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔صحابہ کرام نے اگرچہ کوئی عدول حکمی نہ کی تھی بلکہ مشورہ کے جواب میں اپنے ضعف اورپست ہمتی کااظہارکیاتھا۔مگررسول ﷺ کے ساتھیوں سےایسی رائے کااظہاربھی ان کے مقام بلند کےاعتبار سےاللہ تعالی کےنزدیک ناپسندتھااس لئے ناراضگی کےالفاظ سےاس کوبیان فرمایا۔

أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ
دوگروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا ہوجائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بغیر ہتھیار)
لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۷
ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے[4]

---

[4] پہلی اور دوسری ایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریشیوں کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے، تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں، ایک تجارتی قافلہ جس کو روایات میں "عیــــر" سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری یہ مسلح فوج جو مکہ سے چلی تھی، جس کو "نفیر" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اس آیت میں یہ بتلایا کہ اس وقت اللہ تعالی نے اپنے رسول اللہ ﷺ اور بواسطہ آپ کے سب مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر تمہارا مکمل قبضہ ہو جائے گا۔ کہ اس کے متعلق جو تم چاہو گے کر سکو گے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ آسان اور بے خطر تھا اور مسلح فوج پر مشکل اور خطرات سے پر، اس لئے اس مبہم وعدہ کو سن کر بہت سے صحابہ کرام کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ وہ جماعت جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کا وعدہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے، لیکن نبی کریم اور بہت سے اکابر صحابہ کا باشارات ربانی یہ ارادہ ہوا کہ مسلح فوج پر قبضہ ہو تو بہتر ہوگا۔

اس ایت میں غیر مسلح جماعت پر قبضہ چاہنے والے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں تو اپنی سہولت پسندی اور خطرات سے یکسوئی کے پیش نظر یہی پسند تھا کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالی کا ارادہ یہ تھا کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق کا حق ہونا واضح ہو جائے، اور کافروں کی جڑ کٹ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہو اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔

خلاصہ اس کا مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ تم نے جو صورت پسند کی وہ نہایت پست ہمتی اور آرام طلبی اور وقتی اور ہنگامی فائدہ کی چیز تھی، اور اللہ تعالی نے جو ارادہ فرمایا وہ عالی ہمتی اور بلند مقاصد اور مکمل اور دائمی فوائد پر مشتمل

تھا۔ پھر دوسری آیت میں اس کو مزید واضح فرمادیا، کہ اللہ تعالی کے قبضہ قدرت سے تو کوئی چیز باہر نہ تھی، اگر وہ چاہتے تو تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوجاتا۔

مگر اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی شایان شان اس کو سمجھا کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہوکر اس پر قبضہ ہو، تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہوجائے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حق تعالی تو علیم خبیر اور ہر کام کے اغاز وانجام سے باخبر ہیں، ان کی طرف سے اس مبہم وعدہ میں کیا مصلحت تھی کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوگا۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو متعین کر کے بھی فرما سکتے تھے کہ فلاں جماعت پر قبضہ ہوجائے گا۔ اس ابہام کی وجہ ''واللہ اعلم'' یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اس میں صحابہ کرام کا امتحان کرنا تھا، کہ آسان کام کو پسند کرتے ہیں یا مشکل کو۔ اوران کی اخلاقی تربیت بھی تھی جس کے ذریعہ ان کو عالی ہمتی اور اعلی مقاصد کی جدوجہد اور خطرات سے نہ گھبرانا سکھایا گیا۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں اس واقعہ کا بیان ہے جو مسلح فوج سے مقابلہ ٹھن جانے کے بعد پیش آیا کہ رسول کریم ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ اپ کے رفقاء صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں، اور مقابلہ تقریبًا ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ تعالی جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت وامداد کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: یااللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے، اس کو جلد پورا فرمادے۔ یااللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت مسلمین فنا ہوگئی تو پھر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ ساری زمین کفروشرک سے بھری ہوئی ہے یہی چند مسلمان ہیں جو صحیح عبادت بجالاتے ہیں۔ (ترمذی: رقم:۳۰۸۱، ومسند احمد: ۲۰۸)۔

نبی کریم ﷺ برابر اسی طرح الحاح وزاری کے ساتھ دعا میں مشغول رہے، یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر بھی سرک گئی، ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر چادر اڑھائی اور عرض کیا، یارسول اللہ! آپ زیادہ فکر نہ کریں اللہ تعالی آپ کی دُعاء ضرور قبول فرمائیں گے، اور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ ایت میں'' اذتستغیثون ربکم '' کے الفاظ سے یہی واقعہ مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب تم اپنے رب سے استغاثہ کررہے تھے، اور مدد طلب کررہے تھے، یہ استغاثہ اگرچہ دراصل رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا مگر تمام صحابہ اس پر راضی تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف منسوب کیا گیا۔

اس کے بعد اس دعاء کی قبولیت کا بیان اس طرح فرمایا: ''فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین ''یعنی اللہ تعالی نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آنے والے ہوں گے۔فرشتوں کو اللہ تعالی نے جو بینظر قوت وطاقت عطا فرمائی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو قوم لوط علیہ السلام کی زمین کا تختہ الٹنے کے وقت پیش آیا، کہ جبرئیل امین نے ایک پر کے ذریعہ یہ تختہ الٹ دیا۔

ایسی بے مثال طاقت والے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد مقابلہ میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی ایک بھی کافی تھا۔مگر اللہ تعالی اپنے بندوں کی فطرت سے واقف ہیں کہ وہ تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں ،اس لئے مقابل فریق کی تعداد کے مطابق فرشتوں کے تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے قلوب پوری طرح مطمئن ہوجائیں۔

چوتھی آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد فرمایا: ''وماجعله الله الابشری ولتطمئن به قلوبکم ''یعنی اللہ تعالی نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہیں بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوجائیں۔غزوہ بدر میں جو اللہ تعالی کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ ایک ہزار مذکور ہے،اور سورۂ ال عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے.

اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں، جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں۔پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا جس کا سبب رسول کریم ﷺ کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی، دوسرا وعدہ جو تین ہزار فرشتوں کا سورۂ آل عمران میں پہلے مذکور ہے وہ اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کی قریشی لشکر کے لئے اور کمک آرہی ہے۔روح المعانی میں ابن ابی شیبہ اور ابن المنذ روغیرہ سے بروایت شعبی منقول ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کے امداد کے لئے کمک لے کر آرہا ہے، اس خبر سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔اس پر آلعمران کی ایت :''الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثة الاف من الملائکة منزلین ''نازل ہوئی،جس میں تین ہزار فرشتے امداد کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا وعدہ ذکر کیا گیا۔

اور تیسرا وعدہ پانچ ہزار کا اس شرط کی ساتھ مشروط تھا کہ اگر فریق مخالف نے یکبارگی حملہ کردیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی جائے گی، وہ آل عمران کی ایت مذکورہ کے بعد کی آیت میں اس طرح مذکور ہے: ''بلیٰ ان تصبروا وتتقوا

ویاتوکم من فورھم ھذایمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین ''یعنی اگرتم ثابت قدم رہے اورتقوی پر قائم رہے اورمقابل لشکر یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑا تو تمہارا رب تمھاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا، جوخاص نشان یعنی خاص وردی میں ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تھیں، ایک ثابت قدمی، دوسرے تقوی، تیسرے مخالف فریق کے یکبارگی حملہ، پہلی دو شرطیں تو صحابہ کرام میں موجود تھیں، اوراس میدان میں اول سے اخر تک ان میں کہیں فرق نہیں آیا، مگر تیسری شرط یکبارگی ہلہ بولنے کی واقع نہیں ہوئی، اس لئے پانچ ہزار ملائکہ کے لشکر کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے معاملہ ایک ہزار اور تین ہزار میں دائر رہا جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین ہزار سے مراد یہ ہو کہ ایک ہزار جو پہلے بھیجے گئے ان کے ساتھ مزید دو ہزار شامل کر کے تین ہزار کر دیئے گئے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تین ہزار اس پہلے ہزار کے علاوہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان تین آیتوں میں ملائکہ کی تین جماعتوں کے بھیجنے کا وعدہ ہے، اور ہر جماعت کے ساتھ ایک خاص صفت کا ذکر ہے، اس سورت کی آیت جس میں ایک ہزار کا وعدہ ہے، اس میں تو ان ملائکہ کی صفت میں ''مردفین'' فرمایا ہے، جس کے معنی ہیں پیچھے لگانے والے، اس میں شاید اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا کہ ان فرشتوں کے پیچھے دوسرے بھی آنے والے ہیں.

اورسورۂ ال عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت ''منزلین'' ارشاد فرمائی، یعنی یہ فرشتے آسمان سے اتارے جائیں گے، اس میں اشارہ خاص اہمیت کی طرف ہے کہ زمین میں جو فرشتے پہلے سے موجود ہیں ان سے کام لینے کے بجائے خاص اہتمام کے ساتھ یہ فرشتے آسمان سے اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے، اورآل عمران کی دوسری ایت جس میں پانچ ہزار کا ذکر ہے اس میں ملائکہ کی صفت ''مسومین'' ارشاد فرمائی ہے، کہ وہ ایک خاص لباس اور علامت کے ساتھ ہوں گے، جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ بدر میں نازل ہونے والے فرشتوں کے عمامے سفید اورغزوہ حنین میں مدد کے لئے آنے والے فرشتوں کے عمامے سرخ (یا زرد) تھے۔

آخر ایت میں ارشاد فرمایا: ''**وما النصر الامن عنداللہ ان اللہ عزیز حکیم** ''اس میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمادی کہ جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے سب اللہ تعالی ہی کے طرف سے ہے اسی کے قبضہ میں ہے فرشتوں کی مدد بھی اسی کے تابع فرمان ہے اس لئے تمہاری نظر صرف اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ وہ بڑا قدرت والا حکمت والا ہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸﴾
تاکہ سچ کو سچ ثابت اور جھوٹ کو جھوٹ مٹا کر دے گو مشرک ناخوش ہی ہوں ۔
إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ
جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے
مُرْدِفِينَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ
جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾
اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۔
إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً
جب اُس نے (تمہاری) تسکین کیلئے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اُڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا
لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ
تاکہ تمہیں اُس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی
وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ
کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔ جب تمہارا رب فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا
إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں
كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾
رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کر توڑ) دو ۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یہ (سزا) اسلئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے ۔ یہ چکھو اور یہ کہ کافروں کیلئے (آخرت میں) دوزخ کا عذاب ہے[5]

---

[5] ابتداء سورۂ انفال سے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے فرمانبردار بندوں پر مبذول ہوئے، غزوہ بدر کے واقعات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ غزوہ بدر میں جو انعامات حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ، ان میں سے پہلا انعام تو خود اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے، جس کا بیان ایت " اذا خرجک ربک " میں ہوا ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے، جس کا ذکر آیت "اذ یعدکم الله " میں آیا ہے۔ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے، جس کا ذکر آیت "اذ تستغیثون ربکم " میں ہوا ہے۔

مذکور الصدر آیات میں سے پہلی ایت میں چوتھے انعام کا تذکرہ ہے، جس میں مسلمانوں کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ، ایک سب پر نیند غالب آ کر پریشانی اور تھکان کا دور ہو جانا، دوسرے بارش کے ذریعہ ان کے لئے پانی مہیا فرمانا، اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ ٹھن گیا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو اونچائی پر تھا، پانی اس کے قریب تھا، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی قرآن کریم نے اس میدان جنگ کا نقشہ اسی سورت کی بیالسویں ایت میں اس طرح کھینچا ہے: "اذ انتم بالعدوة الدنیا وهم بالعدوة القصویٰ " ۔ جس جگہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ نے اول قیام فرمایا، اس مقام کے واقف کار " حباب بن منذر ؓ " نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے، جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم الٰہی نہیں اس میں تغیر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تب حباب بن منذر ؓ نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کیا جائے

وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا، ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔ اس سے مطمئن ہونے کے بعد سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ میں بنا دیں، جہاں آپ مقیم رہیں، اور آپ کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔ منشا اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے اگر اللہ تعالی نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے، اور اگر اللہ نخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر ان صحابہ کرام کے ساتھ جا ملیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں، کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر ان کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا، آپ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ کے رفیقِ کار رہیں گے۔ رسول پاک ﷺ نے ان کی اس جانبازانہ پیش کش پر دعائیں دیں۔ اور ایک مختصر سا سایہ بان آپ ﷺ کے لئے بنا دیا گیا، جس میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔ معاذؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات تھی، تین سو تیرہ بے سروسامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنا تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا، میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضے میں آ چکا تھا، نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتیلا جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا، طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی، بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کئے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے ارام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے، ان حالات میں اللہ تعالی نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرما دی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں جبراً اسلا دیا۔

ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔ اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آ گئی، مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا۔ اے ابوبکر خوشخبری سنو! یہ جبرئیل علیہ السلام

ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے: ''سیھزم الجمع ویولون الدبر ''(قمر:۴۵) یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی، اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابوجہل کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی یہ فلاں کی، اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے ۔(اب اس جگہ ایک مسجد بنام مسجد عریش تعمیر کی گئی ہے)(تفسیر مظہری)۔

اور جیسا غزوہ بدر میں تھکان اور پریشانی دور کرنے کے لئے حق تعالی نے تمام صحابہ کرام پر خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اسی طرح غزوہ احد میں بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا۔سفیان ثوری نے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالی کی طرف سے امن واطمینان کی نشانی ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔(ابن کثیر).

دوسری نعمت مسلمانوں کو اس رات میں یہ ملی کہ بارش ہوگئی جس نے میدان جنگ کا نقشہ بالکل پلٹ دیا، قریشی لشکر نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہاں تو بارش بہت تیز آئی، اور میدان میں دلدل ہو کر چلنا مشکل ہو گیا۔اور جس جگہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام مقیم تھے، یہاں ریت کی وجہ سے چلنا مشکل تھا، یہاں بارش ہلکی ہوئی جس نے تمام ریتے کو جما کر میدان کو نہایت ہموار کر دیا۔

آیت مذکورہ میں انہیں دو نعمتوں کا ذکر ہے نینداور بارش جس نے میدان کارزار کا نقشہ پلٹ کر وہ شیطانی وساوس دھوڈالے جو بعض کمزور لوگوں کو ستا رہے تھے، کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود مقہور و مغلوب نظر آتے ہیں اور دشمن باطل پر ہونے کے باوجود قوت وشوکت اور اطمینان کی حالت میں ہے۔آیت مذکورہ میں فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالی تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، چین دینے کے لئے ،اور تم پر پانی برسا رہا تھا، تا کہ اس پانی سے تم کو پاک کر دے۔اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

دوسری ایت میں پانچویں انعام کا ذکر ہے جو اس غزوہ بدر کے میدان کارزار میں مسلمانوں پر مبذول ہوا۔وہ یہ کہ اللہ تعالی نے جو فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے تھے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔سو تم کفار کی گردنوں پر حربہ مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا
اے اہلِ ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز
فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ
اس صورت کے سوا کہ لڑائی کیلئے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمتِ عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے
أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
اُن سے پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری
الْمَصِيرُ ۝﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ
جگہ ہے۔[6] تم لوگوں نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُنہیں قتل کیا اور (اے محمد ﷺ!) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں

---

[6] آیات مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اسلام کا ایک جنگی قانون بتلایا گیا ہے، پہلی آیت میں لفظ ''زحف'' سے مراد دونوں لشکروں کا مقابلہ اور اختلاط ہے، معنی یہ ہیں کہ ایسی جنگ چھڑ جانے کے بعد پشت پھیرنا اور میدان سے بھاگنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

دوسری آیت میں اس حکم سے استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔ استثناء دو حالتوں کا ہے ﴿الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئة﴾ یعنی جنگ کے وقت پشت پھیرنا صرف دو حالتوں میں جائز ہے ایک تو یہ کہ میدان سے پشت پھیرنا محض ایک جنگی چال کے طور پر دشمن کو دکھانے کے لئے ہو حقیقتاً میدان سے ہٹنا مقصد نہ ہو بلکہ مخالف کو ایک غفلت میں ڈال کر یکبارگی حملہ پیش نظر ہو یہ معنی ہیں ''الا متحرفا لقتال''، کے، کیونکہ ''تحرّف''، کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔ (روح المعانی)۔ دوسری استثنائی حالت جس میں میدان سے پشت پھیرنے کی اجازت ہے یہ ہے کہ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لئے پیچھے ہٹیں تا کہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔ اور امام احمد:۲/۷۰، اور ابوداود:۲۶۴۶، وترمذی:۱۷۷۰، وغیرہ کی ایک روایت میں جو قصہ عبداللہ بن عمرؓ کا منقول ہے، کہ: قال عبداللہ بن عمرؓ کنت فی سریة من سرایا رسول

اللهﷺ، فحاص الناس حيصة وكنت فيمن حاص فقلنا: كيف نصنع وقدفررنامن الزحف، وبوّنابالغضب؟ثم قلنالودخلنا المدينة فبتنا؟ثم قلنا،لوعرضناانفسناعلى رسول اللهﷺ،فان كانت لناتوبة والاذهبنا؟فاتيناه قبل صلاة الغداة، فخرج فقال من القوم ؟فقلنانحن الفرارون ،فقال لابل انتم العكارون ،أنافئتكم وانافئة المسلمين ، قال فاتيناه حتى قبّلنايده.

یعنی ایک مرتبہ جنگ سے بھاگ کرانھوں نے مدینہ میں پناہ لی اور نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکراعتراف جرم کیا کہ ہم میدان جنگ سے بھاگنے والے مجرم ہوگئے۔ نبی کریمﷺ نے بجائے اظہارناراضگی کے ان کوتسلی دی اورفرمایا''بل انتم العكارون وانافئتكم'' یعنی تم بھاگنے والےنہیں بلکہ کمک حاصل کرکےدوبارہ حملہ کرنے والے ہو،اورمیں تمہارے لئے کمک ہوں،اس میں نبی کریمﷺ نے اس حقیقت کوواضح فرمادیا کہ ان لوگوں کا بھاگ کرمدینہ میں پناہ لینااس استثناء کےاندرداخل ہےجس میں کمک حاصل کرنے کے لئے میدان چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔عبداللہ بن عمرؓکوحق تعالی کےخوف اورھیبت وعظمت کا جومقام خاص حاصل تھااس کی بناپروہ اس ظاہری پسپائی سے بھی گھبرائے اوراپنے آپ کومجرم کی حیثیت میں نبی کریمﷺ کیخدمت میں پیش کردیا۔

اور''متحيزاالى فئة'' کے یہی معنی ہیں کیونکہ ''تحيز''کےلفظی معنی انضمام اور ملنے کے ہیں،اور''فئة'' کے معنی جماعت کے،مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت سےمل کرقوت حاصل کرنے اورپھرحملہ کرنے کی نیت سےمیدان چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

یہ استثناء ذکرنے کے بعدان لوگوں کی سزاکاذکرہے جنھوں نے استثنائی حالات کے بغیرناجائزطورپرمیدان چھوڑایاپشت موڑی ارشادہے:فقدباء بغضب من اللهومأواه جهنم وبئس المصير یعنی میدان جنگ سے بھاگنے والےاللہ تعالی کاغضب لےکرلوٹے اوران کاٹھکانہ جہنم ہےاوروہ براٹھکانہ ہے۔

ان دونوں ایتوں سے یہ حکم معلوم ہوا کہ فریق مقابل کتنی ہی زیادہ تعداداورقوت وشوکت میں ہومسلمانوں کوان کے مقابلہ سے پشت پھیرناحرام ہے، بجزدواستثنائی صورتوں کے یہ کہ پشت پھیرنا بھاگنے کے لئے نہ ہو بلکہ یاتو پینترا بدلنے کےطورپرہو،اوریاکمک حاصل کرکے دوبارہ حملہ کرنے کےقصد سے ہو۔

غزوہ بدرمیں آیتیں یہ نازل ہوئیں، اس وقت یہی حکم عام تھا کہ خواہ کتنی ہی بڑی تعداد سے مقابلہ ہوجائے اوراپنی تعداد سےان کی کوئی نسبت نہ ہوپھربھی پشت پھیرنااورمیدان چھوڑ ناجائزنہیں۔میدان بدرمیں یہی صورت=

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں،اس سے یہ حکمت تھی کہ مومنوں کو اپنے سے اچھی طرح آزمالے بیشک اللہ سنتا جانتا ہے [7]

= تھی کہ تین سو تیرہ کا مقابلہ تگنی تعداد یعنی ایک ہزار سے ہو رہا تھا، بعد میں تخفیف کے احکام سورۂ انفال کی آیت ۶۵،۶۶، میں نازل ہوئے آیت ۶۵، میں بیس مسلمانوں کو دوسو کافروں کے اور سو مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں کے مقابلہ میں جہاد کرنے کا حکم ہے اور آیت ۶۶، میں مزید تخفیف کا یہ قانون نازل ہو گیا۔

اس میں اشارہ کر دیا کہ اپنے سے دوگنی تعداد تک تو مسلمانوں ہی کے غالب رہنے کی توقع ہے، اس لئے پشت پھیرنا جائز نہیں ہاں فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں میدان چھوڑ دینا جائز ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ نہیں، ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے (روح البیان)۔اب یہی حکم قیامت تک باقی ہے جمہور امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدان جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سات کاموں کو انسان کے لئے مہلک فرمایا، ان میں میدان جنگ سے بھاگنا بھی شمار فرمایا۔(خ:۲۷۶۶،م:۲۷۲) اور غزوہ حنین کے واقعہ میں صحابہ کرام کی ابتدائی پسپائی کو قران کریم نے ایک شیطانی لغزش قرار دیا جو اس کے گناہ عظیم ہونے کی دلیل ہے ارشاد فرمایا: ''انما استزلھم الشیطان''۔

[7] واقعہ جو اس آیت میں بیان ہوا اس کی تفصیل ابن جریر طبری اور بیہقی وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے یہ نقل کی ہے کہ معرکہ بدر کے دن جب مکہ کے ایک ہزار جوانوں کا لشکر ٹیلہ کے پیچھے سے میدان میں آیا تو مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اپنی کثرت وقوت پر فخر کرتا ہوا متکبرانہ انداز سے سامنے آیا۔اس وقت نبی کریم ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر وتکبر کرتے ہوئے آرہے ہیں، آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما (روح البیان)۔تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ ایک مٹھی خاک کی لے کر دشمن کے لشکر کی =

﴿ ۱۷ ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِينَ ﴿ ۱۸ إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا
(بات) یہ (ہے) کچھ شک نہیں کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے (کافرو) اگر تم (محمد ﷺ پر) فیصلہ چاہتے ہو
فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُوْدُوْا
تو تمہارے پاس فیصلہ آ چکا (دیکھو) اگر تم (اپنے افعال سے) باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی)
نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ
کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی

=طرف پھینک دیں آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن زید نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ مٹی اور کنکروں کی مٹھی بھری ایک لشکر کے داہنے حصہ پر دوسری بائیں حصہ پر، تیسری سامنے کی جانب پھینک دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ایک یا تین مٹھی بھر کنکریوں کو قدرت نے معجزانہ انداز میں اس طرح پھیلا دیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور چہروں پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں، جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا فرشتے الگ ان کے ساتھ شریک قتال تھے (مظہری)۔بالآخر کچھ لوگ مخالف فریق کے قتل ہو گئے، کچھ گرفتار کر لئے گئے، باقی بھاگ گئے، اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔بالکل مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ فتح عظیم مسلمانوں کو حاصل ہوئی، میدان جنگ سے واپس آ کر آپس میں گفتگوئیں شروع ہوئیں، صحابہ کرام اپنے اپنے کارنامے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:﴿فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم﴾ جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ اپنی سعی وعمل پر ناز نہ کرو، یہ جو کچھ ہوا وہ صرف تمہاری محنت وکوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالص حق تعالیٰ کی نصرت وامداد کا ثمرہ تھا، جو دشمن تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو درحقیقت تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔اسی طرح رسول کریم ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:﴿وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ﴾ یعنی یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپ نے پھینکی وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کا یہ نتیجہ کہ لشکر دشمن کے ہر فرد کی آنکھوں میں پہنچ کر سب کو سراسیمہ کر دے یہ آپ کے پھینکنے کا اثر نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ صورت پیدا فرمائی۔

وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

اور اللہ تو مومنوں کیساتھ ہے ۔[8] اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو

---

[8] اس آیت میں شکست خوردہ قریشی کفار کوخطاب اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو قریشی لشکر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آیا تھا۔ وہ یہ کہ جب قریشی کفار کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا تو مکہ سے نکلنے سے پہلے لشکر کے سردار ابوجہل وغیرہ نے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعائیں مانگی تھیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس دعا میں انہوں نے اپنی فتح کی دعا کرنے کے بجائے عام الفاظ میں اس طرح دعا مانگی: یا اللہ! دونوں لشکروں میں سے جو اعلیٰ وافضل ہے اور دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے، اور دونوں پارٹیوں میں سے جو زیادہ شریف ہے، اور دونوں میں سے جو دین کے اعتبار سے افضل ہے اس کو فتح دیجئے۔(مظہری)۔

یہ بے وقوف تو یوں سمجھ رہے تھے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے ہم ہی اعلیٰ وافضل اور زیادہ ہدایت پر ہیں، اس لئے یہ دعا ہمارے حق میں ہے اور اس دعا کے ذریعہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق وباطل کا فیصلہ ہوجائے۔اور جب ہم فتح پائیں تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوگا۔

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ اس دعا میں درحقیقت وہ اپنے لئے بددعا اور مسلمانوں کے لئے دعا کررہے ہیں، انجام جنگ سامنے آنے کے بعد قرآن کریم نے ان کو بتلایا: ﴿ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح﴾ یعنی اگر تم الٰہی فیصلہ چاہتے ہو، تو وہ سامنے آچکا کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوگئی۔ ﴿وان تنتھوا فھو خیر لکم﴾ اور اگر تم اب بھی اپنے کفر وعناد سے باز آگئے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے،"وان تعودوا نعد" اور اگر تم پھر اپنی شرارت اور جنگ کی طرف لوٹے تو ہم بھی مسلمانوں کی امداد کی طرف لوٹیں گے۔"ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت"، یعنی تمہاری جماعت اور جتھا کتنا ہی زیادہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مقابلہ میں تمہیں کچھ کام نہ دے گا۔ ﴿وان اللہ مع المومنین﴾ یعنی کوئی جماعت تمہیں کیا کام دے سکتی ہے، جب کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اُس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکمِ الٰہی) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا

اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اُس کے رُوبرو جمع کئے جاؤ گے[9]

---

[9] پہلی آیت میں ارشاد ہے اگر اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کو اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بخش دیتے، اور اگر ان کو بحالت موجودہ کہ ان میں طلب حق نہیں ہے حق بات سنا دیں تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی کرتے ہوئے۔ بھلائی سے مراد اس جگہ طلب حق ہے کہ طلب ہی کے ذریعہ تدبر اور فہم کے دروازے کھلتے ہیں، اور اسی سے اعتقاد و عمل کی توفیق ہوتی ہے، اور جن میں طلب حق نہیں گویا اس میں کوئی بھلائی نہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں کوئی بھلائی موجود ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے علم میں ہوتی، جب اللہ تعالی کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں، تو معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ ہر بھلائی سے محروم ہیں، اور اس محرومی کی حالت میں اگر ان کو غور و تدبر اور اعتقاد حق کی دعوت دی جائے

تو وہ ہرگز قبول نہ کریں گے، بلکہ اس سے منہ پھیر کر بھاگیں گے، یعنی ان کی یہ روگردانی اس بنا پر نہ ہوگی کہ دین میں ان کو اعتراض کی بات نظر آ گئی اس لئے نہیں مانا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

اس تقریر سے وہ منطقی شبہ بھی رفع ہوگیا جو اہل علم کے دلوں میں کھٹکتا ہے کہ یہ قیاس کی شکل اول ہے، حد اوسط حذف کریں تو نتیجہ غلط نکل رہا ہے، جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حد اوسط مکرر نہیں کیونکہ پہلے "**لاسمعهم**" کا مفہوم الگ ہے، دوسرے "**اسمعهم**" کا الگ، پہلے میں سماع قبول اور سماع نافع مراد ہے دوسرے میں خالی سماع۔

دوسری ایت میں پھر اہل ایمان کو خطاب کر کے اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل واطاعت کا حکم ایک خاص انداز سے دیا گیا، کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس میں اللہ اور رسول کا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لئے دیئے گئے ہیں ارشاد فرمایا ہے: ﴿**استجیبوا للہ وللرسول اذادعاکم لمایحییکم**﴾ یعنی بات مانو اللہ کی اور رسول کی جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔ وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے کیا ہے اس میں کئی احتمال ہیں: اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں، سدی نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا وآخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے، ابن اسحاق نے فرمایا کہ مراد اس سے جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عزت بخشی، اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قران یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالی کے درمیان جو غفلت وشہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

ترمذی: ۲۸۷۵، اور نسائی فی سنن کبری: ۱۱۲۰۵، نے بروایت ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ابی بن کعبؓ کو بلایا ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی؟ ابی بن کعبؓ نے عرض کیا، کہ میں نماز میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے حق تعالی کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿**استجیبوا للہ وللرسول اذادعاکم**﴾؟ ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ ائندہ اس کی اطاعت کروں گا اگر بحالت نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اس جیسی ایک روایت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ابوسعید بن المعلیؓ سے نقل کیا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً
اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ اُنہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں
وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾
اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے
وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ
اور (اُس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے
أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ
کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے جان و مال نہ کردیں) تو اُس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ
اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اُسکا) شکر کرو۔اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو
وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا أَمٰنٰتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا
اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو ۔ اور جان رکھو کہ تمہارا
أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾
مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تمہیں ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ
اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔ اور جب کافر لوگ تمہارے بارے میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ أَوْ يَقْتُلُوْكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ
چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو)
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾
وہ اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ تعالی ہے [10]

---

[10] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی کے ایک خاص قسم انعام واحسان کا ذکر ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر بلکہ پوری دنیا پر ہوا ہے، کہ قبل از ہجرت جب نبی کریم ﷺ کفار کے نرغہ میں تھے اور وہ آپ کے قید یا قتل کرنے کے مشورے کررہے تھے، تو اللہ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا، اور نبی کریم ﷺ کو بسلامت وعافیت مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ جس کا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری میں بروایت محمد بن اسحٰق وغیرہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہوجانا مکہ میں مشہور ہوا تو قریش مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہوگئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر تھا جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اور اب جبکہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہوگیا، جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم پر حملہ آور ہوسکتے ہیں، اور ان کو یہ بھی احساس ہوگیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد ﷺ بھی وہاں چلے جائیں، اس لئے روسائے مکہ نے مشورہ کے لئے دار الندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی، دار الندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور زمانہ اسلام میں اس کو مسجد حرام میں داخل کرلیا گیا ہے۔ حسب عادت اس مہم مشورہ کے لئے قریشی سرداروں کا اجتماع دار الندوہ میں ہوا جس میں ابو جہل۔ نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے، اور رسول کریم ﷺ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی

تدبیریں زیرغور آئیں۔

ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی، کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کےصورت میں دارالندوہ کے دروازہ پرآ کھڑا ہوا،لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، کیوں آئے ہو؟ بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کررہے ہیں، تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہوگیا کہ ممکن ہے میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر اس کو اندر بلالیا گیا،اور مشورہ شروع ہوا،تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالبختری بن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی نبی کریم ﷺ کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کردیا جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ معاذ اللہ وہ آپ اپنی موت مرجائیں، یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملہ چھپے گا نہیں، بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائیگی، اوران کے صحابہ اور رفقاء کے فدایانہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہوکر تم پرحملہ کردیں اوراپنی قیدی کو تم سے چھڑالیں۔سب طرف سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کے بات صحیح ہے اس کے بعد ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں ہمارے شہران کے فساد سے مامون ہوجائے گا اورہمیں کچھ جنگ وجدال بھی کرنا نہ پڑے گا۔

شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ وہ کیسے شرین کلام آدمی ہے؟ لوگ ان کا کلام سنکر مفتون اور مسحور ہوجاتے ہیں، اگران کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنالیں گے،اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے۔اب ابوجہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لے لیں ،اور ہرایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں، یہ سب لوگ یکبارگی ان پرحملہ کر کے قتل کردیں۔ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کرلے، اب رہا ان کے قبیلہ بنوعبدمناف کا مطالبہ جوان کے قتل کے سبب ہم پر عائد ہوگا سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے،تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا۔صرف خونبہا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا، وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے ان کو دے دیں گے۔اور بےفکر ہوجائیں گے۔شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سن کر کہا کہ بس رائے یہی ہے اوراس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں، پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دے دی،اورآج ہی رات

میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کرلیا گیا۔مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی نصرت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے،اس طرف جبرئیل امین نے ان کے دارالندوہ کی ساری کیفیت سے رسول پاک ﷺ کو باخبر کرکے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات میں آپ اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجواں نے سرور دو عالم ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔رسول پاک ﷺ نے یہ دیکھا تو علی مرتضی کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ رسول کریم ﷺ کے بستر پر آرام کریں،اور یہ خوشخبری سنادی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔علیؓ نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیا اور آپ کے بستر پر لیٹ گئے مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ نبی کریم ﷺ اس محاصرہ سے کیسے نکلیں؟ اس مشکل کو اللہ تعالیٰ نے ایک معجزہ کے ذریعہ حل کیا وہ یہ کہ بامر الٰہی رسول اللہ ﷺ ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے جو کچھ آپ کے بارہ میں گفتگو رہے تھے، حالانکہ آپ ان میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تو انہوں نے بتلایا کہ محمد ﷺ کے انتظار میں،اس نے کہا کہ تم کس خام خیالی میں ہو وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں،اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے گئے ہیں۔ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی تھی۔

علیؓ کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد ﷺ نہیں،اس لئے قتل پر اقدام نہیں کیا صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب وخاسر ہوکر واپس ہوگئے ،یہ رات اور اس میں رسول کریم ﷺ کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا علیؓ کے خاص فضائل میں سے ہے۔قریشی سرداروں کے مشورہ میں جو تین رائیں نبی کریم ﷺ کے متعلق پیش کی گئی تھیں،ان تینوں کو قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:''واذیمکربک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک اویخرجوک''یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ اپ کو قید کریں یا قتل کردیں یا شہر بدر کردیں۔مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سب تدبیریں خاک میں ملادیں،اسی لئے آخر آیت میں فرمایا: واللہ خیر الماکرین یعنی اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ ہوا۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا

اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا

إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ

(کلام) ہم بھی کہہ دیں اور یہ ہے ہی کیا صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں ۔ اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ!

إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا،

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ

یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج ۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک تم اُن میں تھے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ

اُنہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور اُنہیں عذاب دے ۔ اور (اب) اُن کیلئے کونسی وجہ ہے کہ وہ اُنہیں

وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَآءُهُ

عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں اُس کے متولی

إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس

إِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى جَهَنَّمَ

مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کیلئے (موجب) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف

يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهُ

ہانکے جائیں گے ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهُ فِيْ جَهَنَّمَ أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

ایک ڈھیر بنا دے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

﴿٣٧﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ

(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ اُنہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر

يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنِ ﴿٣٨﴾

(وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی اُن کے حق میں برتا جائے گا)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰه فَإِنِ انْتَهَوْا

اور اُن لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے

فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ

اور اگر باز آ جائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے ۔[11] اور اگر رُوگردانی کریں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے

---

[11] اس آیت کریمہ میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ ''فتنہ'' دوسرا ''دین'' ۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ ائمہ تفسیر صحابہ وتابعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں، ایک یہ کہ فتنہ سے مراد کفر وشرک اور دین سے مراد دین اسلام لیا جائے ۔ عبداللہ بن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ کفر مٹ کر اس کی جگہ اسلام آ جائے، اسلام کے علاوہ کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے ۔ اس

صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اوراہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کے لئے خطرہ ہے۔باقی ساری دنیامیں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔جیسا کہ قران کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔اور دوسری تفسیر جو عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور عذاب ومصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل وغارتگری کرتے رہے مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ وغضب ظاہر ہوتا رہا۔اوراس کے بالمقابل دین کے معنی قہر وغلبہ کے ہیں اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہوگئی، کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہوجائیں، اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہوجائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔عبداللہ بن عمرؓ کے ایک واقعہ بھی اسی تفسیر کی تائید ہے۔واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں چل رہی تھیں تو دو شخص عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلا میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطابؓ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے میدان میں نہیں آتے۔تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے ان دونوں نے عرض کیا کہ کیا آپ قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے: ''قاتلوھم حتی لاتکون فتنة'' یعنی مقاتلہ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوگیا۔اور غلبہ دین اسلام کا ہوگیا۔اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے فتنہ پھر پیدا کردو اور غلبہ غیر اللہ کا اور دین حق کے خلاف کا ہوجائے۔(بخاری تفسیر سورۃ انفال،) مطلب یہ تھا کہ جہاد وقتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کرچکے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہوگیا۔مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو نبی کریم ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد وقتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہوجائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہوجائے۔اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لئے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۰﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّنْ شَيْءٍ

(اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔ اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لُوٹ کر لاؤ

فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ

اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہلِ قرابت کااور یتیموں کا اور محتاجوں کا

وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنتُمْ آمَنتُم بِاللّٰهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۱﴾

بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوگئی اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ

جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نیچے (اتر گیا) تھا

وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ وَلٰكِن لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ

اور اگر تم (جنگ کے لئے) آپس میں قرارداد کر لیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی لیکن

أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ

اللہ کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تا کہ جو مرے بصیرت پر مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر

وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ

جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ اس وقت اللہ نے تمھیں خواب میں کافروں کو تھوڑی

فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ط وَلَوْ أَرٰكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنٰزَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ

تعداد میں دکھایا اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ

لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچا لیا بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔ اور اس وقت جب

يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ

تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا تھا اورتم کو ان کی نگاہوں میں

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

تھوڑا کر کے دکھایا تھا تا کہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے اورسب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔[12]

---

[12] غزوہ بدر کفرواسلام کا وہ پہلا معرکہ تھا جس نے ظاہری اور مادی طور پر بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کا ثبوت دیا،اس لئے قران کریم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا۔آیات متذکرہ میں اسی کا بیان ہے۔جس کے ذکر میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ ایک خاص مصلحت کا اظہار ہے کہ اس معرکہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہ تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہ تھا۔مگر اللہ تعالی کی غیبی قوت نے سارے سازوسامان اور ظاہری اسباب کی کایا پلٹ دی۔اسی واقعہ کی وضاحت کے لئے ان آیات میں غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا پورا نقشہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے ان آیات کی تشریح سے پہلے چند الفاظ ولغات کی تشریح دیکھ لیجئے۔

''عدوۃ'' کے معنی ایک جانب کے آتے ہیں،اور لفظ ''دنیا''ادنی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر، آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی'' دنیا'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب تر ہے۔اور لفظ ''قصوی'' اقصی سے بنا ہے'' اقصی'' کے معنی ہیں بعید تر۔بعد میں ہلاکت اوراس کے مقابلہ میں حیات کا ذکر آیا ہے ان دونوں لفظوں سے موت وحیات کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنوی موت وحیات یا ہلاکت ونجات مراد ہے معنوی حیات اسلام وایمان ہے اور موت شرک وکفر،قرآن کریم نے کئی جگہ یہ الفاظ اس معنی میں استعمال کئے،ایک جگہ ارشاد ہے: ''یاایھا الذین امنوا استجیبو اللہ وللرسول اذادعاکم لمایحییکم''(انفال: ۲۴) مراد حیات سے وہ حقیقی اور دائمی حیات ہے جو ایمان واسلام کے صلہ میں ملتی ہے اب آیات کی تفسیر یہ ہوئی کہ مسلمان عدوہ دنیا(قریبی

کنارہ) کے پاس تھے اور کفار عدوہ قصوی (دور کنارہ) کے پاس مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارے پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھیرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریتیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دوبھر تھا۔ پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا۔ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے، اور کہیں سے کمک ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی، اس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نکلے تھے، بلکہ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی صورت میں بلا ارادہ پیش آیا۔ لیکن دنیا میں جتنے اتفاقیات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں، ان کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقیات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں، ان میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی جب وہ پورا نظام سامنے آجائے اس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔

غزوہ بدر ہی کے واقعہ کو لے لیجئے اس کی اتفاقی اور غیر اختیاری صورت سے ظاہر ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ

﴿ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد﴾ یعنی اگر عام دنیا کی جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تمام پہلوؤں پر غور وفکر اور باہمی قراردادوں کے ذریعہ لڑی جاتی، تو حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگ ہوتی ہی نہیں بلکہ اس میں اختلاف پڑ جاتا، خواہ اس طرح کہ خود مسلمانوں کی رائے اپنی قلت وکمزوری اور مقابل کی قوت وکثرت کو دیکھ کر مختلف ہوجاتی۔ یا اس طرح کہ دونوں فریق اہل کفر واہل اسلام مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے، مسلمان تو اپنی قلت وکمزوری کو دیکھ کر اقدام کی ہمت نہ کرتے اور کفار پر حق تعالی نے مسلمانوں کا رعب جمایا ہوا تھا وہ کثرت وقوت کے باوجود مقابلہ پر آنے سے گھبراتے۔

اس لئے قدرت کے مستحکم نظام نے دونوں طرف ایسے حالات پیدا کردیئے کہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے مکہ والوں کو تو ابوسفیان کے قافلہ کی گھبرائی ہوئی فریاد نے ایک ہولناک صورت میں سامنے آکر بے سوچے سمجھے چلنے پر آمادہ کردیا۔ مسلمانوں کو اس خیال نے کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی جنگی مسلح لشکر نہیں ایک معمولی تجارتی قافلہ ہے مگر علیم وخبیر کو منظور یہ تھا کہ دونوں میں باقاعدہ جنگ ہوجائے تاکہ اس جنگ کے پیچھے جو نتائج فتح اسلام کے ظہور میں آنے والے ہیں وہ سامنے آجائیں۔ اسی لئے فرمایا ﴿ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا﴾ یعنی ان حالات کے باجود جنگ اس لئے ہوکر رہی، کہ اللہ تعالی کو جو کام کرنا ہے اس کی تکمیل کردکھائے، اور وہ یہ تھا کہ ایک ہزار جوانوں کے مسلح باسامان لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ بے سروسامان فاقہ زدہ مسلمانوں کی ایک ٹولی اور وہ بھی محاذ جنگ کے اعتبار سے بے موقع جب اس پہاڑ سے ٹکراتی ہے، تو یہ پہاڑ پاش پاش ہوجاتا ہے، اور یہ چھوٹی سی جماعت فتحمند ہوتی ہے جو کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہے کہ اس جماعت کی پیٹھ پر کوئی بڑی قدرت اور طاقت کام کررہی تھی جس سے یہ ایک ہزار کا لشکر محروم تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تائید اسلام کی وجہ سے اور اس کی محرومی کفر کی وجہ سے تھی۔ جس سے حق وباطل اور کھرے کھوٹے کا پورا امتیاز ہر سمجھدار انسان کے سامنے آگیا، اسی لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحی من حی عن بینۃ﴾ یعنی واقعہ بدر اسلام کی کھلی حقانیت اور کفر وشرک کے باطل ومردود ہونے کو اس لئے کھول دیا گیا کہ ائندہ جو ہلاکت میں پڑے وہ دیکھ بال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بال کررہے اندھیرے اور مغالطہ میں کوئی کام نہ ہو۔

اس ایت کے الفاظ میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیات وزندگی سے مراد اسلام ہے مطلب یہ ہے حق واضح ہوجانے کے بعد غلط فہمی کا احتمال اور عذر تو ختم ہوگیا اب جو کفر اختیار کرتا ہے وہ دیکھتی آنکھوں ہلاکت کی طرف

جا رہا ہے اور جو اسلام اختیار کرتا ہے وہ دیکھ بھال کر دائمی زندگی اختیار کر رہا ہے۔ پھر فرمایا: ''ان اللہ سمیع علیم'' یعنی اللہ تعالی خوب سننے والا جاننے والا ہیں، کہ سب کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان تک ان کے سامنے ہیں اور ہر ایک کی سزا و جزا بھی۔

تینتالیسویں اور چوالیسویں دونوں ایتوں میں ایک خاص کرشمہ قدرت کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کے میدان میں اس غرض کے لئے عمل میں لایا گیا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دونوں لشکروں میں سے کوئی بھی میدان جنگ چھوڑ کر اس جنگ کو ہی ختم کر ڈالے، کیونکہ اس جنگ کے نتیجہ میں مادی حیثیت سے بھی حقانیت اسلام کا مظاہرہ کرنا مقدر تھا۔

اور وہ کرشمہ قدرت یہ تھا کہ لشکر کفار اگر چہ واقع میں مسلمانوں سے تین گنا تھا، مگر اللہ تعالی نے محض اپنی قدرت کاملہ سے مسلمانوں کو ان کی تعداد بہت کم کر کے دکھلائی تا کہ مسلمانوں میں کمزوری اور اختلاف پیدا نہ ہو جائے، اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب دکھلایا گیا، آپ ﷺ نے سب مسلمانوں سے بتلا دیا جس سے ان کی ہمت بڑھ گئی، دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جبکہ دونوں فریق آمنے سامنے کھڑے تھے مسلمانوں کو ان کی تعداد کم دکھلائی گئی آیت ۴۳ میں خواب کا واقعہ اور ۴۴ میں بیداری کا مذکور ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اپنا مقابل لشکر ایسا نظر آ رہا تھا کہ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ لوگ نوے آدمیوں کی تعداد میں ہوں گے اس شخص نے کہا کہ نہیں سو (۱۰۰) ہوں گے۔

اخری آیت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے'' **یقللکم فی اعینھم** ''یعنی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بھی مقابل لشکر کی نظر میں کم کر کے دکھلایا، اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تو حقیقت ہی میں کم تھی وہ صحیح تعداد ان کو دکھلا دی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنی تعداد واقعی تھی اس سے بھی کم کر کے دکھلایا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کی تعداد تو اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی جن کی خوراک ایک اونٹ ہو۔ عرب میں کسی لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لئے اس سے اندازہ قائم کیا جاتا تھا کہ کتنے جانوران کی خوراک لئے ذبح ہوتے ہیں، ایک اونٹ سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا رسول پاک ﷺ نے بھی اس میدان بدر میں وہاں کے کچھ لوگوں سے قریش مکہ کے لشکر کا پتہ چلانے کے کے لئے پوچھا تھا کہ ان کی لشکر میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں؟ تو آپ کو دس اونٹ روزانہ بتلائے گئے، جس سے آپ نے ایک ہزار لشکر کا تخمینہ قائم فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل کی نظر میں مسلمان کل سو آدمی کی تعداد میں دکھلائے =

يَـٰٓأَيُّهَا الَّـذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کروتا کہ مراد حاصل کرو۔

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا

وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا

اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اتراتے ہوئے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور لوگوں کودکھانے کے لئے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ

اور جو یہ اعمال کرتے ہیں اللہ ان پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب شیطانوں نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا

اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب

= گئے یہاں بھی کم کر کے دکھلانے میں یہ حکمت تھی، کہ مشرکین کے قلوب پر مسلمانوں کا رعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ بھاگیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات معجزہ اور خرق عادت کے طور پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے جیسا یہاں ہوا۔ اس لئے اس جگہ دوبارہ فرمایا "لیقضی الله امرا کان مفعولا"، یعنی یہ کرشمہ قدرت اور آنکھوں کا مشاہدات پر تصرف اس لئے ظاہر کیا گیا کہ جو کام اللہ تعالی کرنا چاہتے ہے وہ پورا ہو جائے۔ یعنی مسلمانوں کو قلت و بے سامانی کی باوجود فتح دے کر اسلام کی حقانیت اور تائید غیبی کا اظہار جو اس جنگ سے مقصود تھا وہ پورا کر دکھائے۔

تَـرَآءَ تِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰـى عَقِبَيْـهِ وَقَالَ إِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ
دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں
إِنِّىْٓ أَرٰى مَا لَا تَـرَوْنَ إِنِّىْٓ أَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾
میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب والا ہے[13]

---

[13] عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ: جاء ابلیس یوم بدر فی جند من الشیاطین معه رأیته ،فی صورة رجل من بنی مدلج ،و الشیطان فی صورة سراقة بن مالک بن جعشم ،فقال الشیطان للمشرکین "لاغالب لکم الیوم من الناس ،وانی جارلکم "فلمااصطف الناس اخذرسول اللہ ﷺ قبضة من التراب فرمی بهافی وجوه المشرکین ،فولوامدبرین ،واقبل جبرئیل علیه السلام الی ابلیس ،فلمارآه وکانت یده فی یدرجل من المشرکین انتزع یده ثم ولیّ مدبرا،هوو شیعته ، فقال الرجل یاسراقة اتزعم انک لناجار؟فقال "انی اری مالاترون انی اخاف اللہ ط واللہ شدید العقاب" وذلک حین رأی الملائکة.ابن کثیر ۔ابن عباسؓ کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے ، ہمت دلائی ، جب میدان جنگ میں صف بندی ہوگئی تو رسول کریم ﷺ نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری،اس سے ان کے تو قدم اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی ، جبرئیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا،آپ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہم تمھارے حمایتی ہیں، پھر یہ کیا کر رہے ہو، یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا، کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ، میں تو اللہ تعالی سے ڈرنے والا آدمی ہوں ،اللہ تعالی کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ
اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى
اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے

الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ
کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں)

الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور یہ (جان رکھو)

لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ جیسا حال فرعونیوں کا اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا کہ)

كَفَرُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾
انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا بیشک اللہ زبردست اور سخت عذاب دینے والا ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ
یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں

حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ
اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ جیسا حال فرعونیوں

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ
اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے

فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾
گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبودیا اور وہ سب ظالم تھے
إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾
جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔
اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا
جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں
يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ
ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں عجب نہیں
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ
کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو
عَلٰى سَوَآءٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾
اور برابر کا جواب دو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ [14]

---

[14] اس ایت میں رسول پاک ﷺ کو جنگ وصلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی گئی ہے، جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں، لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے ہم ان کے خلاف کوئی اقدام کریں بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان وفرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدنیتی یا خلاف ورزی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ تمہارے معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے، تم کو بھی ہر طرح اختیار ہے کہ

ہمارے خلاف جو کاروائی چاہو کرو۔ایت کے الفاظ یہ ہیں:''و اما تخافن من قوم خیانة فانبذالیھم علی سواء ط ان اللہ لایحب الخائنین ''یعنی آگر آپ کو کسی قوم معاہد سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف ایسی صورت سے واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے، اور اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اگر چہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے، وہ بھی جائز نہیں، البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کر دیں کہ ہم ائندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے۔مگر یہ اعلان ایسی ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں۔یعنی ایسی صورت پیدا نہ کی جائے کہ اس اعلان وتنبیہ سے پہلے ان کے مقابلہ کی تیاری کر لی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بنا پر تیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ تیاری کرنا ہے وہ اس اعلان وتنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل وانصاف کہ اس میں خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں (مظہری)۔

معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ تھا۔معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب پہنچا دیں تا کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں، مگر عین اس وقت جب معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں'' اللہ اکبر وفاءً لا غدرا'' یعنی نعرۂ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی، دیکھا تو یہ کہنے والا بزرگ عمرو بن عنبسہؓ صحابی تھے، معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تا کہ التواء جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں اس کو نقض عہد نہیں بلکہ فسخ عہد کہا جاتا ہے اور یہ کئی ایک حدیث میں وارد ہے۔(اس حدیث کو ابوداؤد: ۲۷۵۹، ترمذی ۱۵۸۰، نسائی امام احمد: ۱۱۳/۴، نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا
اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں ،وہ (اپنے چالوں سے ہمیں)
إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ
ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔ اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے
وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ
اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد ہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں
وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ
اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَإِنْ جَنَحُوْا
اس کا ثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا اور اگر یہ لوگ
لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾
صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے
وَإِنْ يُّرِيْدُوْا أَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ
اور اگر یہ چاہیں کہ تمہیں فریب دیں تو اللہ تمہیں کفایت کرے گا وہی تو ہے جس نے تمہیں
أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ
اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت
مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ
خرچ کرتے تب بھی ان کی دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اے نبی! اللہ تمہیں اور مومنوں کو جو تمہارے پیروکار ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ

کافی ہے [15] اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر

مِّنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے)

يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ [16]

---

[15] حاصل آیت یہ ہے، کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ کافی ہے، اللہ آپ کا حامی و ناصر اور کارساز ہے، آپ ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، اگر تم تعداد میں کم ہو گے تو بھی تمہیں دشمن پر فتح و غلبہ عطاء کروں گا، "ومن اتبعک من المومنین" یہ "حسبک" میں کاف ضمیر پر معطوف ہے، یا بقول امام زجاج یہ مفعول معہ ہے، یا یہ مبتداء ہے اور اسکی خبر محذوف ہے، (ای من اتبعک من المومنین کذٰلک حسبهم الله) حاصل یہ ہے کہ آپ کو اور ایمان والوں کو تمام مہمات میں اللہ کافی ہے (روح، بحر، کبیر، مدارک) لفظ "اللہ" پر اس کو معطوف ماننا غلط ہے، کیونکہ کفایت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور کوئی نہیں، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد: ۱/۳۵، اور ابن تیمیہ نے کتاب الردعلی الاخنائی: ۲۱۳، میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس کا عطف لفظ "اللہ" پر غلط ثابت کیا ہے۔

[16] عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اس سے بعد کی آیت یعنی "الـئٰـن خفف الله "الخ سے منسوخ ہو چکی ہے، شیخؒ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ اگر "حرض المؤمنين على القتال" کو منسوخ مانا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس میں ترغیب الی الجہاد ہے جو بالاتفاق منسوخ نہیں اور اگر "ان یکن منکم عشرون "الخ کو منسوخ مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ =

اَلْـئٰـنَ خَـفَّفَ اللّٰهُ عَـنْـكُـمْ وَعَـلِـمَ أَنَّ فِيْـكُـمْ ضَـعْـفًـا فَـإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں

مِّـــائَةٌ صَابِـــرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ

ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر

بِـإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَـعَ الصَّابِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَـانَ لِـنَبِيٍّ أَنْ يَّكُوْنَ لَهُ أَسْرٰى

غالب رہیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔ پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں

حَتّٰـــى يُثْـــخِـــنَ فِـــى الْأَرْضِ تُـــرِيْـــدُوْنَ عَـــرَضَ الـــدُّنْيَـــا

جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو

وَاللّٰهُ يُـــرِيْـــدُ الْاٰخِـــــرَةَ وَاللّٰهُ عَـزِيْـزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے[17] اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا

= احکام میں ہوتا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے بیس مسلمانوں پر دو سو کافروں سے جنگ کرنا فرض تھا اب اس آیت سے فرضیت منسوخ ہو گئی جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: شـــق ذالک عـــلـــی الـمـسـلـمـيـن اذ فـرض عـلـيـهـم ان لا يـفـر واحـدمن عشـرة فجـآء التخفيف (روح المعانی). لہٰذا اس کو تخفیف کہا جاتا ہے، نسخ نہیں۔

[17] یہ بھی قانون جنگ ہے، جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مسلمانوں نے قید کر لئے تھے ان قیدیوں کے بارے میں چونکہ اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ ابو بکر الصدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی اپنی قوم کے آدمی اور آپ کے رشتہ دار ہیں آپ ان کی جان بخشی فرما دیں، ممکن ہے یہی اسلام قبول کر کے اسلام کے مددگار بن جائیں اور ان سے فدیہ کی جو رقم وصول کی جائے وہ ائندہ

جہاد میں کام آئے گی۔

لیکن عمر فاروقؓ کا مشورہ تھا، یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو وطن سے نکالا، اورآپ سے برسر پیکار ہوئے، آپ ان کی گردنیں اڑا دیں، اکثر صحابہ ابوبکر الصدیقؓ کی رائے سے متفق تھے، خود نبی علیہ السلام کا رجحان طبع بھی اسی طرف تھا۔ چنانچہ فدیہ لے کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالی کی طرف سے یہ عتاب نازل ہوا کہ کسی پیغمبر کو یہ نہیں چاہئے کہ اس کے قبضہ میں مشرک محارب قیدی ہوں اور وہ انہیں قتل نہ کرے اور فدیہ لے کر چھوڑ دے۔

اس ایت کریمہ، اورسورۃ انبیاء (۷۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بھی مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرتے تھے: و المذهب الثانی، وعليه الجمهور، وهو ظاهر مذهب الشافعیؒ كماقاله الماوردیؒ وسليم ، ومذهب احمدؒ، واكثر المالكية، منهم القاضی عبد الوهاب و القاضيان: ابويوسفؒ وعبد الجبارؒ وابو الحسين و القاضی فی (التقريب) انه يجوز لنبيناﷺ وغيره من الانبياء عليهم السلام ذلک، وأومأ اليه الشافعیؒ فی الرسالة" لان الله تعالى خاطب نبيه، كما خاطب عباده، وضرب له الامثال، وامره بالتدبّر و الاعتبار، وهو اجلّ المتفكرين فی ايات الله، واعظم المعتبرين بها، واما قوله تعالى: ان هو الاوحی يوحیٰ[النجم: ۴]. فالمراد به القرآن، لانهم قالوا: انما يعلّمه بشر.

سلمنا ان ضمير للنطق، ولا يلزم منه ماذكرتم، لان الاجتهاد الشرعی ماذون فيه. و الدليل عليه فی الاراء والحروب كثير، كقتله النضر ونحوه فی الامور التی تحری فيها، واختاراحد الجائزين. واما الاحكام فلانه اكمل من غيره، لعصمته من الخطاء، فاذاجاز لغيره الذی هوعرضة للخطاء، فلان يجوز للكامل اولی، ولان العمل بالاجتهاداشق من العمل باليقين فيكون اكثر ثوابا.

پھر اخر میں لکھتا ہے وقال الماوردی و الرؤيانی فی كتاب القضاء، اختلف اصحابنا فی عصمة الانبياء من الخطاء فی الاجتهاد علی وجهين.................. لكن لايقرهم الله عليه ليزول الارتياب به وان جاز ان يكون غيرهم من العلماء مقرا عليه۔

امام زرکشیؒ کتاب ''البحر المحیط'' ۲۴۸/۸، میں لکھتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہﷺ اور دیگر انبیاء بھی مجتہدین تھے، اور اجتہادات کرتے تھے، اور یہ ان کے لئے جائز تھے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے جیسے عام علماء کو مخاطب کیا ہے ایسے ہی اپنے انبیاء کو بھی مخاطب کیا ہے، اور ان کو تدّبر اور اعتبار کا حکم دیا ہے اور ایات اللہ میں متفکرین اور معتبرین میں سے انبیاء کرام زیادہ عظیم الشان تھے، اور ہر وہ جو آیت ہے سورۂ نجم :۴، میں، تو اس سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ جب مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن آپ کو ایک انسان سکھاتا ہے، تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اس کا جواب دیا، اور اگر ہم یہ بات مانیں، کہ یہ آیت عام ہے، تو پھر بھی ان لوگوں کی مدعا ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دنیائی امور سب کے نزدیک اس سے مستثنی ہے، اور جہادی اراء و دیگر انتظامی امور وغیرہ سب کے نزدیک مسلّم ہیں۔ پس جب امتیوں کے لئے یہ امور جائز ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اولی جائز ہیں، اور یہی وجہ بھی ہے کہ اجتہاد اور اعتبار میں تکلیف اور مشقت ہوتی ہے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ تو انبیاء کرام کو اس سے کس طرح محروم تصور کر سکتے ہیں؟ البتہ یہ ہے کہ اگر ان سے اجتہاد میں خطائی واقع ہو جائے تو یہ خطائی دائمی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو تنبیہ دی جاتی ہے۔ اور حدیث ام سلمہؓ میں یہ تصریح بھی ذکر ہے کہ **انما اقضی بینکم برأیی فیما لم ینزل علی فیہ.**

یعنی میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا اپنی رائے سے اس مقدمے میں جس میں کوئی حکم (وحی) مجھ پر نہیں اترا۔

ابوداود:۳۵۸۵، سنن الصغری:۳۲۰/۳، سنن کبری:۲۶۰/۱۰، ومسند ابی یعلی:۲۵۶/۱۲، ومشکل الاثار:۱۶۳/۲، یہ مسئلہ اکثر اصولیوں نے باب الاجتہاد میں ذکر کیا ہے، مثلا المعتمد، ۷۶۲/۲، اللمعہ:۷۶، المتصفی:۳۵۵/۲، مختصر ابن الحاجب:۲۹۱/۲، جمع الجوامع: ۳۸۶/۲، نہایت السول:۲۳۷/۳، وغیرہ۔

سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ
ہوتو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ تو جو مالِ غنیمت تمہیں ملا ہے اسے کھاؤ
حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ
(کہ وہ تمہارے لئے) حلال طیب (ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پیغمبر!
قُل لِّمَنْ فِيٓ أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرٰىٓ إِن يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ
جوقیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے
خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۰﴾
چھن گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
وَإِن يُّرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ
اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے تو یہ پہلے ہی اللہ سے دغا کر چکے ہیں تو اس نے ان کو (تمہارے) قبضے میں کر دیا اور
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
اللہ دانا حکمت والا ہے۔[18] جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال

---

[18] اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت رسول پاک ﷺ کے چچا عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اوران سے بھی فدیہ لیا گیا تھا، ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سوگنی سونا لے کر چلے تھے، تا کہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے، اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا، کہ وہ مع اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمان کا مال غنیمت بن

گیا۔فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں، عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کیوں؟ کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔عباسؓ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جبکہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا، اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی، عباسؓ کے دل میں یہ سن کر نبی کریم ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔اس سے پہلے بھی وہ نبی کریم ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالی نے اس وقت رفع فرما دیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت مسلمان ہو گئے مگر ان کا بہت سارو پیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا، اس لئے اعلان نہیں کیا، اور رسول پاک ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا، فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول پاک ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ جائیں مگر نبی کریم ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

عباسؓ کی اس گفتگو پر رسول پاک ﷺ نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلا دیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالی آپ کو عطا فرما دیں گے۔ چنانچہ عباسؓ اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی انکھوں سے = دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگھوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں، اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم نہیں ہے، اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے، جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُوْلٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ

اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى

ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ

يُهَاجِرُوْا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں

إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

تو تم کو مدد کرنی لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (مدد نہیں کرنی چاہیئے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ

اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے

وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

گا اور بڑا فساد مچے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بخشش

كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کرتے رہے

فَأُوْلٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَأُوْلُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ

وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

فِيْ كِتٰبِ اللهِ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

سورة التوبة(مدنية) [۱]

[۱] سورت برأت شروع ہورہی ہے جس کو سورۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے برأت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار سے برأت کا ذکر ہے اور توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے (مظہری)۔

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصاحف قرآن میں اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی جاتی ہے، اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں ''بسم اللہ'' لکھی جاتی ہے، اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے، ایک ہی سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں، جبرئیل امین جب وحی لے کر آتے تو ساتھ ہی بحکم الٰہی یہ بھی بتلاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول کریم ﷺ کاتبین وحی کو ہدایت فرما کر لکھوا دیتے تھے۔ اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی، تو سورت شروع ہونے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نازل ہوتی تھی، جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہو گئی اب دوسری سورت شروع ہورہی ہے۔ قران مجید کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، سورت توبہ نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے، اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ ''بسم اللہ'' نازل ہوئی اور نہ رسول کریم ﷺ نے کاتب وحی کو اس کی ہدایت فرمائی۔ اسی حال میں رسول کریم ﷺ کی وفات ہو گئی۔ جامع قرآن عثمان غنی نے اپنی دور خلافت میں جب قران مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا، تو سب سورتوں کے خلاف سورت توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ تھی، اس لئے یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے تو وہ کونسی سورت ہو سکتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سورۂ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

عثمان ؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں کو قرینتین یعنی ملی ہوئی کہا جاتا تھا (مظہری) اس لئے سورۂ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا یہ احتیاط تو اس لئے کی گئی کہ دوسرے سورت کا جز ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ علیحدہ مستقل سورت ہو اس لئے لکھنے میں یہ صورت اختیار کی گئی کہ سورۂ انفال کے ختم پر سورۂ توبہ کے شروع سے پہلے کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں ''بسم اللہ'' کی جگہ ہوتی ہے۔

سورۂ برات یا سورت توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن عثمانؓ سے ابوداؤد، رقم:٦٨٦، نسائی کبری:١٠/٥، مسند احمد:١/٥٧، ترمذی:٣٠٨١۔ میں عبداللہ ابن عباسؓ کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے:

ابن عباسؓ نے عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۂ برات جو کہ مئین میں سے ہے ملا دیا؟، اور ان کے درمیان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''، نہیں لکھی، اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات نبی ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اترتی تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو، جس میں یہ ذکر ہے، سورۂ انفال مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور سورۂ برات سب سے آخر میں اتری تھی، بیانات دونوں کے ملتے جلتے تھے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو، نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھی، اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورۂ توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورۂ توبہ علیحدہ سورت نہ ہو بلکہ انفال کا جز ہو، اس احتمال پر یہاں ''بسم اللہ'' لکھنا ایسا نادرست ہوگا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان ''بسم اللہ'' لکھ دے۔

اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کے تلاوت کرتا آیا ہو اور سورۂ توبہ شروع کر رہا ہو وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے، لیکن جو شخص اسی سورت کے شروع یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہئے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر شروع کرے، بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی تلاوت میں کسی حال ''بسم اللہ'' پڑھنا جائز نہیں، یہ غلط ہے اور اس پر دوسری غلطی یہ ہے کہ بجائے ''بسم اللہ'' کے یہ لوگ اس کے شروع میں ''اعوذ باللہ من النار'' پڑھتے ہیں، جس کا کوئی ثبوت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے نہیں ہے۔ اور علیؓ سے جو بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ سورۂ برأت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' امان ہے اور سورۂ برأت میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کیا گیا ہے۔ مستدرک:٣٢٧٣، وروح۔ سو یہ ایک نکتہ اور لطیفہ ہے جو اصلی سبب کی منافی نہیں یعنی اصلی سبب تو یہی ہے کہ سورۂ انفال اور توبہ کے ایک ہونے کے احتمال کی بنا پر ''بسم اللہ''، نہیں لکھی گئی، پھر اس نہ لکھے جانے کا ایک

لطیفہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت میں کفار سے برأت اور رفع امان مذکور ہے جو ''بسم اللہ'' کے مناسب نہیں اس لئے تکوینی طور پر یہاں ایسے اسباب پیدا کر دیئے گئے کہ ''بسم اللہ'' یہاں نہ لکھی جائے۔

سورۂ توبہ کی ایات مذکورہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے چند واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کے سبب یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس لئے پہلے ان واقعات کی مختصر تفصیل لکھی جاتی ہے۔

(۱): پوری سورۂ توبہ میں چند غزوات اور ان سے متعلقہ واقعات کا اور ان کے ضمن میں بہت سے احکام ومسائل کا بیان ہوا ہے مثلا تمام قبائل عرب سے معاہدات کا ختم کر دینا، فتحہ مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ھ ہجری میں، پھر غزوہ حنین اسی سال میں، پھر غزوہ تبوک رجب ۹ھ ہجری میں، پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ھ ہجری میں ہوا۔

(۲): (نبذ عہد) یعنی معاہدات ختم کر دینے کے متعلق جو مضامین ان آیات میں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سن ۶ھ ہجری میں رسول پاک ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی، اس صلح کی میعاد روح المعانی کی نقل کے مطابق دس سال کی تھی، مکہ میں علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی تھے معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول پاک ﷺ کا حلیف ہوکر آپ کے ساتھ ہوجائے چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی کریم ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہوگئے، اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کر لیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے کوئی مدد دی جائی گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی کے حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کو مدد دینا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ سن ۶ھ ہجری میں ہوا، ۷ھ ہجری میں معاہدہ کے مطابق رسول کریم ﷺ مع صحابہ کرام کے عمرہ قضاء ادا کرنے کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے، اور تین روز قیام کر کے حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک کسی فریق کی طرف سے معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوئی۔ اس کے بعد پانچ ماہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ رسول پاک ﷺ بہت دور ہیں اور رات کا وقت ہے آپ تک واقعہ کی تفصیلات پہنچنا مشکل ہے اس حملہ میں بنی بکر کو ہتھیاروں اور اپنے جوانوں سے امداد دی۔

ان واقعات اورحالات کے مطابق جن کو بالاخر قریش نے بھی تسلیم کرلیا وہ معاہدہ صلح ٹوٹ گیا جو حدیبیہ میں دس سال کے التواء جنگ کا ہوا تھا۔قبیلہ خزاعہ جو رسول پاک ﷺ کے حلیف تھے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پا کر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کردی۔

قریش کو بدر، احد، احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی اور ربانی قوت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت وطاقت کا نشہ اتر چکا تھا، اس وقت عہد شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ تو پیدا ہو ہی چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اطلاع پہنچنے کے بعد مکمل خاموشی سے یہ خطرہ اور زیادہ قوی ہو گیا۔مجبور ہو کر ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جا کر حالات کا اندازہ لگائیں، اور اگر رسول کی طرف سے جنگ کی تحریک کا اندازہ ہو تو پچھلے واقعہ پر عذر ومعذرت کر کے ائندہ کے لئے تجدید معاہدہ کرلیں۔ابوسفیان کو مدینہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ کی جنگی تیاریوں کا کچھ علم ہوا تو پریشان ہو کر اکابر صحابہ میں سے ایک ایک کے پاس گئے کہ وہ سفارش کر کے معاہدہ کی تجدید کرادیں مگر سب نے ان کے سابقہ اور لاحقہ تلخ معاملات کے سبب انکار کر دیا۔اور ابوسفیان ناکام واپس آئے، قریش مکہ پر خوف وہراس طاری ہو گیا۔ادھر نبی کریم ﷺ نے حسب روایت البدایہ والنہایہ، لابن کثیر، ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ طیبہ سے صحابہ کرام کی بڑی جماعت کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے کے قصد سے کوچ فرمایا اور بالاخر مکہ فتح ہو گیا۔

فتح کے وقت بہت سے رؤساء قریش جو پہلے سے اسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے تھے، مگر برادری کے خوف سے اظہار نہ کر سکتے تھے اب ان کو موقع مل گیا وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے، اور جو اس وقت بھی اپنے قدیم مذہب کفر پر جمے رہے انکو بھی بجز معدود چند افراد کے نبی کریم ﷺ نے سب کو جان ومال کا امان دے کر پیغمبرانہ اور معجزانہ اخلاق کا وہ ثبوت دیا جس کا دوسرے لوگوں سے تصور بھی نہیں ہوسکتا، ان کی تمام گزشتہ عداوتوں اور مظالم اور بے رحمی کے واقعات کو یکسر نظر انداز فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں آج تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہی تھی، جب کہ وہ والدین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچے تھے: لاتثریب علیکم الیوم یعنی تمھارے ظلم وجور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو کیا ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

بہرحال اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا، مکہ اور اطراف مکہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو جان ومال کا امان دے دیا گیا۔لیکن اس وقت ان غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے ایک قسم تو وہ لوگ تھے جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا، اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب ہوا، دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے صلح کا معاہدہ

کسی خاص میعاد کے لئے کیا گیا، اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج، جن سے ایک مدت کے لئے صلح ہوئی تھی : اور سورت برأت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعاد صلح کے نو مہینے باقی تھے۔ تیسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعین مدت کے ہوا تھا۔ چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

فتح مکہ سے پہلے جتنے مشرکین یا اہل کتاب سے رسول پاک ﷺ نے معاہدات کئے ان کا سب کا یہ تلخ تجربہ مسلسل ہوتا رہا کہ انہوں نے خفیہ اور علانیہ عہد شکنی کی اور دشمنوں سے سازش کر کے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مقدور بھر کوششیں کی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے مسلسل تجربہ اور اشارات الٰہیہ کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا تھا، کہ آئندہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح نہ کیا جائے گا۔ اور جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جائے کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں، لیکن اسلام کے اصول عدل وانصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ کے ماتحت بلا مہلت کے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے سورت برأت کے شروع میں ان چاروں قسم کی غیر مسلم جماعتوں کے جدا جدا احکام نازل ہوئے۔ پہلی جماعت جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے میثاق حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا اب یہ کسی مزید مہلت کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں جنگ وقتال منجانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق تو وہ حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے:

جس کا حاصل یہ ہے: کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا مگر اشہر حُرم کا احترام بہر حال ضروری ہے اس لئے اشہر حرم ختم ہوتے ہی یا وہ جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے۔

اور دوسرے جماعت جن سے کسی خاص میعاد کے لئے معاہدہ صلح کیا گیا اور وہ اس پر قائم رہے ان کا حکم سورۂ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا: یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدہ صلح کر لیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی، تو تم ان کے معاہدہ کو اسکی مدت تک پورا کر دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ حکم بنو ضمرہ اور بنو مدلج کا تھا جس کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی۔ اور تیسری اور چوتھی دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے:

یعنی اعلان دست برداری اللہ تعالی کی طرف سے اور اس کی رسول کی طرف سے ہے، ان مشرکین کے لئے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، سوتم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھرلو۔ اور یہ جان رکھو کہ تم اللہ تعالی کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالی کافروں کو رسوا کرے گا۔

غرض پہلی دوسری آیتوں کی رو سے ان سب لوگوں کو جن سے بلاتعین مدت کوئی معاہدہ تھا یا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا چار مہینے کی مہلت مل گئی۔ اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو تا اختتام معاہدہ مہلت مل گئی جن کے ساتھ کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور پانچویں آیت سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔ ان احکام کا نفاذ اور مہلت کا شروع اس وقت سے تجویز ہوا جب کہ ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے، اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ۹ھ کے ایام حج میں منی وعرفات کے عام اجتماعات میں اس کا اعلان کیا جائے، جس کا ذکر سورۂ توبہ کی تیسری آیت میں آیا:

یعنی اعلان عام ہے عام لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں اس بات کا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین سے۔ پھر اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم نے اعراض کر لیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم اللہ تعالی کو عاجز نہیں کر سکو گے، اور ان کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

چنانچہ اس حکم ربانی کی تعمیل کے لئے رسول کریم ﷺ نے ۹ھ ہجری کے حج میں صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر میدان عرفات اور منی میں جہاں تمام قبائل عرب کا اجتماع تھا یہ اعلان کرا دیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ اس عظیم الشان مجمع کی معرفت پورے عرب میں اس حکم کا مشتہر ہو جانا لازمی تھا، پھر احتیاطاً علیؓ کی معرفت یمن میں بالتخصیص اس کا اعلان کرا دیا۔ اس اعلان عام کے بعد صورت حال یہ ہوگئی کہ پہلی جماعت یعنی مشرکین مکہ کو اشہر حرم کے خاتمہ یعنی محرم ۱۰ھ ہجری کے ختم تک اور دوسری جماعت کو رمضان ۱۰ھ ہجری تک اور تیسری چھوتی جماعتوں کو ۱۰ ربیع الثانی ۱۰ھ تک حدود سے خارج ہو جانا چاہئے، اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہے اس طرح اگلے سال کے زمانہ حج تک کوئی کافر داخل حدود نہ رہنے پائے گا۔ جس کا ذکر سورۂ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں آئے گا۔ اور حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد: ''**لایحجن بعد العام مشرک** :ترمذی: ۳۰۹۱، ابوداود: ۱۹۴۸'' کا یہی مطلب ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ

تو (مشرکو! تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور یہ بھی کہ

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے دن اللہ

وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آ گاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے

وَرَسُوْلُهٗ ۚ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اوراس کا رسول بھی (ان سے دستبردار ہے) پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہ مانو (اور اللہ سے مقابلہ کرتے ہو)

فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳

تو جان رکھو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

البتہ جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہو اور انہوں نے تمہارا کسی طرح کا قصور نہ کیا ہو اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

کی ہو تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہو اسے پورا کرو (کہ) اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے

الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوْا

اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو پھر اگر وہ توبہ کر لیں

وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور نماز پڑھنے اور زکٰوۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ الٰہی سننے لگے

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ

پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو اس لئے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔[۲] بھلا مشرکوں کے لئے (جنہوں نے عہد توڑ ڈالا)

---

[۲] اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا، کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اہل السنۃ، مذاہب اربعہ، متقدمین اور متاخرین اس نظریہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، بعد میں متاخرین مختلف ہو گئے کہ اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو قائم بالذات ہے یا حروف اصوات کا بھی نام ہے، اللہ ان کے ساتھ متکلم ہوا جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا، جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا جیسے چاہا، اور کلام قدیم ہے، بعض معتزلہ قرآن پاک کو غیر مخلوق اس معنی میں کہتے ہیں کہ وہ کلام جھوٹا نہیں اس کا افتراء نہیں کیا گیا، بلکہ وہ سچا کلام ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ معنی تو اس لفظ سے کوئی شخص نہیں لیتا اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک جھوٹا کلام نہیں ہے۔

اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا اللہ کا کلام ہے اس کے ساتھ قائم ہے؟ معتزلہ کے توحید اور صفات میں جو عقائد ہیں یہ ان کی عقل کی پیداوار ہیں کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں، اگرچہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہم تمام مسائل ائمہ سے اخذ کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کو فطرت سلیمہ پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی عقلوں سے صحیح راہ جانچنا چاہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں لیکن شیطان نے بعض لوگوں کو مغالطوں میں ڈال دیا ہے جس سے ان میں یہ افتراق پیدا ہو گیا ہے ارشاد ربانی ہے:"وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید"(البقرۃ: ۱۷۶،

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے ہیں)۔امام طحاوی کا کلام واضح ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ متکلم رہا جب چاہا اور جس طرح چاہا وہ متکلم ہوا، اور اس کا کلام قدیم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول فقہ اکبر:۴۸، میں ہے: **القرآن فی المصاحف مکتوب، وفی القلوب محفوظ، وعلی الالسن مقروء ،وعلی النبیﷺ منزل ،ولفظنابالقرآن مخلوق ،و القرآن غیرمخلوق ،وماذکر اللہفی القرآن عن موسیٰ علیہ السلام وغیرہ وعن فرعون وابلیس فان ذلک کلام اللہاخبارا منھم وکلام موسیٰ وغیرہ من المخلوقین مخلوق، و القرآن کلام اللہ لاکلامھم ،وسمع موسیٰ علیہ السلام کلام اللہفلما کلم موسیٰ کلم بکلامہ الذی ھومن صفاتہ لم یزل، وصفاتہ کلھاخلاف صفات المخلوقین، یعلم لاکعلمنا،ویقدر لاکقدرتنا،ویری لاکرؤیتنا،ویتکلم لاککلامنا انتھیٰ** ۔قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، نبیﷺ پر نازل ہوا، ہمارے الفاظ قرآن مخلوق ہیں، (یعنی انسان کا تلاوت کرنا اس کا عمل ہے اور یہ مخلوق ہے) جبکہ قرآن غیر مخلوق ہے، اور قران پاک میں موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات، نیز فرعون اور ابلیس کے واقعات، یہ سب اللہ کا کلام ہے، اللہ نے ان کے واقعات سے ہمیں خبر دی ہے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کا اپنا کلام مخلوق ہے، اور قران پاک تو اللہ کا کلام ہے ان کا کلام نہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، جب اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو اللہ نے اس سے جو کلام کیا وہ اللہ کی صفات سے ہے جو ہمیشہ ہیں، اور اللہ کی تمام صفات مخلوق کی صفات کے خلاف ہیں، اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اللہ کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں ہے، اللہ کی رویئت ہماری رؤیت جیسی نہیں ہے، اور اللہ کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے۔

خیال رہے جب اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اللہ کا وصف تھا یعنی جب موسیٰ آئے تو اللہ اس کے ساتھ ہم کلام ہوئے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: **فلماجاء موسیٰ لمیقاتناو کلمہ ربہ (الاعراف:۱۴۳)**. اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔اس آیت میں ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا وصف کلام اگرچہ اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے اس کا سننا متصور نہیں، لیکن اللہ فضاء میں آواز فرمالیتا ہے جیسا کہ ابومنصور ماتریدی کا قول ہے۔

معتزلہ کا کہنا (کہ اللہ کا کلام اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق ہے وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور وہ

،**شیئابعدشیء** ، کلام کرتا ہے بالکل صحیح اور درست ہے نیز ان کا کہنا کہ اللہ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اس کا وصف ہے، ظاہر ہے کہ صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے اس کو ماننا اور اس کے مطابق کہنا درست ہے، ہاں ان کا وہ قول تسلیم نہ ہوگا جو عقل اور شرع کے خلاف ہوگا۔لیکن معتزلہ کا یہ کہنا (کہ حوادث کا قیام اللہ کے ساتھ ہے) مجمل ہے، ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون ائمہ ہیں جو اللہ کے ساتھ حوادث کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے جبکہ قرآن وسنت کے نصوص اس پر دال ہیں نیز ائمہ کے نصوص اور صریح عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پیغمبر جو لوگوں سے مخاطب ہوئے ،اور انہیں بتایا کہ اللہ نے فلاں بات کہی فلاں کی منادی دی،اور فلاں سرگوشی کی یا وہ فلاں بات کہتا ہے،ان تمام صورتوں میں ان کا نظریہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کو مخلوق مانتے ہیں اور اس کی ذات سے منفصل مانتے ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، خود اللہ متکلم ہوا، جیسا کہ عائشہ کے واقعہ افک میں وہ خود کہتی ہیں کہ میری شان ایسی کہاں تھی کہ میرے بارے میں اللہ کلام فرماتا، اور وحی نازل فرماتا، کہ اس کی تلاوت ہوتی۔

نیز لغت عرب میں اور میدان عقل میں اس وقت تک کسی کو متکلم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلام کا قیام نہ ہو، معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر ہم نے کلام کو اللہ کے ساتھ متعلق کر دیا تو پھر تشبیہ لازم آئے گی ،اس سے بچنے کے لئے انہیں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے، حالانکہ تشبیہ تو اس سے بھی ختم ہو جاتی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ متکلم ہے لیکن اس کا تکلم ہمارے جیسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اسی طرح تمام صفات سمجھ لیجئے، ہم سوال کرتے ہیں کیا قادر کا تصور قدرت کے بغیر اور کیا حی کا تصور حیات کے بغیر ممکن ہے؟ نبی کریم ﷺ سے ذیل کے دعائیہ کلمات منقول ہیں: کیا آپ جب کلمات اللہ کے ساتھ پناہ طلب کر رہے ہیں تو آپ مخلوق کے ساتھ پناہ مانگ رہے ہیں، ہرگز نہیں کلمات اللہ مخلوق نہیں ہیں، اللہ کے کلمات غیر مخلوق ہیں۔الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔**اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لایجاوزھن بر ولا فاجر(مسنداحمد:۳/ ۴۱۹،عمل الیوم و اللیلة:رقم:۶۴۲)**

میں اللہ کے کلمات کے ساتھ (جو پورے ہیں) پناہ طلب کرتا ہوں جن سے کوئی نیک اور برا انسان متجاوز نہیں ہو سکتا۔

متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کہ کلام بس ایک معنی ہے ،تعدد، تکثر بلحاظ دلالت کے ہے ، بلحاظ مدلول کے نہیں ہے اور کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور عبارتوں کو کلام اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ اس کی

ادائیگی ہوتی ہے ان کو عربی میں پیش کرو تو قرآن ہے عبرانی میں ذکر کرو تو تورات ہے بس اختلاف عبارات میں ہے کلام میں نہیں مجازاعبارات کو ہی کلام اللہ کہا گیا ہے۔

جواب: ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ "لاتقربوا الزنی" کا وہی معنی ہے جو "اقیموا الصلوۃ" کا ہے اور آیۃ الکرسی کا وہی معنی ہے جو آیت مدائینہ کا ہے اور سورت اخلاص کا وہی معنی ہے جو "تبت یدا ابی لھب" کا ہے معمولی غور وفکر رکھنے والا انسان بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔

نیز یہ نظریہ سلف صالح کے نظریہ کے بھی خلاف ہے، پس حقیقت یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن فی الحقیقت اللہ کا کلام ہیں، اور اللہ کے کلام کا انتہا ماننا بھی درست نہیں، وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا اور ہمیشہ کلام کرتا رہے گا۔ جس طرح اس نے چاہا اور جب چاہا ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔ "**قل لو کان البحر مدادالکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنابمثله مددا**" (**الکھف: ۱۰۹**)۔ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے) کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے، اگر چہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔ نیز فرمایا: **ولو ان مافی الارض من شجرة اقلام و البحر یمده من بعده سبعة ابحر مانفدت کلمات الله، ان الله عزیز حکیم(لقمان:۲۷)**.

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب کے سب قلم ہوں اور سمندر کا (تمام پانی) سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

پس اگر جو مصحف میں ہے اس کو عبارت مانا جائے کلام اللہ نہ کہا جائے، توجنب اور بے وضوء انسان کا اس کو ہاتھ لگانا کیسے ممنوع ہوتا اور اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہوتا توجنب اور بے وضوء انسان کے لئے اس کا پڑھنا کیسے ناجائز ہوتا، پس اللہ کا کلام دلوں میں محفوظ ہے زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ لوح محفوظ میں یا کتاب مکنون (پوشیدہ کتاب) یا "رق منشور" (کشادہ اوراق) میں ہے، ان تینوں کا مفہوم ایک ہے، یعنی قران پاک لوح محفوظ میں ہے، یا وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن پاک کے بارے میں اللہ کا یہ قول:۔ **وانه لفی زبر الاولین (الشعراء ۱۹۶)**. اور بے شک وہ

قرآن ضرور پہلی کتابوں میں ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کا بیان پہلی سماوی کتابوں میں موجود تھا، جیسا کہ محمد ﷺ اور آپ کے اوصاف کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں موجود تھا، لیکن یہ معنی درست نہیں کہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے، جب کہ قرآن پاک کو اللہ پاک نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا آپ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا ہمارے اس موقف کی وضاحت ایک دوسری آیت سے بھی ہو رہی ہے ارشاد ربانی ہے: ''الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورات والانجیل'' (اعراف: ۱۵۷) وہ شخص (جس کا وصف) اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

خیال رہے کہ '' زبر'' کا معنی لکھنا اور جمع کا آتا ہے، یعنی اس کا ذکر پہلی سماوی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور لفظ کتاب سے کبھی محل کتابت اور کبھی کلام مکتوب مراد لیا جاتا ہے اور کتاب میں کلام لکھنا اور ان چیزوں کو لکھنا جو خارج میں موجود ہیں ان دونوں میں فرق واضح ہے اس لئے کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں ان کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کتاب میں ذکر ہو۔ اللہ کا کلام جو خارج میں حقیقتاً موجود ہے اولاً بواسطہ جبرئیل، اللہ سے سنا گیا، پھر ہر پہنچانے والے سے اسے سنا جاتا ہے جب سامع اس کو سنتا ہے تو اس کو اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کو حافظہ میں محفوظ رکھتا ہے، پس اس لحاظ سے اللہ کا کلام مسموع، محفوظ، معلوم ہے، جب سامع اس کی قرأت کرتا ہے تو وہ مقروء ہوا۔

اور جب تحریر میں آ گیا تو مکتوب ہو گیا ان تمام صورتوں میں اللہ کا کلام حقیقی ہے اس کی نفی کرنا درست نہیں تو یہ کہنا بالکل جائز نہیں کہ مصحف میں اللہ کا کلام نہیں ہے، اس طرح جب قاری اس کی تلاوت کر رہا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس کو اس نے پڑھا ہے وہ کلام نہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

کیا اس صورت میں مشرک اللہ سے اللہ کا کلام سنے گا وہ تو اللہ کی جانب سے جو مبلّغ ہے اس سے سنے گا پس اس آیت کی روشنی میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں جو کہتا ہے کہ مشرک اللہ کا کلام نہیں سن رہا ہے، وہ تو اللہ کے کلام کی عبارت سن رہا ہے حالانکہ مذکورہ آیت میں کلام اللہ ہے عبارت کلام اللہ نہیں، اور اصل بات یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا عبارت کلام اللہ یا حکایت کلام اللہ ہے کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب وسنت اور سلف امت کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور یہی گمراہی کافی ہے۔

امام طحاوی کا قول (قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس سے اس کی ابتداء ہے، دیگر ائمہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کی طرف ہی اسی کی انتہاء ہے، ان لوگوں کے قول کے مخالف ہے جو کہتے ہیں اللہ کا کلام ایک معنی ہے جس کا سننا ممکن

نہیں اور مسموع، منزل، مقروء، مکتوب، اللہ کا کلام نہیں، وہ تو عبارت کلام اللہ ہے۔ نیز امام طحاویؒ کی اس تشریح سے جہمیہ، معتزلہ، کا رد ہو رہا ہے جو قائل ہیں کہ اللہ نے کلام کا معنی میں خلق کیا تو وہاں سے کلام کا اغاز ہے اللہ سے نہیں، جب کہ سلف امت کا نظریہ ہے کہ اللہ متکلم ہے اس سے کلام کا آغاز ہے مخلوقات سے آغاز نہیں ہے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: **تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم**(الزمر: ۱) اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب کو نازل کرنا ہے۔

نیز: **ولکن حق القول منی** (السجدۃ: ۱۳) میرا قول حق ہے۔ نیز: **قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق**(نحل: ۱۰۲) ، کہہ دو کہ اس (قرآن) کو تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ کی طرف کلام کا انتہا ہوگا اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا کلام سینوں اور مصاحف سے اٹھالیا جائے گا تو سینوں اور مصاحف میں اللہ کے کلام کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ متعدد اثار میں اس کا ذکر موجود ہے۔ امام طحاوی کا قول اللہ کے تکلم کی کیفیت معلوم نہیں اللہ نے اپنے کلام کی فرشتے کے ذریعہ اپنے رسول کی جانب وحی کی۔ جبرئیل نے کلام کو اللہ سے سنا اور جبرئیلؑ سے محمد مصطفی ﷺ نے سنا آپ نے لوگوں پر اس کو پڑھا۔ جیسا کہ سورۂ اسراء: ۱۰۶، اور سورۂ شعراء: ۱۹۳، میں ہے۔

پھر امام طحاویؒ لکھتا ہے: ''اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح مخلوق نہیں'' اس میں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے اور اس قول میں بھی کہ اللہ کا کلام حقیقی معنی میں ہے۔ ان کا رد ہے جبکہ وہ کلام کو ایک معنی کہتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اللہ سے سنا نہیں جاتا، یعنی ان کے ہاں نفسانی کلام ہے اس لئے کہ جس کے ساتھ نفسانی کلام کا قیام ہو اور وہ اس کے ساتھ متکلم نہ ہو تو اس کلام کو حقیقی کلام نہیں کہا جا سکتا، وگرنہ ماننا پڑیگا کہ گونگا انسان بھی متکلم ہے اور ماننا پڑے گا کہ جو کچھ مصاحف میں ہے وہ قرآن نہ ہو اور نہ اللہ کا کلام ہو بلکہ عبارت کلام اللہ ہو۔

جیسا کہ جب ایک گونگا انسان کسی دوسرے شخص کی جانب اشارہ کرے جس سے مقصود سمجھ میں آئے تو وہ شخص معنی کی عبارت کو تحریر کرے پس اس صورت میں مکتوب معنی کی عبارت ہے، یہ ایسی مثال ہے جس کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔

اگرچہ مثال کی مطابقت کے لحاظ سے اللہ کو کوئی شخص گونگا کہنے کے لئے تیار نہیں، البتہ ان کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ فرشتے نے اللہ سے وہ معنی سمجھا جو اس کے ساتھ قائم تھا اگرچہ فرشتے نے اللہ سے کسی آواز کو نہیں سنا

اور نہ کسی حرف کو سنا ہے بس ایک معنی کو سمجھا اس کو تعبیر کیا پھر قرآن پاک کی ترتیب وتالیف کو پیدا فرمایا۔ بلکہ اللہ نے بعض اجسام میں جو فرشتے سے بہت پست درجہ والے ہیں اس قسم کی عبارت کا خلق کیا۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں جو شخص اللہ کے کلام کو ایک معنی سمجھتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے کیا موسیٰ علیہ السلام نے تمام معنی کو سنا، یا بعض کو سنا؟ اگر وہ کہے تمام کو سنا تو یہ قول فاسد ہے اگر بعض کا کہے تو دعویٰ ٹوٹ گیا کہ وہ ایک معنی ہے نیز جب اللہ نے فرشتوں سے کہا: ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة:﴾ (البقرة:۳۰) بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، نیز جب اللہ نے کہا آدم کو سجدہ کروان میں یہ اللہ کا تمام کلام ہے یا بعض کلام ہے اگر کہے تمام ہے تو یہ مکابرہ ہے ،اگر بعض کہے تو معنی ایک نہ رہا اس میں تعدد آ گیا۔ کلام اور قول سے کیا مراد ہے اس میں چار قول ہیں:

پہلا قول: کلام لفظ معنی دونوں کو متناول ہے جیسا کہ لفظ انسان جسم اور روح دونوں کو متناول ہوتا ہے یہ سلف امت کا قول ہے۔

دوسرا قول: کلام سے مراد صرف لفظ ہے اور معنی مسمی کا جز نہیں بلکہ مسمی کا مدلول ہے۔ یہ معتزلہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔

تیسرا قول: کلام صرف معنی کا نام ہے لفظ پر اس کا اطلاق مجازا ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگوں کا ہے۔

چوتھا قول: کلام لفظ اور معنی میں مشترک ہے یہ قول بعض متاخرین کلابیہ کا ہے۔

پانچواں قول: کلام کا لفظ ،کلام اللہ میں مجاز اور انسانوں کے کلام میں حقیقت ہے اس لئے کہ انسانوں کے حروف ان کے ساتھ قائم ہیں۔ پس کلام کا قیام غیر متکلم کے ساتھ نہ ہوا لیکن اللہ کا کلام اس کے ہاں اس کا قیام اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔ تو اس کو اللہ کا کلام کہنا ممتنع ہوا۔ کلام ایک معنی ہے اس پر ایک شعر سے استدلال کیا جاتا ہے جو فاسد ہے ۔شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان الکلام لفی الفؤادوانما جعل اللسان علی الفؤاددلیلا

کلام کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے زبان تو دل کی صرف رھمنائی کا کام دیتی ہے۔لیکن یہ شعر موضوع ہے اگر چہ اخطل کی جانب منسوب ہے جب کہ اس کے دیوان میں نہیں ہے۔بعض لوگوں نے ''ان البیان'' نقل کیا، یہ اقرب الی الصحۃ ہے اس کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے شعر موضوع سے استدلال بالکل ناقص ہے جبکہ اگر صحیحین سے استدلال کیا جائے تو اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ حدیث خبر واحد ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگر چہ علما نے

صحیحین کوشرف قبول سے نوازا ہے نیز جبکہ ہم دیکھتے ہیں عیسائی کلام کا معنی بیان کرنے میں گمراہ ہو گئے انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا اور لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اتحاد ہو گیا، یعنی اللہ اور لوگ ایک ہو گئے تو کیا ہم کلام کے معنی کے سلسلہ میں عیسائیوں کے قول سے استدلال کریں جو کلام کا معنی بیان کرنے میں سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ یعنی انہوں نے کلام کا وہ معنی بیان نہ کیا جو لغت عرب میں ہے، پھر معنی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ ہم اخرس یعنی گونگے کو متکلم کہیں جبکہ کلام کا قیام اس کے دل کے ساتھ ہے زبان سے نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی بات سنی جاتی ہے۔ پس یہ معنی عیسائیوں کے قول کے کس قدر مشابہ ہے جو لاہوت ناسوت کے قائل ہیں، یعنی اللہ اور مخلوق میں وحدت ہے اور اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن اس کا سننا ممکن نہیں اور جس ترتیب کو ہم سن رہے ہیں وہ مخلوق ہے پس قدیم معنی کو مخلوق ترتیب کے انداز سے بتانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح لاہوت کو ناسوت کی شکل میں ظاہر کیا جائے کہ عیسٰی علیہ السلام الہ ہیں یعنی اللہ، عیسٰی علیہ السلام کے وجود میں ظہور پذیر ہے۔

امام طحاویؒ ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہوئے (جو کلام کو معنی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے) ایک حدیث نقل کرتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: **ان هذه الصلاة لايصلح فيها شيء من كلام الناس انماهو التسبيح** ۔الحدیث، ہماری نمازوں میں لوگوں کا کلام درست نہیں (مسلم: ۸۳۶)۔

نیز: **ان الله يحدث من امره مايشاء وان الله احدث من امره ان لاتكلموا في الصلاة،** الحدیث، اللہ پاک احکام میں تجدید فرماتا رہتا ہے، اب جو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو (نسائی فی السنن الکبریٰ: ۱۴۴، وابوداود رقم: ۷۸۹)۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جب نمازی عمداً ابلا مصلحت نماز میں کلام کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن کیا دل میں جو تصدیق کا معنی موجود ہے یا امور دنیوی کی طلب ہے تو اس سے بھی نماز باطل ہوگی۔ ہرگز نہیں نماز کلام کرنے سے باطل ہوگی معلوم ہوا معنی کو کلام کہنا درست نہیں۔

نیز صحیحین میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ان الله تجاوز لامتي عماحدثت به انفسها مالم تتكلم به او تعمل به**، بخاری: ۲۵۲۸، مسلم: ۱۲۷، اللہ نے میری امت کے نفسانی خیالات کو معاف کر دیا ہے، جب تک کہ وہ کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں، معلوم ہوا کہ دل کی خیالات کلام نہیں۔ خیالات آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نماز کلام کرنے سے باطل ہوتی ہے۔ لغت عرب میں کلام کا معنی زبان سے بات کرنا ہے ہمیں شریعت کے احکام عربی زبان میں

ہی بتائے گئے ہیں۔

نیز سنن میں ہے: معاذؓ نے عرض کیا: **یارسول اللہ انا لمواخذون بمانتکلم به؟فقال وهل یکب الناس فی النارعلی مناخرهم الا حصائد السنتهم**،(ترمذی: ۲۶۱۶،ابن ماجة: ۳۹۷۳) یعنی، یارسول اللہ کیا ہم جو زبان سے کہتے ہیں اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والیاں ان کی تیز زبانیں تو ھیں، معلوم ہوا کلام کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور قول، کلام نیز ان سے جو صیغ مشتق ہوتے ہیں کتاب وسنت اور کلام عرب میں ان کا تعین موجود ہے، لفظ، کلام اور قول میں صحابہ، تابعین کرام کے دور میں کچھ نزاع نہ تھا، یہ نزاع متاخرین اہل بدعت علماء میں رونما ہوا، پھر وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اور قول کا مفہوم واضح ہے اس کے بیان کے لئے کسی شاعر کے شعر کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمام اہل زبان متقدمین اور متاخرین کلام کے معنی سے اسی طرح متعارف ہیں جس طرح وہ سر، ہاتھ، پاؤں کے مسمی سے متعارف ہیں نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ کا کلام معنی نہیں جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور نہ ہی مقرو، محفوظ، مکتوب، مسموع کلام اللہ کی حکایت ہے بلکہ کلام اللہ ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے۔ جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اس میں کچھ شعور نہیں ہے جیسا کہ (سورۂ اسراء: ٨٨) میں ہے۔ کیا اس آیت میں اشارہ اس معنی کی جانب ہے جو اس کے نفس میں ہے یا اس سے مراد متلو مسموع ہے ظاہر ہے کہ اشارہ متلو، مسموع کی طرف ہے، اس لئے کہ جو چیز اللہ کی ذات میں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے نہ وہ اتارا گیا ہے، نہ وہ مقرو ہے اور نہ ہی مسموع ہے، اگر اشارہ اس چیز کی طرف ہوتا جو اس کے نفس میں ہے تو یوں کہا جاتا:

لایاتون بمثل مافی نفسی . اور جو چیز اللہ کی نفس میں ہے نہ وہ مسموع ہے نہ اس کی طرف پہنچنا ممکن ہے اور نہ ہی اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ آیت میں اشارہ اس چیز کی حکایت کی طرف ہے جو اللہ کے نفس میں ہے، اور وہ متلو، مکتوب، مسموع ہے، پس اشارہ یا تو اللہ کی ذات کی طرف ہوگا یہ درست نہیں، اس لئے کہ یہ تو صریح قول ہے کہ قران مخلوق ہے بلکہ یہ لوگ تو معتزلہ سے بھی زیادہ کافر ہیں، اس لئے کہ کسی چیز کی حکایت اس کے مثل اور مشابہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اللہ کے صفات کی حکایت بیان کی جاتی ہے، اگر تلاوت حکایت کا نام ہوتا تو سب لوگ اللہ کے کلام کا مثل پیش کر سکتے تھے، اور انہیں عجز حاصل نہ ہوتا اور ان کے خیال میں تلاوت کرنے والا آواز اور حروف کی حکایت

کرنے والا ہے، آواز اور حروف نہیں ہے، حالانکہ قرآن پاک تو سورتوں اور آیات کے مجموعہ کا نام ہے، جو پاکیزہ صحائف میں ہے ارشاد ربانی ہے: "فاتوا بعشر سور مفتریات (هود: ۱۳) ۔تو اس جیسی دس سورتیں لاؤ جو جھوٹ موٹ ہوں ۔

نیز فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ" عنکبوت: ۴۹۔ یعنی بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں ۔

نیز فرمایا: "فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة" (عبس: ۱۳،۱۴) ۔قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں ۔پس جو شخص قران پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، ارشاد نبوی ہے: قال النبی ﷺ امااني لا اقول "الم" حرف ولكن الف حرف ولام حرف وميم حرف. (ترمذی: ۲۹۱۰) ۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف لام دوسرا حرف، اور میم تیسرا حرف ہے، قرآن پاک حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے اسے سنا جاتا ہے ۔

قرآن پاک کے بارے میں نو اقوال ہیں:

پہلا قول: فلاسفہ اور صابیون کا قول ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس کے معانی کا عقل فعال کی طرف سے نفوس پر فیضان ہوتا ہے ۔

دوسرا قول: قرآن پاک مخلوق ہے اللہ سے منفصل ہے یہ قول معتزلہ کا ہے ۔

تیسرا قول: قران پاک معنی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں امر، نہی، خبر، استفہام سبھی اسلوب ہیں، جب ان معانی کو عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو تورات ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال اشعری وغیرہ کا ہے ۔

چوتھا قول: قرآن پاک حروف اور ازلی اوازوں کا نام ہے جو ازل میں مجتمع تھیں، یہ قول بعض متکلمین اور بعض محدثین کا ہے ۔

پانچواں قول: قرآن پاک حروف اور اصوات کا نام ہے اللہ پاک ان کے ساتھ متکلم ہوا اس سے پہلے کہ ان کے ساتھ متکلم نہ تھا یہ قول کرامیہ وغیرہ کا ہے ۔

چھٹا قول: قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کو اپنے علم اورارادہ سے (جواس کی ذات کے ساتھ ہیں) بناتا ہے صاحب المعتبر کا یہی قول ہےاورامام رازی، المطالب العالیہ میں اس کی طرف مائل ہیں۔

ساتواں قول: اللہ کا کلام ایسے معنیٰ کو متضمن ہے جواس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کواس نے اپنی غیر میں مخلوق کیا، یہ قول ابومنصور ماتریدی کا ہے۔

آٹھواں قول: قرآن پاک معنی قدیم قائم بالذات اوران اوازوں کے درمیان جن کو اللہ اپنے غیر میں پیدا فرماتا ہے یہ مشترک ہے یہ قول ابوالمعالی اوراس کے پیروں کاروں کا ہے۔

نواں قول: اللہ پاک ہمیشہ سے کلام کے ساتھ متکلم رہا اس لئے جب چاہا اور جسے چاہا وہ ایسی اواز کے ساتھ متکلم رہا جو سنی جاتی ہےاور کلام قدیم ہے اگر چہ معین اواز قدیم نہیں ہے۔ یہ قول ائمہ حدیث وسنت کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق امام عبدالعزیز مکی اور بشر مریسی کا مناظرہ مشہور ہے'' کتاب الحیدۃ'': ۹:۷۶،۸۰، سے مختصر انقل کرتے ہیں، یہ مناظرہ مامون عباسی کے سامنے ہوا، امام عبدالعزیز مکی کا اصرار تھا کہ مناظرہ میں نص قرآن کے علاوہ کسی دیگر دلیل کو پیش نہیں کیا جائے لیکن بشر مریسی نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ مناظرہ میں اس شرط کو ختم کیا جائے کہ دلیل صرف نص قرآن سے ہو، پھر دیکھنا کہ وہ کس طرح اپنے قول سے رجوع کرتا ہے، اورقران پاک کو مخلوق کہتا ہے، اگراس طرح نہ ہوا تو میں اپنے خون کے حلال ہونے کی اجازت دیتا ہوں، چنانچہ مناظرہ شروع ہوتا ہے امام عبدالعزیز نے دریافت کیا تو پہل کرتا ہے یا میں تجھ سے سوال کروں؟ بشر نے کہا تم پہلے سوال کرو، اوروہ میرے بارے میں پرامید تھا، میں نے کہا تین باتوں میں سے ایک ضروری ہے اولا یہ اقرار کرو کہ اللہ تعالی نے قران پاک کو اپنے نفس میں پیدا کیا (جب کہ میں تو قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہوں) یا یوں کہوں کہ اللہ نے قرآن پاک کواس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے یا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے غیر میں پیدا کیا۔اس نے جوابًا کہا اللہ نے قرآن پاک کو اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور جواب سے گریز کیا، مامون نے بشر کا جواب سنا، تو امام عبدالعزیز سے کہا کہ تم اس کی تشریح کرو، بشر تو ناکام ہو چکا ہے، وہ اب کیا بات کرے گا، چنانچہ مامون کے کہنے پر امام عبدالعزیز نے تشریح کرتے ہوئے کہا اگر بشر کہے کہ اللہ نے اپنے کلام کو اپنے نفس میں پیدا کیا تو یہ محال ہےاس لئے کہ اللہ کی ذات حوادث مخلوقہ کا محل نہیں ہے، اس کی ذات میں کوئی چیز مخلوق نہیں، اگر یہ کہے کہ اللہ نے اس کو اپنے غیر میں پیدا کیا وہ کلام ہے یہ بھی محال ہے اور قائل کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہروہ کلام جس کو اللہ نے اپنے غیر میں

پیدا کیا ہے وہ اللہ کا کلام ہو،اس کو قائل نہیں مانتا،اگر یہ کہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ اس کے نفس اور ذات کے ساتھ قائم ہے تو یہ بھی محال ہے اس لئے کہ کلام تو متکلم سے ہوتا ہے جیسا کہ ارادہ اس سے ہوتا ہے جو ارادہ کرنے والا ہے، اور علم عالم سے ہوتا ہے اور کسی ایسے کلام کا متعقل ہونا ممکن نہیں جو بنفسہ قائم ہو تو جب ان وجوہ سے اس کا مخلوق ہونا محال ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا وصف ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کے کلام کو حرف وصوت سے مرکب ماننا جسمیت نہیں،اور جو ملفوظات کشمیری: ۲۰۰، میں ہے کہ، واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام، حوادث، حرف وصوت، وغیرہ ذات باری کے ساتھ مانتے ہیں، حافظ ابن قیمؒ نے بھی اپنے ''عقیدہ نونیہ'' میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا، جس کا، رد، علامہ کوثری نے ''تعلیقات السیف الصقیل'' میں کیا ہے، اور وہاں شیخ عزالدین و دیگر اکابرامت کے فتاوی نقل کر دئے ہیں، ان فتاوی سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا، اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی، جو کفر ہے۔

لیکن اس کا یہ قول صحیح نہیں، بلکہ اس مسئلے کی پوری وضاحت امام الحرمین کے والد ''ابومحمد عبداللہ بن یوسف الجوینی'' نے اپنی ایک رسالہ جس کا نام ''رسالة فی اثبـــات الاستواء و الفوقية ومسئلة الحرف و الصوت فی القرآن المجید'': ۱/۱٦۱. میں کیا ہے کہ، **والتحقیق هو ان اللّٰہتعالی قدتکلم بالحروف کمایلیق بجلاله وعظمته، فانه قادر،و القادر لایحتاج الی جوارح ولاالی لهوات، وکذلک له صوت کمایلیق به، یسمع ولایفتقر ذلک الصوت المقدس الی الحلق و الحنجرة ،کلام اللّٰہتعالی کمایلیق به، و صوته کمایلیق به، ولاننفی الحرف و لاالصوت عن کلامه سبحانه لافتقارهمامناالی الجوارح و اللهوات، فانهمامن جناب الحق تعالی لایفتقران الی ذلک ،وهذاینشرح الصدرله ویستریح الانسان به من التعسف و التکلف۔**

اور تحقیق یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے حروف کے ساتھ کلام فرمایا، جیسا کہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہیں، کیونکہ وہ قادر ہے اور قادر مطلق کو اعضاء اور حلق کے کوے کی حاجت نہیں ہوتی، اور اسی طرح (اس کے کلام) کی سنی جانے والی آواز ہے، جیسا کہ اس کے لائق ہے اور یہ مقدس آواز حلق اور نرخرے کی محتاج نہیں، اللہ تعالی کا کلام ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے اور اس (کلام) کی آواز ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے۔ہم اللہ سبحانہ کے کلام سے حرف وصوت کی نفی (انکار) اس وجہ سے نہیں کرتے کہ ہم اعضاء اور حلق کے کووں کے محتاج ہیں (بلکہ ان صفات کا اقرار کرتے ہیں) کیونکہ حق تعالی کی جناب (ذات) ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے اور یہ وہ بات ہے جس پر شرح صدر ہوتا ہے اور تعسف اور تکلف سے (دور رہ کر) انسان

کوآرام پہنچتا ہے۔(مسئلة الحروف و الصوت: ۱۱،ضمن الرسائل المنيرية ۱/۱۸۴.)

اورابراہیم نخعی نے ابوالعالیہ الریاحی کی تعلیم القرآن میں احتیاط کے بارے میں فرمایا:أظن صاحبكم قدسمع انه من كفر بحرف منه فقد كفر به كله ،میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے ساتھی نے یہ سنا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا انکار کیا تو اس نے سارے قرآن کا انکار کیا۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۵۱۳)۔

اورابوسعید خدریؓ سے جولمبی روایت نقل ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فينادى بصوت ،ان الله يأمرک ، الحديث۔صحیح بخاری: رقم:۴۸۳۷۔

امام بخاری اپنی کتاب ''خلق افعال العباد:۹۲، میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتا ہے:وفي هذادليل ان صوت الله لايشبه اصوات الخلق ،یعنی اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالی کی اواز مخلوق کی اواز سے مشابہ نہیں ہے۔اسی قسم کی روایات زیادہ ہے صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مجموع فتاوی:۱۲/۵۷۹، میں شیخ الاسلام لکھتا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بعض مبتدعین نے حرف اورصوت کا صریح انکار کر کے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔علماء اہل السنۃ کی ان واضح تصریحات کے مقابلے میں کوثری کی اس عبارت کی کوئی وقعت باقی نہ رہی، جوکہ مقالات الكوثرى:بدعة الصوتيه حول القرآن:۲۷، میں ہے کہ:والواقع ان القرآن في اللوح، وفى لسان جبرئيل عليه السلام ،وفى لسان النبي ﷺ،والسنة سائر التالين ،وقلوبهم و الواحهم مخلوق حادث محدث ضرورة، ومن ينكرذلک يكون مسفسطا ساقطا من مرتبة الخطاب،وانما القديم هو المعنى القائم بالله سبحانه،يعنى الكلام النفسى فى علم الله جل شانه فى نظراحمدبن حنبلؒ وابن حزم ،وقدصح عن احمدقوله فى المناظرة: القرآن علم الله وعلم الله غير مخلوق۔

اورواقعی یہ ہے کہ لوح محفوظ ،زبان جبرئیل علیہ السلام،زبان نبی ﷺ،اورتمام تلاوتِ قرآن کرنے والوں کی زبانوں،دلوں اورتختیوں پرقرآن مخلوق حادث ہے جوکہ ضروریات (بدیہی حقیقتوں) کا مسئلہ ہے۔جوشخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بدیہیات کا منکر اور وہمیات کا قائل ہے،وہ اس مرتبے سے ساقط ہے کہ اس سے گفتگو کی جائے۔قدیم تو وہ معنی ہے جواللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہے،احمد بن حنبل اورابن حزم کی نظر میں وہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلام نفسی کے معنی میں ہے۔احمد سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے مناظرے میں کہا:قرآن اللہ کے علم میں سے ہے اوراللہ کا علم مخلوق نہیں ہے۔

لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ
اللہ اوراس کے رسول کے نزدیک عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ)
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ
کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول واقرار (پر) قائم رہو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ
دوست رکھتا ہے ۔(بھلا ان سے عہد) کیونکر (پورا کیا جائے جب ان کا یہ حال ہے) کہ اگر تم پر غلبہ پا لیں
إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ
تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل (ان باتوں کو) قبول نہیں کرتے اور ان
فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِآيٰتِ اللهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ
میں اکثر نافرمان ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں
إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا
کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا
ذِمَّةً وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ
اور یہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے
وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾
اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور سمجھنے والے لوگوں کے لئے ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں
وَإِنْ نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ
اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو

الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ أَلَا تُقَاتِلُوْنَ
(یہ بے ایمان لوگ ہیں اور) ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آ جائیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو
قَوْمًا نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِإِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ
جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر (الٰہی) کے جلا وطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی)
وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ
ابتداء کی کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ ڈرنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہے بشرطیکہ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ
ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ
عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ
دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا ۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دُور کرے گا اور
وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾
جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے
أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ
کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو متمیز کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کئے
وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ
اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ
واقف ہے مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ
جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں
خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ
اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یہی لوگ یقین ہے کہ
يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ
ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔ [3] کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ محترم (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا

---

[3] یہ مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی عمارت و آبادی کو اپنا نام دیتے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عباسؓ جب اسلام لانے سے پہلے غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر و شرک پر قائم رہنے سے عار دلائی، تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں یاد رکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے اور اس کا انتظام کرنے اور حجاج کو پانی پلانے وغیرہ کی خدمات کے متولی بھی ہیں؟ اس پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ''ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجداللہ'' یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں، کیونکہ مسجد صرف وہی جگہ ہے جو ایک اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے، شرک و کفر اس کی ضد ہے، وہ عمارت مسجد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

عمارتِ مسجد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے: ایک ظاہری در و دیوار کی تعمیر، دوسرے مسجد کی حفاظت اور صفائی اور ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے ،اور اس پر فخر کیا کرتے تھے ان آیات میں اللہ تعالی نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی عمارت کا کوئی حق نہیں، جبکہ وہ خود اپنے کفر وشرک کے گواہ ہیں، ان لوگوں کے اعمال حبط اور ضائع ہوگئے، اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔خود اپنے کفر وشرک کی گواہی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ افعال واعمال کے سبب گویا خود اپنے کفر وشرک کی گواہی دے رہے ہیں اور یا یہ کہ عادۃً جب کسی نصرانی یا یہودی سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو نصرانی یا یہودی کہتا ہے اسی طرح مجوس اور بت پرست اپنے کافرانہ ناموں ہی سے اپنا تعارف کراتے ہیں یہی ان کے کفر وشرک کا اعتراف اور شہادت ہے(ابن کثیر)۔

اور عمارت مسجد کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ یہ کام مشرک کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در ودیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)۔

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کو چندہ دیدے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا، یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا، یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو(رد المختار،شامی،مراغی)۔

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت ،صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لئے یا علم دین اور قران پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:﴿**انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ**﴾(**الترمذی: ۵۰۹۰ کتاب التفسیر ،ومسنداحمد: ۶۸/۳**)۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالی=

الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ ط
اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟
لَا يَسْتَوُنَ عِنْدَ اللهِ ط وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِينَ آمَنُوا
یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جولوگ ایمان لائے
وَهَاجَرُوا وَجٰهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
اور وطن چھوڑ گئے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے اللہ کے ہاں
أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ ط وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿۲۰﴾
ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾
ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے نعمت ہائے جاودانی

=اس کے لئے جنت کا ایک درجہ تیار فرما دیتے ہیں (بخاری:۶۶۲،مسلم:۶۶۹)۔اور سلمان فارسیؓ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " ان المساجد بیوت اللہ فی الارض وانه لحق علی الله ان یکرم من زاره فیها" (مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۲۹۶ وشعب الایمان:رقم:۲۹۴۳) زمین پر اللہ کے گھر مساجد ہیں،اور جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالی کی زیارت کرنے والے مہمان ہے اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں،مثلاً خرید وفروخت دنیا کی باتیں کسی گمشدہ چیز کی تلاش یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال یا فضول قسم کے اشعار جھگڑا،لڑائی اور شور وشغب وغیرہ۔(مظہری)۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہے۔ (اور وہ) ان میں ابدالآباد رہیں گے کچھ شک نہیں کہ اللہ کے ہاں بڑا صلہ (تیار) ہے۔ اے اہلِ ایمان!

لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ

اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ

وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

(یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہیں مدد دی ہے

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

اور (جنگِ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی

وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵

اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے

ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا

پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر

لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے) اتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[4]

---

[4] آیات مذکورہ میں غزوہ حنین کے واقعات شکست وفتح کا اوران کے ضمن میں بہت سے اصولی اورفروعی مسائل اورفوائد کا بیان ہے جیسا کہ اس سے پہلے سورت میں فتح مکہ اوراس کے متعلقات کا ذکر تھا،شروع آیت میں حق تعالی نے اپنے اس انعام واحسان کا ذکرفرمایاہے ،جومسلمانوں پر ہرموقع اور ہرحالت میں مبذول رہاہے ارشادفرمایا: ﴿ولقدنصر کم اللہفی مواطن کثیرۃ ﴾ یعنی حق تعالی نے تمہاری مدد فرمائی ،بہت سے مقامات میں،اوراس تمہید کے بعد خصوصیت کے ساتھ فرمایا﴿ویوم حنین﴾ یعنی غزوہ حنین کے دن بھی حق تعالی کی مدد پہنچی ۔غزوہ حنین کی خصوصیت اس وجہ سے فرمائی ہے کہ اس میں بہت سے واقعات اورحالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے ،جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اورعمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے،اس لئے ایات مذکورہ کی لفظی تفسیر سے پہلے اس غزوہ کے ضروری واقعات جوحدیث وتاریخ کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں کسی قدر تفصیل سے بیان کردینا مناسب ہے،تا کہ ایات مذکورہ کے سمجھنے میں آسانی ہواور جن فوائد کے لئے یہ واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ سامنے آجائیں ،ان واقعات کا بیشتر حصہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے جس میں بحوالہ کتب حدیث وتاریخ واقعات کا ذکر ہے۔

حنین: مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان ۸ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوااورقریش مکہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنوثقیف بھی تھے،ان میں

ہل چل مچ گئی۔انہوں نے جمع ہوکر یہ کہنا شروع کیا کہ فتح مکہ ہوجانے کے بعد مسلمانوں کوکافی قوت حاصل ہوگئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رُخ ہماری طرف ہوگا،اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کی حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خودان پرحملہ کردیں،اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جومکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کرلیا۔اس قبیلہ کے سب سے بڑے چھوٹے بجز معدودے چندافراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی سب ہی جمع ہوگئے۔اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہوگئے، اوراسلام کے بڑے علم بردار ثابت ہوئے،اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہیں میں تھا،قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کرکے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں،اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی دوشاخیں بنوکعب،وبنوکلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئی،اللہ تعالی نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی۔انہوں نے کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمدؐ کے خلاف جمع ہوجائے گی تو وہ ان سب پر بھی غالب آئیں گے،ہم الٰہی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے،باقی سب کے سب نے معاہدے کئے۔اور مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں،اوراپنا اپنا پورامال بھی ساتھ لے کرنکلیں،جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے،میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع نہ رہی ،ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کوقرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا،اوربعض علماء نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ ممکن ہے کہ سب اہل وعیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہو،اورلڑنے والے جوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریمﷺ کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی،تو آپﷺ نے ان کے مقابلہ پر جانے کا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسیدؓ کو امیر بنایا،اورمعاذ بن جبل کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا۔اورقریش مکہ سے اسلحہ اورسامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا۔صفوان بن امیہ جوقریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامان جنگ ہم سے غصب کرکے لینا چاہتے ہیں؟ رسول کریمﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں،جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی، یہ سن کراس نے سوزرہیں مستعار دیں،اورنوفل بن حارث تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کردیئے۔امام زہریؒ کی روایت کے مطابق رسول کریمﷺ چودہ ہزار صحابہ کالشکر لے کراس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے، اوردو ہزار وہ

مسلمان تھے جو مکہ اوراطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، جن کو ''طلقاء'' کہا جاتا ہے، شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ اس غزوہ کے لئے نکلے اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام '' خیف بنی کنانہ'' کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہوکر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا ان کے ساتھ مکہ کے بیشمار لوگ مرد وعورت تماشائی بنکر نکلے جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہو تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے، جنہوں نے بعد میں مسلمان ہوکر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میرا باپ حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوش انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم ﷺ پر حملہ کردوں، میں ان کے ساتھ ہوکر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے، اور وہ بھاگنے لگے، تو میں موقع پا کر نبی کریم ﷺ کے قریب پہونچا، مگر دیکھا کہ داہنی طرف عباسؓ آپ ﷺ کی حفاظت کررہے ہیں، اور بائیں طرف ابوسفیان بن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کررہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کردوں کہ یکایک آپ کی نظر مجھ پر پڑی اور آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ، اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کردے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہوجاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کررہا تھا، اور بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، جب نبی کریم ﷺ اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کردی، کہ تم مکہ سے اس نیت پر چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے۔ مگر حق تعالی کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہوکر رہا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو سہل بن حنظلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ خبر لیکر حاضر ہوئے کہ گھوڑے سوار آدمی ابھی دشمن کے طرف سے آیا ہے وہ بتلارہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آگیا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروا نہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔ اس جگہ ٹھیر کر نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن حداد کو جاسوس بنا کر بھیجا، کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی

قوم میں جا کر دو دن رہے۔سب حالات دیکھتے سنتے رہے ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد کو ابتک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرف صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی ہلہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی جنگ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی پہلے سے زیادہ تھا، اور یہ لوگ بدر اور احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی ،تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

''مالک الملک والملکوت'' کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا، ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا، تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں، جنھوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہئے کہ واپس ائیں اور نبی کریم ﷺ یہاں ہیں۔عباسؓ کی آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں اللہ تعالی نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں چھپا، اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ
مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا
الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا
إِنْ شَآءَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے
وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں
وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ
اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے
يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى
ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں
الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ
کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے
كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾
یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں
اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ
انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابنِ مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا

وَمَا أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلَٰهًا وَّاحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے[5]

---

[5] ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں مسند احمد: ۱۹۳۸۱، وابن حبان: ۱۸۳/۱۶، ومعجم کبیر: ۲۰/۱۲، و۹۹/۱۷، وترمذی رقم: ۵۰۹۳، کی وہ حدیث نقل کی ہے جو کہ عدی بن حاتمؓ سے منقول ہے کہ: انه لمابلغته دعوة رسول اللهﷺ فرّالی الشام ،وکان قدتنصّرفی الجاهلية ،فاسرت اخته وجماعة من قومه،ثم من ّرسول اللهﷺ علی اخته واعطاها،فرجعت الی اخيها،ورغبته فی الاسلام وفی القدوم علی رسول اللهﷺ،فقدم عدی المدينة،وکان رئيسافی قومه طئ،وابوه حاتم الطائی المشهوربالكرم ،فتحدث الناس بقدومه،فدخل علی رسول اللهﷺ وفی عنق عدی صليب من فضة،فقرأرسول اللهﷺ هذه الاية،قال فقلت انهم لم يعبدوهم ،فقال بلی،انهم حرمواعليهم الحلال،واحلوالهم الحرام،فاتبعوهم،فذلک عبادتهم اياهم، وقال رسول اللهﷺ ياعدی ماتقول؟أيفرّک ان يقال "الله اکبر"؟فهل تعلم شيئااکبرمن الله؟مايفرّک؟ ايفرّک ان يقال لااله الاالله؟فهل تعلم من اله الاالله؟ثم دعاه الی الاسلام فاسلم،وشهدشهادة الحق،قال:فلقدرأيت وجهه استبشر ثم قال:ان اليهود مغضوب عليهم،و النصاری الضالون.

یعنی عدی بن حاتمؓ کو رسول اللہﷺ کا دین پہنچا،تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا، یہاں اس کی بہن اوراس کی جماعت قید ہوگئی پھر نبیﷺ نے بطوراحسان اس کی بہن کو آزاد کردیا،اوررقم بھی دی، یہ سیدھی اپنے بھائی کی پاس گئیں، اورانہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا، کہ تم رسول کریمﷺ کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ یہ مدینہ منورہ آگئے تھے، اپنی قوم طے کے سردار تھے، ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی، لوگوں نے رسول کریمﷺ کو خبر پہنچائی، آپﷺ خودان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی، نبیﷺ کی زبان سے اسی آیت (اتخذوا) کی تلاوت ہورہی تھی، توانہوں نے کہا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی، آپﷺ نے فرمایاہاں سنو! ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے، اور جسے ان کے =

يُرِيدُونَ أَنْ يُّطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللهُ إِلَّآ أَنْ يُّتِمَّ نُورَهُ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ

کافروں کو بُرا ہی لگے۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا

دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ مومنو! (اہلِ کتاب کے)

إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ

بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا

اور (ان کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں

= علماء اور درویش حلال بتلا دیتے اسے حلال سمجھنے لگے، یہی ان کی عبادت تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا عدی! کیا تم اس سے منکر ہو کہ اللہ تعالی سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ تعالی سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکاری ہو کہ معبود برحق اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے مان لی اور اللہ تعالی کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر اللہ کا غضب اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔

حذیفۃ بن یمانؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے، کہ اس سے مراد حلال وحرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذابِ الیم کی خوشخبری سنا دو۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیاجائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو

وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جوتم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جوتم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں یعنی) اس روز (سے)

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ

کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کتابِ الٰہی میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں ان میں سے چار مہینے

حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

ادب کے ہیں یہی دین کا سیدھا رستہ ہے تو ان مہینوں میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ

اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ إِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرنا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں

يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا

ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تا کہ حرمت کے مہینوں کی جو اللہ نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کر لیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

اور جواللہ نے منع کیا ہے اس کو جائز کرلیں ان کے بُرے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت

الْكٰفِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا

نہیں دیا کرتا۔[6] مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے)

---

[6] پچھلی آیات میں کفار ومشرکین کے کفروشرک، گمراہی اور بداعمالیوں کا ذکر تھا، ان دوآیتوں میں بھی اسی سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم کا بیان اور مسلمانوں کواس سے اجتناب کی ہدایت ہے، وہ رسم بدایک واقعہ سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے، کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے، اوران میں سے چار مہینے بڑے متبرک اورادب واحترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے، تین مہینے مسلسل، ذیقعدہ، ذی الحجۃ، محرم اورایک رجب۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہرعبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اوران میں کوئی گناہ کرے تواس کا وبال اورعذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندرقتل وقتال بھی ممنوع تھا۔ مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسماعیل علیہ السلام کے واسطہ سے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے قائل اوران کی شریعت کو ماننے کا دعوٰی کرتے تھے۔

اور چونکہ ملت ابراہیم علیہ السلام میں بھی ان چار مہینوں (اشہرحرم) میں قتل وقتال اورشکارممنوع تھا، عرب جاہلیت پراس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوارتھی کہ دور جاہلیت میں قتل وقتال ہی ان کا پیشہ بن کررہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے، کبھی اشہرحرم کے کسی مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یالڑتے لڑتے شہرحرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلامہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے کہ اس سال محرم کامہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کامہینہ حرام ہوگا۔

اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کامہینہ پہلے آگیا محرم بعد میں آئے گا، اس طرح محرم کوصفر بنادیا، غرض سال بھرمیں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اورتعین

کا لحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں، اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں، جس کو چاہیں مقدم کر دیں، اور جس کو چاہیں موخر کر دیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گذر گئے اور سال کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے، تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے، غرض دین ابراہیم کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل وقتال سے باز رہتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا، کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ اور ذی الحجۃ یا رجب کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو موسم حج میں تمام کفار ومشرکین سے برأت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگر چہ ذی الحجۃ کا مہینہ تھا مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجۃ کے ذی القعدہ مقرر تھا۔ پھر سن ۱۰ھ میں جب رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے منی کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''**عن أبی بکرةؓ أن النبیﷺ خطب فی حجته فقال: "إن الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق الله السمٰوات والأرض، السنة إثناعشر شهرا منها أربعة حرم ثلاث متوالیات، ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان**'' [أبو داؤد باب أشهر الحرم: ۲/۱۴۰]. یعنی زمانہ پھر پھرا کر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اللہ تعالی نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعین میں کمی بیشی اور ردوبدل کر کے کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں، یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں، مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکواۃ وغیرہ کے احکام۔ بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم وموخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا، لیکن اس کے نتیجے میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا، قران کریم کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت

ہے۔پہلی ایت میں ارشاد ہے:''ان عـدة الشهور عندالله اثناعشر شهرا''،اس میں لفظ'' عدة''تعداد کے معنی میں ہے،اور''شهـور''،شهـر کی جمع ہے،معنی یہ ہے کہ حق تعالی کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد''فی كتاب الله'' کا لفظ بڑھا کر بتلایا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی پھر:''يوم خـلـق السمٰوات والارض'' فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضاالٰہی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان وزمین پیدا کیے گئے۔پھر ارشاد فرمایا:''منهـا اربـعة حـرم''،یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ایک تو ان لئے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں،ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے،ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہوگیا،مگر دوسرا حکم احترام وادب اور ان میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک مہینہ رجب کا ہے مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے،بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں اور قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے وہ ماہ رجب مراد ہے۔

''ذلک الـديـن القيم'' یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصًا اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو حق تعالی کے حکم ازلی کے مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے،اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر وتبدل کرنا کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔

''فـلاتـظـلـمـوا فيهـن انفسكم ''یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرو،یا ان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے،اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں

سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اس لئے ان مہینوں سے فایدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورت میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔ دوسری آیت میں بھی رسم جاہلیت کا ذکر اس طرح فرمایا: ''انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر'' لفظ ''نسی'' مصدر ہے جس کے معنی پیچھے ہٹا دینے اور مؤخر کر دینے کے ہیں اور بمعنی مؤخر بھی استعمال ہوتا ہے۔

مشرکین عرب نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری اغراض نفسانی بھی فوت نہ ہونگی، اور حکم الہی کی تعمیل بھی ہوجائے گی ،حق تعالی نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں اور زیادتی ہے، جس سے ان کفار کی گمراہی اور بڑھتی ہے کہ وہ شہر حرام کو کسی سال تو حرام قرار دیں اور کسی سال حلال کرلیں۔ ''لیواطؤ اعدۃ ماحرم اللہ '' یعنی تا کہ وہ پوری کرلیں گنتی ان مہینوں کی جن کو حق تعالی نے حرام قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ محض گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی ، بلکہ جو حکم جس مہینہ کے لئے دیا گیا تھا، اس مہینہ میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ ایتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں، وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العلمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمادئے تھے، اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکواۃ وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن کریم نے تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے۔

''لتعلموا اعدد السنین و الحساب '' اس لئے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے لیکن اللہ تعالی نے اپنے احکام کیلئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے، اس لئے بلاضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيْتُم بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا تَنفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑی تکلیف

عَذَابًا أَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

کا عذاب دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو اللہ کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان

شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ

نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تمہیں یاد ہوگا)

أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا

جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکر تھے) دوسرے (خود رسول

فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ

اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ

نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور

كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ [7]

---

[7] عن انس بن مالکؓ ان ابابکر قال نظرت الی اقدام المشرکین علی رؤوسنا ونحن فی

الغار،فقلت یارسول اللہلوان احدھم نظرالی قدمه ابصرنافقال یاابابکرؓ!ماظنک باثنین اللہ ثالثھما(بخاری:۳۶۵۳ ومسلم: ۲۳۸۱). انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ابوبکرصدیقؓ نے بیان فرمایا، جب ہم غار میں چھپے ہوئے تھے اور میں نے مشرکوں کی پیروں کی طرف دیکھا، جو گویا ہمارے سروں پر تھے، تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہﷺ اگران میں سے کسی ایک کی بھی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی گئی تو ہم کو دیکھ لے گا، نبی کریمﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ان دوشخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے؟

''غار'' سے مراد مشہور پہاڑ جبل ثور کے بالائی حصہ کی وہ غار ہے جس میں نبی کریمﷺ نے مکہ سے مدینہ کو سفر ہجرت کے دوران تین راتیں بسر فرمائی تھیں، اور ابوبکر صدیق آپﷺ کی ساتھ تھے، جبل ثور مکہ کے مشرقی جنوبی سمت تقریباً چھ (۶) میل کے فاصلے پر واقع ہے، جب نبی کریمﷺ اللہ تعالی کے حکم سے اپنا وطن عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کیلئے مکہ سے روانہ ہوئے اور آپﷺ کی روانگی کے بعد مشرکین مکہ کو جیسے ہی پتہ چلا، انہوں نے اپنے گماشتے آپﷺ کی تعاقب میں روانہ کردیئے، ان کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو نبی کریمﷺ کو مکہ واپس لایا جائے، نبی کریمﷺ اپنے رفیق سفر ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جبل ثور کے اس غار میں چھپے ہوئے تھے، کہ اچانک ان گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی۔

اس غار کا محل وقوع اس طرح کا ہے کہ اگر کوئی شخص غار کے باہری کنارہ پر کھڑا ہو تو غار کے اندر موجود شخص کی نظر اس کے پیروں پر پڑتی ہے، اور اگر باہری کنارہ پر کھڑا ہوا شخص نیچے نظر کرکے اپنے پیروں کی طرف دیکھے تو وہ غار کے اندر موجود شخص کو بڑی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔

چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کے گماشتے نبی کریمﷺ کی تلاش میں اس غار تک پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ بالکل غار کے منہ پر کھڑے ہوئے ہیں، جوں ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان کے اپنے پیروں کی طرف جائے گی، وہ ہمیں دیکھ لے گا، اور اس طرح نبی کریمﷺ پر دسترس کا موقع ان لوگوں کو مل سکتا ہے، ابوبکر صدیقؓ نے اپنی اس تشویش کا اظہار آپؐ کے سامنے کیا لیکن آپؐ نے بڑے یقین کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ ہم اور تم وہ دو شخص ہیں جن کے ساتھ ایک تیسری ذات اللہ تعالی کی مدد و نصرت بھی ہے۔ ہمارا پروردگار ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں اپنے دشمنوں کے چنگل میں پڑنے سے بچائے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالی نے =

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

تم سبک بار ہوں یا گراں بار (یعنی مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو بہت، گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے رستے میں مال اور جان سے لڑو

ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا

یہی تمہارے حق میں اچھاہے بشرطیکہ سمجھو۔ اگر مالِ غنیمت آسان ہوتا اور سفر بھی

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

ہلکا سا ہوتا تو تمہارے ساتھ (شوق) سے چل دیتے لیکن مسافت ان کو دُور (دراز) نظر آئی (تو عذر کریں گے)

وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ‌ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ۚ

اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور نکل کھڑے ہوتے یہ اپنے تئیں

= اپنے پیارے رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے پیارے ساتھی ابو بکر صدیقؓ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ وہ مشرکین مکہ جو غار کے بالکل منہ پر کھڑے ہوئے اپنی تیز نگاہوں سے ادھر ادھر نبی کریم ﷺ کو تلاش کر رہے تھے اور اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسی غار میں موجود ہیں، عین موقع پر حوصلہ ہار بیٹھے، نہ تو ان کو آگے تلاش کا موقع ملا اور نہ انہیں پیروں کی طرف غار کے اندر دیکھنا نصیب ہوسکا، صرف اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ اور نبی کریم ﷺ کے معجزہ کا ظہور تھا۔

طیبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان مشرکوں کے حق میں یہ بددعاء فرمائی تھی: اے اللہ! انکی انکھوں کی بینائی معطل کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے ان سب کو اس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھومتے تھے مگر اس کے اندر موجود نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کو دیکھنے پر قادر نہ ہوسکتے تھے، اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس موقع پر کبوتروں نے غار کے منہ پر انڈے رکھ دیئے اور مکڑیوں نے جالا تن دیا، یہ بھی معجزہ ہی تھا۔

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی

ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔[8] اللہ تمہیں معاف کرے تم نے پیشتر اس کے کہ

---

[8] آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں،

یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے اور نبی کریم ﷺ کا تقریبا آخری غزوہ ہے تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا رسول کریم ﷺ ۸ھ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ چکے تھے اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔ مگر جس ذات کے بارے میں حق تعالی نے پہلے ہی :لیظھرہ علی الدین کلہ'' نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دیدی تھی اس کو اور اس کے رفقاء کار کو فرصت کہاں، مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتون کا تیل لا کر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحد شام پر جمع کر دی ہیں، اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی ساز باز ہے، ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں، جب رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع پہونچی تو آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمالیا، کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں (تفسیر مظہری بحوالہ محمد یوسف صالحی)۔

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا اور مدینہ کے لوگ عموما زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پوری سال کے گذارہ کا مدار تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں، ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب امدنی کی امید، اس پر مزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ ۸ مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی صبر آزما امتحان

تھا۔مگر وقت کا تقاضا تھااور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی،اور یہاں ہرقل،شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا،اس لئے رسول کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیدیا اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔ یہ اعلان عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا اور منافق دعویداروں کا امتحان بھی،اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہوگئے۔

قران کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جداجدا ارشادات فرمائے ہیں، ایک حالت ان کامل مکمل اشخاص کی تھی جو بلاتردد جہاد کے لئے تیار ہوگئے، دوسری وہ لوگ جو ابتدً ا کچھ تردد کے بعد ساتھ ہوگئے ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا''**الـذيـن اتبعوه فی ساعة العسـرةمن بعدماكاديزيغ قلوب فريق منهم**'' یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریم ﷺ کا اتباع کیا،بعداس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بناپر اس جہاد میں نہ جاسکے،اس کے متعلق قرآن کریم نے ایت:''**لیـس علی الضعفاء ولاعلی المرضی** ''میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمادیا۔چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں''**اخـــرون اعترفوابذنوبهم** ''اور''**آخرون مرجون لامرالله**'' اور''**وعلى الثلاثة الذين خلفوا**''الایۃ،تینوں آیتیں ایسے ہی افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں ان کی کاہلی پر زجروتنبیہ بھی ہے اور بالآخران کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپا نہ سکا اور شرکت جہاد سے الگ رہا اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہیں: ''**وفيـكم سمٰعون لهم**'' ''**ولئن سـألتـمـوهـم لیـقولن**'' ''**وهموابمالم ينالوا**'' ۔لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئے،اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے=

يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہو جاتے جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت کیوں دی؟

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور جان سے جہاد کریں اور اللہ ڈرنے والوں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے

=اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا مقابلہ پر نہیں آیا رسول کریم ﷺ اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔ جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر شریک جہاد نہیں ہوئے پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا۔

تیسری آیت میں رسول کریم ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلایا گیا کہ حق تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت اور امداد کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا جب آپ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے آپ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے۔

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ان کی دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں ڈانواڈول ہو رہے ہیں

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا

فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ

تو ان کو ملنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم

مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ

یہ پہلے بھی طالبِ فساد رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا

وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ

اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ بُرا مانتے ہی رہ گئے۔ اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے

وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور فتنہ میں نہ ڈالئے دیکھو یہ آفت میں پڑ گئے ہیں اور دوزخ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں

قَدْ أَخَذْنَآ أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾
کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں
قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا
کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو وہی ہمارا کارساز ہے۔
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا
اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہئیے۔ کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو
إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ
اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے
عِنْدِهٖٓ أَوْ بِأَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ أَنْفِقُوْا
یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے) تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ تم (مال)
طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾
خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم نافرمان لوگ ہو
وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ
اور ان کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا
وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔
فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا
تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾
اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾
اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں
لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾
اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار و مغاک یا (زمین کے اندر) گھسنے کی جگہ مل جائے تو اسی طرح رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا
اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل
رَضُوْا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا
جائے تو خوش رہیں اور اگر نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔ اور اگر وہ اس پر خوش رہتے
مَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے
وَرَسُوْلُهٗٓ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ
اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) ہمیں (پھر) دے دیں گے اور ہمیں تو اللہ ہی کی خواہش ہے (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ
صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیفِ قلب
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ
منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی

فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾

مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئیے یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[9]

---

[9] اس آیت میں مصاریف زکواۃ بیان کئے گئے ہیں۔ جو کہ آٹھ ہیں: جن میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے، جملہ ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء نے اس کو جہاد فی سبیل اللہ میں مقصور کیا ہے، اور جہاد ومجاہدین کی جتنی ضروریات ہیں تمام کے تمام پر زکواۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ جبکہ بعض علماء کی رائے ہے کہ جملہ ''فی سبیل اللہ'' لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور اس کے لئے کوئی مخصص نہیں ہے۔ جبکہ بعض احادیث میں بھی اس جملہ کے عموم کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ '': ان الحج و العمرة من سبیل اللہ، اخرجه ابو داود رقم: ۱۹۸۸.

عن یزید بن ابی مریم قال لحقنی عبایة بن رفاعه بن رافع وانا ماش الی الجمعة فقال ابشر فان خطاک هذه فی سبیل اللہ سمعت اباعبس یقول قال رسول اللہ ﷺ من اغبرت قدماه فی سبیل اللہ فهما حرام علی النار۔ یزید بن مسلم کہتا ہے کہ عبایہ بن رفاعہ مجھے راستے میں ملا جبکہ میں نماز جمعہ کے لئے جارہا تھا، تو آپ نے مجھے کہا کہ خوش ہو جاؤ (اس عمل پر) کیونکہ تمہارے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں، میں نے ابوعبسہ سے سنا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جس کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ (ترمذی مع التحفہ :۱۶۳۲، بخاری: ۹۰۷) اور اسی عموم کی طرف امام طحاوی اپنی کتاب احکام القرآن میں اشارہ فرماتا ہے، یہ قول کہ (فی سبیل اللہ) یہ امداد کرنا ہے اہل سبیل اللہ کے ساتھ، اور پھر آگے لکھتا ہے: اور اسی طرح وہ حاجی بھی ہیں جن کے پاس خرچہ ختم ہوا ہو، بہت تفصیل کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ دیکھو یہ ابن عمرؓ ہے اور آپ نے حج کو جانا فی سبیل اللہ میں شمار کیا ہے، اور محمد بن الحسن کتاب سیر الکبیر ص: ۲۰۷۶، ج ۵، میں اس آدمی کے متعلق لکھتا ہے جو فی سبیل اللہ اپنے مال میں ثلث کی وصیت کرے، کہ وصیت حاجی منقطع کے بارے میں نافذ کی جائے، اور کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول نقل نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے اس قول کے خلاف مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل سبیل اللہ ﷺ صرف غازی ہیں (اور جو امام محمد نے اس کے بارے میں نقل کیا ہے، بنسبت قول امام ابو یوسف مجھے زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ یہ حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ احکام القرآن: ۲/۳۷۰۔ تو مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ لفظ ''سبیل اللہ'' عام ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں اس لفظ کے عموم کی طرف اشارہ ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ طلب علم ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج فی طلب العلم کان فی سبیل اللہ حتی یرجع. انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ گھر واپس نہ آجائے۔ رواہ الترمذی: ۲/۲۴۲، و الضیاء المقدسی فی المختارہ ۶/۱۲۴ و ابن عبدالبر فی جامع بیان العلم: ۶۲ و الطبرانی فی الصغیر: ۱/۲۳۴ و اخبار اصفہان: ۱/۱۰۲ و العقیلی: ۲/۱۷. ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور اسی طرح عبدالملک الدھیش نے تعلیق المختار میں کہا ہے، اور اس کیلئے حدیث ابی ہریرہ بھی شاہد ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ: عن ابی ھریرۃؓ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من جاء مسجدی ھذاء، لم یأت الالخیر، یتعلّمه اویعلّمه، فھو بمنزلة المجاھدفی سبیل اللہ ومن جاء لغیر ذلک فھو بمنزلة الرجل ینظر الی متاع غیرہ. ابن ماجة: ۲۲۷. شعب الایمان: رقم: ۱۶۹۸. میں نے نبی ﷺ سے سنا: کہ جو شخص میری اس مسجد میں داخل ہوا محض اس غرض سے کہ نیک کام سیکھے یا سکھلائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہم مرتبہ ہے، اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ ورواہ ابن حبان: ۱/۲۸۸، واخرجه الحاکم فی المستدرک (قدیم: ۱/۹۱) وجدید: ۱/۲۸۱، وصححه الحاکم ووافقه الذھبی ورواہ ابن ابی شیبه فی مصنفه ۲/۲۲۷، وقال البوصیری فی زوائدہ ھذااسنادصحیح احتج مسلم بجمیع رواته: ۵۹ ۔ورواہ احمدفی مسندہ: ۱۴/۲۵۷. سندی ومظاہر حق: ۱/۵۰۳، وغیرہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ، آپ ﷺ نے اپنی مسجد کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت وفضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلی وارفع ہے، اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں، اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔ شرح سنن ابی ماجه: ۱/۱۰۱. وله شاھداخر من حدیث سھل بن سعدعند الطبرانی: رقم: ۵۹۱۱، ص ۶/۱۷۵. سہل بن سعد سے روایت ہے کہ: ان النبی ﷺ قال من دخل مسجدی ھذالیتعلم خیرا اولیعلمه کان بمنزلة المجاھدفی سبیل اللہ، ومن دخله لغیر ذلک من احادیث الناس کان بمنزلة من یری مایعجبه وھو شئ غیرہ.

یقیناً نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری مسجد میں داخل ہوا، اس لیئے کہ وہ خیر سیکھے اور سکھائے تو یہ مجاہد فی سبیل

اللہ کے مرتبہ میں ہے اور جو اس کے علاوہ دوسری جگہ میں داخل ہوا ہو جیسے لوگوں کی باتیں تو یہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جومن یری مایعجبہ ھو شیء غیرہ ۔اور اس حدیث کے لئے ابی بکر بن عبدالرحمٰن کی روایت شاہد ہے اور یہ ابی بکر علماسبعہ مشہورین میں سے ہے وہ فرماتے ہیں:من غدا اوراح الی المسجدلایریدغیرہ لیتعلم خیرا اویعلمہ ثم رجع الی بیتہ الذی خرج منہ کان کالمجاھدفی سبیل اللہ رجع غانما.مؤطا،۲/۷۸.(روایة الشیبانی).

جومسجد کی طرف روانہ ہو جائے بس خیر سیکھنے اور سکھانے کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ ہو اور پھر اپنے گھر کو لوٹ جائے تو یہ فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے اور واپس ہوا مال غنیمت کے ساتھ:۲۱۷/۶۔

اورکعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ: ان رجلامرّعلی النبیﷺفرأی اصحاب رسول اللہﷺمن جَلَدِہ ونشاطہ مااعجبھم،فقالوا یارسول اللہلوکان ھذافی سبیل اللہفقال رسول اللہﷺان کان یسعی علی ولدہ صغارًا فھوفی سبیل اللہ،وان کان یسعی علی ابوین شیخین کبیرین ففی سبیل اللہ وان کان خرج یسعی علی نفسہ لیعفّھا ففی سبیل اللہ ،وان کان خرج یسعی علی اھلہ ففی سبیل اللہ ،وان کان خرج یسعی تفاخرا وتکاثرا ففی سبیل الطاغوت. المعجم الکبیر:رقم:۹۴۰.شعب الایمان ۱۱/۱۵۸. ہم سب لوگ دربار نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نبی کریمﷺ کے سامنے سے گزرا، نبی کریمﷺ کے ساتھیوں نے (جب) اس کی تندرستی اور چھریرا پن دیکھا تو کہنے لگے:اللہ کے رسول! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا۔(یعنی اس کی یہ چستی اور تندرستی جہاد میں کام آتی) رسول اللہﷺ نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے کمانے نکلا ہے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔اور اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ماں، باپ کے لئے کمانے نکلا تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے،اور اگر یہ خود اپنے لئے کمانے نکلا ہے تا کہ پاکدامن اور باعزت رہ سکے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ ہاں اگر یہ شخص فخر وریا اور شان وشوکت کی خاطر کمانے نکلا ہے تو یہ راہ شیطان میں ہے۔

اوراسی طرح یہ جہاد باللسان ہے،حدیث میں ہے کہ''جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم '' کہ مشرکین کے ساتھ اپنے مال،نفس،اورزبان سے جہاد کرو۔رواہ احمد:۲۷۲/۱۹، ابوداود ۲۵۰۴،و الدارمی: ۲۴۷۱،و المستدرک:۲/۸۱، و البیھقی: ۲۰/۹. اس مسئلہ کی تائید اور وضاحت کیلئے بعض علماء کی عبارات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ا: عبداللہ بن عبدالرحمن البسام نے اپنی کتاب ''الاختیارات الجلیۃفی المسائل الخلافیۃ'': ۴۰۵/۱، میں اس مسئلے کو تفصیل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: معنی ''وفی سبیل اللہ'' علماء کا اجماع ہے کہ زکواۃ صرف کرنے کے آٹھ اقسام جو قرآن کریم میں ذکر ہیں ''انما الصدقات للفقراء'' آلایۃ کہ زکواۃ فقراء کے لئے ہے الخ۔ بس یہی ہیں، تو ان اقسام میں ایک ''فی سبیل اللہ'' ہے، اس کی تفصیل میں علماء نے دو اقوال ذکر کئے ہیں:

ا کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی ہے خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، امام ابوحنیفہؒ نے غازی فقیر کو مقید کیا ہے۔ یہ قول جمہور علما مفسرین، محدثین اور فقہاء جو کہ متبع ائمہ اربعہ ہیں نے ذکر کیا ہے۔

۲ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے عام مصالح ہیں۔ یہ قول علماء کے ایک گروہ نے نقل کیا ہے اور اس میں سے اکثر معاصرین علماء بھی ہیں اور ان کی دلیل (فی سبیل اللہ) کے الفاظ ہیں اس کا حصر و تخصیص کسی خاص شخص وافراد میں جائز نہیں مگر دلیل کے ساتھ، لیکن ان کے پاس دلیل تخصیص نہیں، اور جو دلائل جمہور علماء کے مصالح عامہ میں زکواۃ نہ صرف کرنے کے ہیں، تو وہ دلائل مشہور ہیں، سلف میں سے اس پر کسی نے قول نقل نہیں کیا، اور لفظ ''سبیل اللہ'' عام مسلمانوں کے نزدیک جہاد میں محدود ہے، اور اس باب میں صحیح احادیث بھی ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، لیکن یہ بطور تمثیل اور قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی، اور ایت کو آٹھ اقسام میں مقصور کیا گیا ہے اور اس سے مصالح عامہ مراد نہیں ہیں۔ اور مجلس مجمع فقہی کا اس نے درج ذیل مقالہ ذکر کیا ہے: الحمدللہ رب العلمین ،و الصلاۃ و السلام علی نبینا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین، وبعد ۱۴۰۵/۰۴/۲۷، ۱۴۰۵/۰۵/۰۸، ہجری۔

آیت کریمہ میں ''فی سبیل اللہ'' کا معنی اور اس میں مناقشہ کرنے میں علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی ہیں اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' تمام کار خیر اور مسلمانوں کے مصالح عامہ، جیسے مساجد کو تعمیر کرنا، اور اسی طرح مدارس اور ہر وہ کار خیر جو مسلمانوں اور دین کے لئے مفید ہو۔ اور اس قول کو متقدمین میں سے اور متاخرین میں سے اکثر علماء نے نقل کیا ہے۔ (۲) اگر دیکھا جائے کہ دوسرا قول جس کو علماء المسلمین کے ایک طائفہ نے ذکر کیا ہے تو ان کے لئے بعض ایات کریمہ میں غور وفکر کرنے کا کچھ حصہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ''الذین ینفقون فی سبیل اللہ ولا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی'' (البقرۃ: ۲۶۲)۔ جو اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں۔

اور اسی طرح احادیث میں ذکر ہے: جیسا کہ ابوداؤد: ۶۰۹/۱، میں ہے کہ: کان ابو معقل حاجا مع رسول

اللهﷺفلماقدم قالت ام معقل قدعلمت ان عليّ حجة، فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه، فقالت يارسول اللهان عليّ حجة ،وان لابى معقل بكرا،قال ابومعقل صدقت جعلته فى سبيل الله،فقال رسول اللهﷺاعطها،فلتحج عليه،فانه في سبيل الله، فاعطاها البكرفقالت يارسول اللهانني امرأة قدكبرت وسقمت فهل من عمل يجزئ عني من حجتي؟ قال عمرة فى رمضان تجزئ حجة.ابوداود: ١/٢٠٨.

ام معقلؓ نے کہا: کہ ابومعقلؓ حج کرنے کو نکلے رسول اللہﷺ کے ساتھ، جب آئے توام معقلؓ نے کہاتم جانتے ہوکہ مجھ پرحج لازم ہے، پھردونوں ام معقلؓ اورابومعقلؓ چلے، یہاں تک کہ رسول اللہﷺ کے پاس آئے، ام معقلؓ نے کہایارسول اللہ!ابومعقلؓ کے پاس ایک اونٹ ہے اور مجھ پرحج فرض ہے ابومعقلؓ نے کہایہ سچ کہتی ہے، میں نے اس اونٹ کواللہ کی راہ میں وقف کیاہے، آپﷺ نے فرمایاتووہ اونٹ ام معقلؓ کودے، وہ اس پرسوارہوکرحج کریگی، یہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، ابومعقلؓ نے وہ اونٹ ام معقلؓ کودے دیا، ام معقل نے کہایارسول اللہ! میں ایک بوڑھی اور بیمارعورت ہوں کوئی کام ایسا ہے جوکافی ہومجھ کوحج سے؟ آپﷺ نےفرمایا! رمضان کے مہینے میں ایک عمرہ کرناحج کے بدلےکافی ہوسکتا ہے۔

(۲) اگردیکھاجائے کہ ملحدین، یہودونصاریٰ اوردین اسلام کے دوسرے دشمنوں کے ساتھ، اوروہ لوگ جوان کے ساتھ مادی اورمعنوی مددکرتے ہیں فکری وعقیدوی جنگ مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں، تومسلمانوں پرلازم ہے کہ ان ملحدین، یہودونصاریٰ کے ساتھ ان اسلحوں سے مقابلہ کریں جویہ ملحدیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اوران اسلحوں سےلڑیں جواس سے بھی زیادہ قوی ہو۔

(۳) اور مسلح جہادکامقصداعلائے کلمۃ اللہ اوردین اسلام کی اشاعت ہے، اوراس کے لئے داعین تیارکرناتمام مسلمانوں کافریضہ ہے، تویہ دونوں کام اس حدیث کی وجہ سے جوامام احمد اورنسائی نےنقل کی ہےاورحاکم نےتصحیح کی ہے، جہادہیں، انسؓ سےمنقول ہے کہ نبی کریمﷺ نےفرمایا: کہ مشرکوں کےساتھ جہادکرواپنے مال، نفس، اورزبان کےساتھ۔

(۴) اسی طرح اگردیکھاجائے کہ اسلامی ممالک میں جہاد اوردعوت کے لئے کوئی خاص وزارتیں نہیں، اوراکثرممالک میں اس کے لئے کوئی معقول فنڈنہیں ہے، اس لئے علماءمجلس میں اکثر نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ دعوت کا کام ’’فی سبیل اللہ‘‘ میں داخل ہے۔ شیخ محمدابراہیم نے کہاہے کہ یہاں ضروری بات یہ ہے کہ زکواۃ داعین کے افرادی ومالی قوت اوردین کے لئے دفاعی مراکزتعمیرکرنے میں خرچ کیاجائے، یہ ’’فی سبیل اللہ‘‘ میں عظیم سبیل ہے۔

قونوی نے اس ایت کی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ جوبھی دینی کام ہیں، مردوں کی تکفین وتجہیز کرنا، دشمن سے بچاؤ کے لئے قلعیں بنانا، یا مساجد وغیرہ بنانا، ان سب میں زکوۃ خرچ کرنا جائز ہے۔(۴۶۴/۹)۔

اس طرح صاحب اللباب نے قفال کا قول نقل کیا ہے، اور پھر کہا ہے کہ اللہ تعالی کا یہ قول کہ ''فی سبیل اللہ'' ان سب کو عام ہیں(۲۴۷/۱۰)۔اور کاسائیؒ نے بدائع الصنائع:(۳۷/۴) میں لکھا ہے: کہ اللہ تعالی کے قول ''فی سبیل اللہ'' سے مرادوہ تمام چیزیں ہیں جن سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔یعنی ہر وہ شخص جو طاعت اللہ کی طرف کوشش کرتا ہے اور ہر کار خیر میں اس کا احتیاج ہوتو صرف کیا جاسکتا ہے۔اور صدیق حسنؒ نے فتح البیان:(۱۵۱/۴) میں لکھا ہے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' عام ہے، ایک خاص قسم میں اس کا حصر کرنا ناجائز ہے، اوراس میں تمام خیر کے کام داخل ہیں، جیسا کہ میتوں کی تکفین اور تجہیز، پل بنانا، قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔امام رازیؒ نے تفسیر کبیر:(۱۱۳/۱۶) میں لکھا ہے کہ'' فی سبیل اللہ'' اس ظاہر لفظ سے غازیوں میں حصر لازم نہیں آتا، پس اس معنے کی وجہ سے قفالؒ نے لکھا ہے کہ بعض نے زکواۃ خرچ کرنے کو خیر کے کاموں میں جائز قرار دیا ہے۔ قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔اس لئے کہ قول ''فی سبیل اللہ'' عام ہے۔

اورابوالمظفر السمعانیؒ اپنی تفسیر(۳۴۴/۴) میں'' فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ یہ غازیوں اور حاجیوں کو بھی شامل ہیں اور''سبیل اللہ'' سے مراد طاعت اللہ ہے۔

سید سابقؒ نے فقہ السنۃ(۴۹۶،۴۹۷/۱) میں لکھا ہے کہ''فی سبیل اللہ'' سے مراد وہ راستہ ہے جو اللہ تعالی کی رضا تک پہنچاتا ہو، جیسے علم اوراس پر عمل۔اور آگے لکھتا ہے کہ اس میں مسلمان فوجیوں کا ہسپتال بھی داخل ہے، اوراسی طرح ہر کار خیر، جیسے راستوں کو درست کرنا، مسلمان فوج کے لئے لڑاکہ طیاروں کے اڈے بنانا، جنگی طیارے خریدنا، خندقیں کھودنا، اور ہر وہ چیز جس کا خرچ کرنا اس زمانے اہم اور ضروری ہو دین اسلام کی تائید کے لئے۔مثلاً ایک تنظیم جو کہ داعیان حق تیار کرتی ہے، جس طرح کفار اپنے دین کے نشر واشاعت کیلئے یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔اوراس میں علوم شرعیہ کی وجہ سے جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے۔مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔اوراسی حالت میں مدارس کے مدرسین کو بھی دیا جائے، کیونکہ وہ اپنا وقت مدارس میں گذارتے ہیں اور لوگوں کو اپنے علم سے فوائد پہنچاتے ہیں اور دوسرے دنیاوی کاموں سے منقطع رہتے ہیں۔

طنطاویؒ نے تفسیر الوسیط میں :(۲۰۲/۶) میں لکھا ہے کہ''سبیل اللہ'' سے مراد وہ راستہ ہے جس میں سہولت ہو، اور بہت راستوں پر محیط ہو، اوراس کی اضافت اللہ تعالی کی طرف ہو۔اس اشارہ کی وجہ سے کہ یہ سبیل حق ہے، اور باطل اس پر اثر انداز نہیں ہوتا پھر آگے لکھتا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ''سبیل اللہ'' حج ادا کرنے والے کے ارادے کو بھی شامل ہے،

اور بعض علما نے لکھا ہے کہ دینی طالب علموں کو بھی شامل ہے، اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ یہ لفظ تمام تقربات الٰہیہ کو شامل ہے

اور رشید رضاؒ اپنی تفسیر المنار میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' مال خرچ کرنے کے ہمارے زمانے میں مصاریف یہ ہے کہ داعین تیار کئے جائیں اور کفار کے ممالک کو بھیجے جائیں الخ۔

پھر آگے لکھتا ہے اس میں علوم شرعیہ کے واسطے مدارس اور ہر وہ چیز جس میں مصلحت عامہ ہو پر خرچ کرنا شامل ہے، اور اس مال سے مدرسہ کے مصاریف اور اساتذہ پر بھی خرچ کیا جائے، جب تک وہ اپنے فرائض پورے سرانجام دیتے ہیں، اور دنیاوی کاروبار سے منقطع ہوں: (۵۰۶/۱۰)۔

اور جمال الدین القاسمیؒ اپنی تفسیر القاسمی (۲۴۱/۸) میں لکھتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کو غازیوں تک محدود کرنا واجب نہیں ہے، اس وجہ سے تو قفال نے بعض فقہاء سے اس کا عموم بیان کیا ہے جیسا کہ آگے گذر گیا ہے۔

اور اسی طرح نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ اپنی کتاب الروضۃ الندیۃ: (۲۰۶/۱) میں لکھتا ہے کہ ''سبیل اللہ'' سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ اور جہاد ہے، تو اس کا حصر قتال میں نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ ہر اس راستہ کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہو، اور یہ آیت کا لغوی معنیٰ بھی ہے۔

اور اسی طرح احمد المصطفیٰ المراغی نے اپنی تفسیر المراغی: (۱۴۵/۱۰) میں لکھا ہے کہ حق بات یہ ہے ''سبیل اللہ'' سے مراد مصالح المسلمین ہے الخ۔

اور امام محمد آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی (۱۴۳/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ ''سبیل اللہ'' سے مراد طالب علم ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ نے اس کا حصر کیا ہے، اور بدائع نے عموم ذکر کیا ہے کہ تمام خیر کے کاموں کو شامل ہے۔

محمد علی تفسیر آیات الاحکام: (۵۵/۴) اور عبدالکریم زیدان نے المفصل فی احکام المرأۃ میں بہت تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آیت ''فی سبیل اللہ'' تمام مجاہدین اسلام کو شامل ہے، اسے ایک قسم جہاد کو خاص کرنا صحیح نہیں، اس لئے جہاد سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، تو جہاد باللسان اور جہاد بالمال سب کو شامل ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: مشرکین سے جہاد کرو مال کے ساتھ نفس اور زبان کے ساتھ الخ۔

اور جو شخص تفصیل چاہتا ہے تو وہ تفسیر المنار کو رجوع کرے، وکذافی فقه الزکواة للدکتور یوسف.

باقی قبض کا جو مسئلہ ہے تو وہ اس میں علی سبیل التوکیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جہاد میں امیر جہاد یا عاملین علی الزکواۃ یا خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے حیات مبارکہ میں کیا تھا۔ دیکھئے المغنی لابن قدامة: ۱۹۶/۷ .

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ أُذُنٌ ؕ قُلْ أُذُنُ
اوران میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے (ان سے) کہہ دو کہ (وہ) کان (ہے
خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا
تو) تمہاری بھلائی کے لئے وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں
مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾
ان کے لئے رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذابِ الیم تیار ہے۔
يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُّرْضُوْهُ
مومنو! یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کر دیں حالانکہ
إِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّهٗ مَنْ
اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو اللہ اور اس کے پیغمبر خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص
يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَأَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا ؕ
اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے تو اس کے لئے جہنم کی آگ (تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا
ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ
یہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت (نہ) اتر آئے
تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا إِنَّ اللهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾
کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کر دے کہہ دو کہ ہنسی کئے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اس کو ضرور ظاہر کر دے گا
وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ
اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے کہو

أَبِاللّٰهِ وَآيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ [10]

[10] شاتم رسول اللہ ﷺ کا شرعی حکم

حق و باطل ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آراء اور برسر پیکار رہے ہیں، اہل باطل داعیان حق کے مقابلے میں نت نئے حربوں کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ جناب نوح علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء کرام دنیا میں توحید کا علَم بلند کرنے اور غلبۂ حق کے لئے تشریف لائے تو منکرین حق نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ انہیں برے القاب سے نوازا، ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا بازار گرم کیا حتی کہ حق کے دشمنوں نے بعض انبیاء کرام کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل سے قبل جتنے انبیاء کرام تشریف لائے ان کی قوموں (مشرکین) نے ان کو جسمانی اذیتیں بھی دیں اور دشنام طرازی سے بھی کام لیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جس قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی اور ان پاک ہستیوں کو طعن و تشنیع اور سب و شتم کا نشانہ بنایا وہ ''یہود'' ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی تمام تر حدیں پائمال کیں۔ بے غیرت اور بزدل لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ سامنے آ کر مقابلہ کرنے کے بجائے اکثر اوقات گالی گلوچ اور سب و شتم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہودیوں کی ہی صفت یوں مذکور ہے: ﴿لایقاتلونکم جمیعا الا فی قریً محصنة اومن ورآء جد ر بأسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى ذالک بأنهم قوم لايعقلون﴾ [الحشر۱۴]۔ ''وہ تم سے سب ملکر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم انبیاء کو ایذا رسانی اور ان کے سب و شتم سے گریز کریں اور یہودیوں جیسے نہ بنیں۔ ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾. ۶۹ [الاحزاب]. ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی (ستایا) پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بڑے معزز تھے''۔

قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وتوقیر پر بہت زور دیا گیا ہے، بالخصوص جناب محمد مصطفی ﷺ کی توقیر وتعظیم کے متعلق آیات قرآنیہ بہت زیادہ ہیں، مضمون کی مناسبت سے ہم یہاں ان آیات کریمہ کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے جناب نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو اجاگر کرنے کے ساتھ آپ کی ایذاء رسانی سے منع فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت سورۃ توبہ کی ہے: ﴿ومنهم الذين يؤذون النبی ويقولون هو اذن قل اذن خيرلكم يؤمن بالله ويؤمن للمؤمنين ورحمة للذين امنوا منكم ط والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم﴾[التوبه ۶۱].

سورۃ توبہ کی یہی آیتیں اس مضمون کی پوری وضاحت کرتے ہیں، ۶۵، ۶۶۔

ان آیات سے شاتم رسول (ﷺ) کا حکم بھی واضح ہوا۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ ''مواھب الرحمٰن'' لکھتے ہیں:

''مسئلہ: جو کوئی کسی آیت پر یا نبی ﷺ کا کلام جان کر حدیث پر یا مسئلہ شرعی پر اس راہ سے کہ حکم شرعی ہے، یا نبی ﷺ پر استھزاء کرے، یا استخفاف کرے، یا عیب لگادے، وہ کافر ہے، اور اگر دل ہی میں رکھے زبان سے نہ کہے تو وہ منافق حقیقی ہے۔ اور اگر اس کے دل میں شیطان نے ان باتوں کے ساتھ وسوسہ ڈالا، اور اس نے ایسا وسوسہ بہت برا اور شیطانی دھوکا جانا تو وہ مؤمن ہے۔'' [مواھب الرحمٰن: ۱۰/۱۵۶]۔

تیسری آیت وما كان لكم ان تؤذوارسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدًا. ان ذالكم كان عندالله عظيما﴿۵۳﴾[الاحزاب]. ''اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دو، اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔''

چوتھی آیت:۔﴿ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنيا والاخرة واعدلهم عذابا مهينا﴿۵۷﴾ والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنٰت بغير ما كتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبينا﴿۵۸﴾ [الاحزاب]. ''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے، اور جو ایماندار مرد اور عورتوں کو نا کردہ گناہوں پر ستاتے ہیں، سو وہ اپنے سر بہتان اور صریح گناہ لیتے ہیں۔''

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جو نبی ﷺ کو سب وشتم کرتا ہے وہ یہودی ہے، اگر پہلے مؤمن تھا تو اس گستاخی سے کافر اور مرتد ہوا اور اس کے لئے عذاب الیم ہے، جب کہ سورۃ احزاب والی آیت میں اس کو دنیا اور آخرت میں ملعون قرار دیا ہے اور فرمایا کہ مؤمن کی یہ صفت قطعی نہیں ہوسکتی۔

مذکورہ بالا آیات میں جس عذاب دنیوی کا ذکر اجمالاً ہوا ہے اس کی تفصیل احادیث کریمہ سے معلوم کرتے ہیں ۔تاکہ واضح ہو کہ دنیا میں شاتم رسول اللہ (ﷺ) کا حکم کیا ہے۔

''کعب بن اشرف یہودی کاقتل:

۱): پہلے ہم وہ حدیث ذکر کریں گے جو کہ امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں نقل کی ہے۔

''جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من لکعب بن اشرف؟ فأنه قد اٰذی الله ورسوله .....الخ۔**

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کعب بن اشرف کی کون خبر لیتا ہے کون اس کا کام تمام کرتا ہے۔اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ستا رکھا ہے، یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو منظور ہے کہ میں اس کو مار ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تو انہوں نے کہا کہ پھر اجازت دیجئے جو میں مناسب سمجھوں (کعب کو خوش کرنے کیلئے) کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا جو مناسب سمجھے کہہ۔'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس آئے اور کہنے لگے! یہ شخص (پیغمبر ﷺ) ہم سے زکوۃ مانگتا ہے ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں، عجب تکلیف میں پھنسے ہیں، میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں، مجھ کو کچھ قرض ہی دلواؤ، کعب نے کہا: ابھی کیا ہے؟ قسم اللہ کی آگے چل کر تم کو بہت تکلیف ہوگی، محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ نے کہا: بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے، اب یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں، مگر دیکھ رہے ہیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے، خیر اب یہ کہو (یار) ہماری غرض یہ ہے کہ ایک وسق یا دو وسق کھجور یا غلہ ہم کو قرض دلوادو۔کعب نے کہا: اچھا دلائیں گے، مگر کچھ گروی رکھو۔ان لوگوں نے کہا: تم کیا چیز گروی چاہتے ہو؟ کعب نے کہا: اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ان لوگوں نے کہا: واہ اچھی ٹھہری، سارے عرب لوگوں میں تم تو خوبصورت ہو، بھلا ہم اپنی بیویاں تمہارے پاس کیوں کر رہن کریں؟۔

کعب نے کہا: اچھا اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔ان لوگوں نے کہا: بیٹوں کو گروی رکھ دیں تو ساری عمر لوگ ان پر طعنہ مار دیتے رہیں گے کہ وسق یا دو وسق پر یہ گروی ہوئے تھے، بڑے شرم کی بات ہے۔البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس

گروی کر سکتے ہیں۔

اتنی گفتگو کے بعد محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے، رات کو آئے تو ابونائلہ کو ساتھ لائے جو کعب کا رضاعی بھائی تھا۔ کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا، اور خود قلعہ سے اتر کر نیچے آکر ان سے ملا، جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی (نام نامعلوم) کہنے لگی اتنی رات کو کہاں جاتا ہے؟ کعب کہنے لگا: یہ محمد بن مسلمۃ اور میرا بھائی ابونائلہ بلا رہے ہیں۔

بیوی کہنے لگی: میں تو ایسی آواز سنتی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے کہا: واہ وہاں ہے کون؟ محمد بن مسلمہ میرا دوست اور ابونائلہ میرا بھائی؟ اور شریف آدمی کو اگر رات کو نیزہ مارنے کو بلائیں تو وہ جائے گا۔

ادھر محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ دو آدمی اور اپنے ساتھ لے کر آئے تھے [ایک روایت کے مطابق ساتھی شخص ابو عبس بن جبیر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم تھے]۔ محمد بن مسلمہ ان سے کہنے لگے: جب کعب یہاں آئے گا میں اس کے سر کے بال تھام کر سونگھوں گا۔ جب تم دیکھنا میں نے اس کا سر مضبوط تھام لیا ہے تو تم اپنا کام کر ڈالنا (تلوار کی ضرب لگانا) کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا، اس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی۔

محمد بن مسلمۃ نے کہا: میں نے تو ساری عمر میں آج کی طرح خوشبودار ہوا نہیں سونگھی۔ کعب نے جواب میں کہا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو سب عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: تم مجھ کو اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیتے ہو۔ اس نے کہا: اچھا سونگھو، انہوں نے خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا، پھر دوبارہ درخواست کی میں تمہارا سر سونگھوں؟ کعب نے کہا: جی ہاں محمد بن مسلمۃ نے اس کا سر زور سے تھاما اور اپنے ساتھیوں سے کہا ادھر آؤ۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خوشخبری دی۔'' [بخاری کتاب المغازی: رقم: ۲۵۱۰، مسلم: رقم: ۱۸۰۱]۔

قتل ابورافع عبدالله بن ابی الحقیق:

۲): دوسری حدیث امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کے بارے میں نقل کی ہے۔ جو کہ براء بن عازبؓ سے منقول ہے کہ: **بعث رسول الله ﷺ الی ابی رافع الیهودی رجالا من الانصار فأمّر علیهم عبدالله بن عتیک وکان ابورافع یؤذی النبی ویعین علیه وکان فی حصن له بارض الحجاز فلما دنوا منه.......الخ..**

اوس اور خزرج کی جاہلانہ رقابت اسلام لانے کے بعد مسابقت فی الخیرات میں بدل چکی تھی، چونکہ دشمن دین کعب بن اشرف کو اوس قبیلہ نے قتل کیا تھا، اس لئے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے خزرج نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیکؓ کی سربراہی میں مسعود بن سنان، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ، خزاعی بن اسود اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنھم کو روانہ فرمایا۔[فتح الباری: ۷/۳۹۷]۔

رسول اللہ ﷺ نے چند انصار کو ابورافع یہودی کے پاس بھیجا اور ان پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ یہ ابورافع رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت و تکلیف دیتا تھا اور آپ کے مخالفین کی اعانت کرتا تھا۔ زمین حجاز میں اس کا قلعہ تھا وہ اس میں رہا کرتا تھا جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے وقت لوگ اپنے مویشی واپس لا چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو، میں جاتا ہوں اور دربان سے مل کر نرم نرم باتیں کر کے قلعہ کے اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔

چنانچہ وہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر خود کو کپڑوں میں اس طرح چھپایا گویا قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت اہل قلعہ اندر جا چکے تھے، دربان نے اپنا آدمی سمجھ کر آواز دی۔ کہ اے اللہ کے بندے! کہ اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آجا میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں، کہ یہ سن کر میں قلعہ کے اندر داخل ہوا اور چھپ گیا جب سب لوگ اندر آ چکے تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں کیل پر لٹکا دیں۔

عبداللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں: میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر ابورافع کے پاس رات کو داستان ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے بالا خانوں میں رہتا تھا۔ جب داستان گو کوچ دیے تو میں اس کی طرف چلنے لگا اور جب کوئی دروازہ کھولتا تھا تو اسے اندر کی طرف سے بند کر لیتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر لوگوں کو میری خبر ہو جائے تو مجھ تک ابورافع کو قتل کرنے سے پہلے نہ آسکیں۔

جب اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک تاریک مکان میں اپنے بال بچوں کے درمیان سو رہا تھا۔ چونکہ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے، اس لئے میں نے ابورافع کہہ کر آواز دی، ابورافع نے جواب دیا کون ہے؟ میں آواز کی طرف جھکا اور اس پر تلوار سے زوردار وار کیا، جبکہ میرا دل خوب دھک دھک کر رہا تھا۔ اس ضرب سے کچھ کام نہ نکلا اور وہ چلانے لگا تو میں مکان سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر داخل ہوا، پھر میں نے کہا: اے ابورافع! یہ کیسی آواز تھی (وہ آواز

کی پہچان نہ کر سکے)۔ابورافع نے کہا: تیری ماں پر مصیبت پڑے ابھی ابھی کسی نے اس مکان میں مجھ پر تلوار کا وار کیا۔

عبداللہ بن عتیک کا بیان ہے: کہ میں نے پھر ایک اور بھرپور وار کیا مگر وہ بھی خالی گیا اگرچہ اس کو زخم لگ چکا تھا لیکن وہ اس سے مرا نہیں تھا۔اس لئے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی (خوب زور دیا تو) تو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی (آر پار چلی گئی)۔

جب مجھے یقین ہوگیا کہ میں نے اسے مار ڈالا ہے تو میں پھر ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا سیڑھی تک پہنچ گیا۔چاندنی رات تھی، یہ خیال کر کے کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں، نیچے پاؤں رکھا تو دھڑام سے نیچے آ گرا جس سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔میں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھا اور باہر نکل کر دروازے پر بیٹھ گیا۔اپنے دل میں کہا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔لھذا جب صبح کے وقت مرغ نے آذان دی تو موت کی خبر سنانے والا دیوار پر کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا۔

اے لوگو! حجاز کے سوداگر ابورافع کے مرنے کی تمہیں خبر دیتا ہوں۔یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اور ان سے کہا یہاں سے جلدی بھاگو۔اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو (ہمارے ہاتھوں) قتل کر دیا ہے۔پھر وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کو تمام قصہ سنایا۔

آپ نے فرمایا اپنا ٹوٹا ہوا پاؤں پھیلاؤ۔چنانچہ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیر دیا جس سے وہ ایسا ہوگیا کہ گویا مجھے اس کی کبھی شکایت ہی نہیں تھی۔

۳) تیسری حدیث:۔ عکرمہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ **ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیه........ الخ** ایک نابینا (صحابی) کی ایک ام ولد تھی جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی۔اور آپ ﷺ کی ہجوہ کیا کرتی تھی۔

وہ نابینا جو اس کا مولیٰ تھا۔اس بات سے اس کو منع کرتا تھا۔لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔اور جھڑکتا تھا لیکن وہ کسی طرح نہ مانتی تھی۔ایک رات کو (اس نے عادت کے موافق) آپ ﷺ کی ہجوہ شروع کی اور آپ ﷺ کو برا کہنے لگی۔اس کے مولیٰ (نابینا) نے چھرا لے کر اس کے پیٹ میں رکھا، اور اس پر زور دیا (یعنی چھرے پر بوجھ ڈالا) وہ اس کے پیٹ میں گھس گیا۔وہ عورت مر گئی۔اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ایک لڑکا آ گیا، اور جہاں وہ بیٹھے تھے وہ سب خون سے لت پت رنگین ہوگیا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ سے اس خون کا ذکر ہوا، آپ ﷺ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جس شخص نے یہ

کام کیا ہے میں اس کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اپنے حق کی جو میرا اس پر ہے کہ وہ کھڑا ہو جاوے اور اقرار کرے کہ میں نے یہ کام کیا ہے ۔ یہ سن کر وہی نابینا کھڑا ہو گیا ۔ اور لوگوں کو پھاندتا ہوا اور لرزتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے آن کر بیٹھ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ۔ انا صاحبها كانت تشتمك ۔ میں اس کا قاتل ہوں وہ آپ کو برا کہتی تھی ۔ اور آپ کی ھجوہ کرتی تھی ۔ میں اس کو منع کرتا تھا لیکن باز نہ آتی تھی ، اور جھڑکتا تھا ، جب بھی باز نہ آتی تھی ، اور اس کے پیٹ سے میرے دو بیٹے ہیں ، مثل دو موتیوں کے ، اور میری بڑی رفیق تھی کل کی رات وہ آپ کو برا کہنے لگی اور آپ کی ھجوہ کرنے لگی تو میں نے چھرا لے کر اس کی پیٹ پر رکھا اور اس پر زور دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((الا اشهدوا ان دمها هدر)) دیکھو گواہ رہو اس کا خون لغوہ ہے [سنن ابی داؤد كتاب الحدود باب فيمن سب النبی ﷺ رقم ۴۳۶۱].

۴) چوتھی حدیث : ۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : ان يهودية كانت تشتم النبی ﷺ وتقع فيه ..... الحديث ، کہ ایک یہودیہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی ، اور آپ ﷺ کی ھجوہ کرتی تھی ۔ اس پر ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹا یہاں تک کہ وہ مرگئی ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون لغوہ کر دیا (ابوداود ۴۳۶۲) ۔

ان دونوں روایات کا حاصل یہ ہے کہ ذمی کافر مرد ہو یا عورت اگر ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا قتل کر ڈالنا درست ہے ۔

۵) پانچویں حدیث : ۔ عبداللہ بن مطرف ابو برزۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ كنت عند ابی بكرؓ فتغيظ على رجل فاشتد عليه ...... الحديث ، کہ میں ابوبکر الصدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا وہ ایک شخص پر غصہ ہوئے اور نہایت غصہ ہوئے (شاید اس نے کوئی بری بات ان کو کہی ہوگی) میں نے کہا اے خلیفہ رسول ﷺ اگر آپ مجھے اجازت دیتے ہیں تو میں اس کی گردن ماروں ؟ یہ کہنے سے ان کا غصہ جاتا رہا اور کھڑے ہو کر اندر چلے گئے پھر مجھ کو بلا بھیجا ، اور کہا تو نے کیا کہا تھا میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیجئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں ، ابوبکر الصدیقؓ نے کہا اگر میں تجھے حکم کرتا تو ، تو اس کی گردن مار ہی دیتا ؟ میں نے کہا ہاں بے شک مار دیتا ۔ ابوبکرؓ نے کہا یہ درجہ کسی بشر کو رسول اللہ ﷺ کے بعد حاصل نہیں ہوا ۔ یعنی یہ رسول ہی کا منصب تھا کہ جو کوئی ان کی گستاخی کر کے ان کو برا کہے اس کی گردن ماری جائے ، نبی کے سوا کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں ۔ [كتاب الحدود رقم : ۴۳۶۳].

۶) : چھٹی روایت : کعب بن علقمۃ روایت کرتے ہیں : کہ ایک نصرانی کا غرفۃ ابن الحارث الکندی پر گذر ہوا ۔

اور اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔ اور کعب بن علقمہ نے پورا واقعہ ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں یہ بھی ہے۔ کہ غرفہ نے کہا: **معاذاللہ أن تكون العهود والمواثيق على أن يؤذونا في الله ورسوله.** معاذ اللہ کہ ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں کیونکہ یہ لوگ پھر ہمیں ہمارے نبی ﷺ کے متعلق تکالیف دیں گے سب وشتم کریں گے۔ (اور غرفہ صحابی ہے عکرمہ بن ابوجہل کے ساتھ حالت ارتداد میں لڑائی بھی کی تھی) [**الاصابة: ۵/۲۴۵. والاوسط: ۹/۴۳۱**].

حاصل یہ کہ اس صحابی نے معاہدہ کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ معاہدہ کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ بندی ہوگی اور شاتم رسول کے لئے تو امن نہیں ہے۔

۷): ساتویں روایت: عمیر ابن امیہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس کی بہن تھی جب آپ نبی ﷺ کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ کی بہن آپ کو نبی (ﷺ) کی وجہ سے بہت تکلیف دیتی۔ اور نبی ﷺ کو سب وشتم کرتی تھی، اور یہ عورت مشرکہ تھی۔ تو عمیر بن امیہ نے ایک دن اپنے ساتھ تلوار لے کر آئے اور اسے قتل کر دیا۔ تو اس کے بیٹے چلائے کہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، اور کہا کہ کیا صرف ہماری ماں کو ہی قتل کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کا قبیلہ بھی مشرک تھا۔ جب عمیر ابن امیہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ لوگ اصل قاتل کی بجائے کسی دوسرے شخص کو قتل کرتے ہیں تو نبی ﷺ کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: (أَقَتَلْتَ أُخْتَكَ؟) کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟ جواب دیا ھاں! پوچھا ((وَلِمَ)) کس وجہ سے قتل کیا ہے؟۔ جواب دیا: ((**انها كانت تؤذيني فيك**)) یہ آپ کے بارے میں مجھے تکلیف دیتی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کے بیٹوں کی طرف قاصد بھجوایا۔ ان سے پوچھا: تو انہوں نے اصل قاتل کی بجائے دوسرے شخص پر دعویداری کی۔ تو نبی ﷺ نے ان کو حقیقی قاتل (عمیر بن امیہ) کے بارے میں خبر دی۔ اور ان (لڑکوں کی ماں) کے خون کو لغوہ قرار دے دیا۔ تو لڑکوں نے اس فیصلے کو سر بچشم قبول کیا ((**قالوا: سمعًا وطاعة**))۔ [**مجمع الزوائد: ۶/۳۹۸. والكبير: ۱۷/۶۴، ۶۵**].

۸): علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **قال رسول اللہ ﷺ: ((مَنْ سَبَّ الأَنْبِيَاءَ قُتِلَ. وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِيْ جُلِدَ)).**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے انبیاء کو سب وشتم کیا ان کو قتل کیا جائے گا، اور جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دی ان کو کوڑے مارے جائیں گے۔[الصغیر: ۱/۳۹۳. ح: ۶۵۹. والأوسط:۵/۳۰۵].

۹): اسی طرح انس ابن زنیم جو کہ قریش کے ساتھ عہد اور صلح میں شامل تھا۔ نے نبی ﷺ کا ھجوہ کیا۔ تو خزاعہ قبیلہ کے ایک جوان نے یہ ھجوہ سنا اور انس بن زنیم پر حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خزاعہ اور دیلمی قبیلوں کی پرانی دشمنی پھر بھڑک اٹھی۔ تو خزاعہ قبیلہ کے افراد نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ اور انس بن زنیم کا وہ قصیدہ بھی سنا دیا، جس میں اس نے ھجوہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انس کو مباح الدم قرار دیا۔

انس بن زنیم کو جب یہ خبر پہنچی تو نبی ﷺ کے ہاں معذرت کرنے آئے۔ اور نبی ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ سنایا۔ یہ قصیدہ بھی نبی ﷺ کے پاس پہنچا۔ اور نوفل بن معاویہ نے انس کی سفارش بھی کی۔ اور کہا کہ یارسول اللہ: آپ تو سب امت میں سے معافی کرنے کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ اور ہم میں ایسا کون نہیں ہے جس نے آپ کو تکلیف اور اذیت نہ پہنچائی ہو۔ ہم جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کے واسطے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے آپ کو معاف فرمادیا[السیف المسلول للسبکی :۲۶۲]۔

حاصل یہ کہ کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ خود معافی نہ فرمائیں۔ حالانکہ انس بن زنیم نے بعد میں اسلام قبول بھی کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ بھی پڑھا تھا لیکن بعد میں نوفل بن معاویہؓ کی سفارش پر نبی کریم ﷺ نے معاف کر دیا۔

طوالت سے بچنے کے لئے مفسرین، محدثین، اور فقہاء کے اقوال نقل نہ کرتے ہوئے مذکورہ دلائل پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر چہ اور بھی بے شمار دلائل اس پر موجود ہیں۔ اور اس پر ''**السیف المسلول للسبکی**'' اور ''**الصارم المسلول لابن تیمیہؒ**'' نے سلف صالحین کا اجماع نقل کیا ہے۔ ماسوائے احناف کے جن کا اہل ذمہ کے قتل میں اختلاف ہے سزاء میں اتفاق ہے۔ (یعنی احناف کا قول یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے کوئی شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے البتہ کوئی اور سزا تجویز کی جائے)۔ اور بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ اتفاق ہے۔ یعنی جمہور علماء سلف کا فتوی مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں
نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ
تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں
بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں کہ بُرے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے
وَيَقْبِضُوْنَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں
وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہے جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔
هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾
وہی ان کے لائق ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے۔
كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا
(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں وہ تم سے بہت طاقتور اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے
فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے سو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا أُولٰٓئِكَ
حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے یہ وہ لوگ ہیں

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ
جن کے اعمال دنیااور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیا
يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ
ان کوان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور ابراہیم کی قوم
وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا
اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے لے کر آئے اور اللہ ایسا تو نہ تھا
كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾
کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ
اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ
وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾
اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔
وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ)
خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ
ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر

ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۷۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡکُفَّارَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ

نعمت ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔[11]اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو

نسخہ حصول رضوان الٰہی

[11] عن سلمان الفارسیؓ قال: خطبنارسول اللهﷺفی اخریوم من شعبان فقال یاایهاالناس قداظلکم شهرعظیم، شهرمبارک ،شهرفیه لیلة خیرمن الف شهر،جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا،من تقرب فیه بخصلة من الخیر،کان کمن ادی فریضة فیماسواه ،ومن ادی فریضة فیه کان کمن ادی سبعین فریضة فیماسواه،وهو شهر الصبر،و الصبرثوابه الجنة،شهر المواساة ،وشهریزادفی رزق المومن ،من فطّرفیه صائما،کان له مغفرة لذنوبه ،وعتق رقبته من النار،وکان له مثل اجره من غیران ینقص من اجره شیئ ،قلنایارسول الله!لیس کلنایجدمایفطر الصائم؟فقال رسول اللهﷺیعطی الله هذا الثواب من فطّرصائماعلی مذقة لبن اوتمرة،اوشربة من ماء ،ومن اشبع صائماسقاه اللهمن حوضی شربة، لایظمأ حتی یدخل الجنة ،وهوشهراوله رحمة، واوسطه مغفرة، واخره عتق من النار،من خفّف عن مملوکه فیه ،غفرالله له واعتقه من النار،فاستکثروا فیه من اربع خصال ،خصلتان ترضون بهاربکم ،وخصلتان لاغنی بکم عنهما، فاما الخصلتان اللتان ترضون بها ربکم فشهادة ان لا اله الاالله،وتستغفرونه ،واما اللتان لاغنی بکم عنهمافتسألون الجنة وتعوذون به من النار.(شعب الایمان للبیهقی:۵/۲۲۴،وابن خزیمة:۳/۱۹۱ رقم:۱۸۸۷،و العقیلی:۱/۳۵ وتاریخ بغداد:۴/۳۳۳).

سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے شعبان کی اخری تاریخ میں ہم لوگوں کووعظ فرمایا: کہ اے لوگو! تمہارے اوپر ایک مہینہ آرہاہے، جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے(شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالی نے اس کے روزوں کوفرض فرمایا ،اور اس کی رات کے قیام کو(یعنی تراویح کو) ثواب کی چیز بنایاہے، جوشخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایساہے جیسا کہ غیر رمضان میں=

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ

کہ انہوں نے (تو کچھ) نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں

وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا

اور ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جس پر قدرت نہیں پا سکے اور انہوں نے (مسلمانوں میں) عیب ہی کون سا دیکھا ہے

إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا

سوائے اس کے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر نے (اپنی مہربانی سے) ان کو دولتمند کر دیا ہے تو اگر یہ لوگ توبہ کر

= فرض ادا کیا، اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو آدا کرے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے، یہ مہینہ صبر کا ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کے افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا، اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہ ایک کھجور سے کوئی افطار کرادے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے، اس پر بھی مرحمت فرما دیتا ہے، یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے، اور درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ آگ سے ازادی ہے، جو شخص اس مہینے میں ہلکا کرے اپنے غلام وخادم کے بوجھ کو، حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے، اور آگ سے نجات فرماتا ہے، اور چار چیزوں کی اس میں کثرت کیا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو، وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے، اور دوسری چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور اور آگ سے پناہ مانگو۔

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَإِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب دے گا

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ

اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا

لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

کہ اگر وہ ہمیں اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔[12]

---

[12] یہ آیت بھی ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، جو ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، الاحاد والمثانی:٦/٢٧٥، طبرانی (معجم کبیر: ٧/٢٤٦، ٢٤٨) اور بیہقی (دلائل النبوۃ: ٥/٣٧٥) اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ: ٤/٣٠٥، میں ابوامامہؓ باہلی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ آپؐ دعا کریں کہ میں مال دار ہو جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم کو میرا طریقہ پسند نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مال داری پسند نہیں، یہ شخص چلا گیا، مگر دوبارہ پھر آیا اور پھر یہی درخواست اس معاہدہ کے ساتھ پیش کی کہ اگر مجھے مال مل گیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق پہنچاؤنگا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ زیادتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ مدینہ کی جگہ اس پر تنگ ہوگئی، تو باہر چلا گیا، اور ظہر عصر کی دو نمازیں مدینہ میں آ کر آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا، باقی نمازیں بھی جنگل میں جہاں اس کا یہ مال مویشی تھا وہیں ادا کرتا تھا، پھر انہی بکریوں میں اور زیادتی اتنی ہوگئی کہ یہ جگہ بھی تنگ ہوگئی، اور شہر مدینہ سے دور جا کر کوئی جگہ لی، وہاں سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ میں آتا اور پنجگانہ نمازیں وہیں پڑھنے لگا، پھر اس مال کی فراوانی اور بڑھی تو یہ جگہ بھی چھوڑنا پڑی، اور مدینہ سے بہت دور چلا گیا، جہاں جمعہ اور جماعت سب سے محروم ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ اس کا مال اتنا زیادہ ہو گیا کہ شہر کے قریب میں اس کی گنجائش ہی نہیں، اس لئے کسی دور جگہ پر جا کر اس نے قیام کیا

ہے،اوراب یہاں نظرنہیں پڑتا،رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کرتین مرتبہ فرمایا”یاویح ثعلبة“،یعنی ثعلبہ پرافسوس ہے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں آیت صدقات نازل ہوگئی ،جس میں رسول اللہ ﷺ کومسلمانوں کے صدقات وصول کرنے کاحکم دیا گیا(خذ من اموالهم صدقة) آپ ؐ نے مویشی کےصدقات کامکمل قانون لکھوا کر دو شخصوں کوعامل صدقہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مویشی کےصدقات وصول کرنے کے لئے بھیج دیا،اوران کوحکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب کے پاس بھی پہنچیں،اور بنی سلیم کے ایک اور شخص کے پاس جانے کا بھی حکم دیا، یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اوررسول اللہ ﷺ کافرمان دکھایا،تو ثعلبہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہوگیا، جوغیرمسلموں سے لیا جاتا ہے ،اور پھر کہا کہ اچھا اب تو آپ جائیں جب واپس ہوں تو یہاں آجائیں، یہ دونوں چلے گئے،اور دوسرے شخص سلیمی نے جب نبی ﷺ کافرمان سنا تو اپنے مویشی اونٹ اور بکریوں میں جوسب سے بہتر جانور تھے نصاب صدقہ کے مطابق وہ جانور لے کرخود ان دونوں قاصدان رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ جانوروں میں اعلی چھانٹ کر نہ لیں، بلکہ متوسط وصول کریں،اس لئے ہم تو یہ نہیں لے سکتے، سلیمی نے اصرار کیا کہ میں اپنی خوشی سے یہ پیش کرنا چاہتا ہوں، یہی جانور قبول کرلیجئے۔پھر یہ دونوں دوسرے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے ہوئے واپس آئے تو پھر ثعلبہ کے پاس پہنچے،تواس نے کہا کہ لاؤ وہ قانون صدقات مجھے دکھلاؤ، پھراس کودیکھ کر یہی کہنے لگا کہ یہ تو ایک قسم کا جزیہ ہوگیا، جومسلمانوں سے نہیں لینا چاہئے اچھا اب تو آپ جائیں میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔

پھر یہ دونوں مدینہ طیبہ واپس پہنچے اوررسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،تو آپ نے ان سے حالات پوچھنے سے پہلے ہی پھر وہ کلمہ دہرایا جو پہلے فرمایا تھا۔یاویح ثعلبه یاویح ثعلبه یاویح ثعلبه یعنی ثعلبہ پر سخت افسوس ہے، یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر سلیمی کے معاملہ پر خوش ہوکر اس کے لئے دعا فرمائی ،اس واقعہ پر یہ ایت نازل ہوئی ”ومنهم من عٰهدالله“، یعنی ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالی ان کو مال عطا فردیں گے وہ صدقہ خیرات کریں گے اورصالحین امت کی طرح سب اہل حقوق رشتہ داروں اورغریبوں کے حقوق ادا کریں گے ۔پھر جب اللہ تعالی ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو بخل کرنے لگے۔اوراللہ اوررسول کی اطاعت سے پھر گئے۔

”فاعقبهم نفاقا في قلوبهم “، یعنی اللہ تعالی نے ان کی اس بدعملی اور بدعہدی کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں نفاق کواور پختہ کردیا۔کہ اب ان کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوگی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال بد کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی۔ **نعوذ باللہ منہ۔**

ابن جریر نے ابوامامہؓ کی تفصیلی روایت جو ابھی ذکر کی گئی ہے اس کے اخر میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ثعلبہ کے لئے **یا ویح ثعلبہ** تین مرتبہ فرمایا تو اس مجلس میں ثعلبہ کے کچھ عزیز واقارب بھی موجود تھے یہ سن کران میں سے ایک آدمی فوراً سفر کر کے ثعلبہ کے پاس پہنچا اوراس کو ملامت کی، اور بتلایا کہ تمہارے بارے میں قرآن کی ایت نازل ہوگئی ہے، یہ سن کر ثعلبہ گھبرایا او مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول کرلیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حق تعالی نے تمھارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے یہ سن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا اپنا عمل ہے میں نے تمہیں حکم دیا، تم نے اطاعت نہ کی، اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہوسکتا، ثعلبہ ناکام واپس ہوگیا، اوراس کے کچھ دن بعد ہی رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے، تو ثعلبہ صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا میرا صدقہ قبول کر لیجئے، صدیق اکبر نے فرمایا جب رسول پاک ﷺ نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کرسکتا ہوں؟ پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد ثعلبہ فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی درخواست کی، اور وہی جواب ملا جو صدیق اکبر نے دیا تھا۔ پھر عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں ان سے درخواست کی انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ اور خلافت عثمان کے زمانہ میں ثعلبہ مرگیا۔ **نعوذ باللہ من سیئات الاعمال۔**

یہاں پر اکثر مفسرین نے اپنے تفاسیروں میں ثعلبہ بن حاطب کا قصہ بغیر تحقیق اور چھان بین کے نقل کیا ہے۔ یہ چندوجوہ کی بناء پر صحیح نہیں، غالب خیال یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے امام طبری کا قول نقل کیا ہے اور بعد میں جتنے مفسرین آئے ہوئے ہیں بغیر تحقیق انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے علامہ شامیؒ فرماتا ہے کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پہلا شخص غلطی کرے تو اسی غلطی کو متاخرین کئی کتابوں میں نقل کرتے ہیں تو اسی طرح غلط چلتا رہتا ہے اور ایک دوسرے سے اسی غلطی کو نقل کرتے ہیں۔ مجموعہ رسائل ۱/۱۳۔

میں کہتا ہوں کہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے پہلے شخص سے غلطی ہوتی ہے تو پچاس سے زائد کتابوں میں اسی غلطی کو بغیر تحقیق متاخرین نقل کرتے ہیں۔ اوراسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عالم کی لغزش عالم کی لغزش کے لئے سبب بنتی ہے مجموعہ رسائل: ۱/۱۹۰۔

تو یہاں ابن جریر خود یا دیگر نے جو واقعہ نقل کیا ہے یہ اصول حدیث کی بناء سے ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے کہ: **حدثنی المثنی قال حدثنا هشام بن عمار قال حدثنا محمد بن شعيب قال حدثنا**

معان بن رفاعة السلمی عن ابی عبد الملک علی بن یزیدالالھانی انه اخبره عن القاسم بن عبد الرحمٰن انه اخبره عن ابی امامة الباھلی ؓ عن ثعلبه بن حاطب الانصاریؓ ۔اسی سند کے ساتھ طبرانی نے معجم کبیر:رقم ۷۸۷۳:ج۸ص۲۶۰،اور ہیثمی نے مجمع الزوائد:۳۵/۷،میں نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ وفیه علی بن یزید الالھانی ،ھو متروک ،بیہقی فی الشعب :رقم:۴۰۴۸ ج۶ص۱۹۹،میں نقل کیا ہے،اورامام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں نظر ہے فرمایا کہ (وفی اسنادھذا الحدیث نظر، وھو مشھور فی مابین اھل التفسیر)۔اورامام بغوی نے معالم التنزیل:۸۴/۳،۸۵،میں،اور ابن ابی حاتم نے تفسیر:۱۸۴۷/۶،میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے،اس حدیث کی سند میں معان بن رفاعہ ہے،اسکے بارے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ لین الحدیثاور کثیر الارسال راوی ہے،ابن معین نے کہا ہے کہ اس کا روایت لکھا جاتا ہے لیکن قابل استدلال نہیں،اورابن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف ہے :تھذیب التھذیب:۲۰۲/۱۔

اوراس حدث کی سند میں علی بن یزید راوی ہے ابن حجر نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے،امام ذہبی نے کہا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے،لیکن متروک نہیں کہا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کثیر المنکرات اور واھی الحدیث ہے۔تھذیب التھذیب:۳۹۷/۷۔جبکہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ:۲۸۹/۵،میں بھی مذکورہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔اور شیخ البانی نے ضعیف جامع الصغیر رقم ۴۱۱۶،میں ضعیف قرار دیا ہے،مزید تفصیل کے لئے کتاب شعب الایمان کی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

اورابن حزم محلی:۱۳/۵،۷۷،میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: کہ ھذه صفة اوردھاالله تعالی، یعرفھا کل من فعل ذالک من نفسه، ولیس فیھا نص ولا دلیل علی أن صاحبھامعروف بعینه، علی انه قد روینا اثرا لایصح، وفیه انھا نزلت فی ثعلبة بن حاطب وھذا باطل، لأن ثعلبة بدری معروف ۔حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:ھذا باطل بلاشک، لأ ن الله تعالیٰ أمر بقبض زکوٰة أموال المسلمین، وأمر علیه السلام عند موته أن لا یبقی فی جزیرة العرب دینان ،فلا یخلو ثعلبة من ان یکون مسلما، ففرض علی ابی بکر ،وعمرقبض زکوته ولابد ،ولافسحة فی ذالک .ان کان کافرا ففرض ان لایقر فی جزیرة العرب .فسقط ھذاالاثر بلاشک، وفی رواته معان بن رفاعة، والقاسم بن عبدالرحمٰن، وعلی بن یزید وھو عبد الملک الالھانی، وکلھم ضعفاء، ومسکین بن بکیر، لیس

بالقوی ۔کہ یہ ایک صفت ہے اللہ تعالی نے یہاں ذکر کی ہے اس کو جانتا ہے، ہر وہ شخص جس نے یہ کام کیا ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں اس بات پر کہ آدمی بعینہ معلوم تھا، علاوہ اس کے ہم نے ایک اثر کی روایت کی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، جس میں ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ ثعلبہ بدری معروف ہیں۔

پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ اثر بلا شک باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے زکوٰۃ کے لینے پر امر فرمایا ہے کہ مسلمانوں سے مال وصول کریں، اور نبی کریم ﷺ نے وفات ہونے سے پہلے امر فرمایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین باقی نہ رہیں، تو ابھی یا ثعلبہ مسلمان ہوگا تو ابوبکر اور عمرؓ پر فرض تھا کہ اس سے زکواۃ وصول کرتے، اور یہ خوامخواہ ہے اس میں وسعت نہیں، اگر کافر ہوگا تو ان پر فرض تھا کہ اس کو جزیرۃ العرب میں نہ چھوڑتے۔ تو یہ روایت بلا شک اور شبہ ساقط ہوگئی۔

اس کے علاوہ امام طبری اور دیگر محدثین نے اس واقعہ کو دیگر طرق سے نقل کیا ہے، لیکن بعض میں مذکورہ روات، جبکہ بعض منقطع، اور موقوف سندوں سے نقل ہے، جس کا صحیح روایت کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ ہم عصر مفسرین میں سے وہبۃ زہیلی نے اور سعید حویٰ نے تفسیر اساس میں اور رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس پر رد کیا ہے جبکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ثعلبہؓ بدری صحابی ہے اور بدر والے سب کے سب (**مغفور لھم**) (یعنی بخشے گئے ہیں)۔

امام بخاریؒ نے علیؓ سے مختلف جگہوں میں یہ حدیث نقل کی ہے: [۳۰۸۱، ۳۰۰۷، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹] **مسلم رقم: ۲۴۹۴، ترمذی رقم: ۳۳۰۵، ومسند حمیدی: ۴۹ و النسائی فی سننه الکبریٰ: ۱۱۵۸۵**، اور اس کے علاوہ اوروں نے بھی کہ: **بعثنی رسول اللہ ﷺ اناو الزبیر ومقداد فقال انطلقوا حتی تاتوا روضة خاخ فانّ بھاظعینة ،معھا کتاب فخذوه منھا،فذھبناتعادی بناخیلناحتی اتینا الروضة، فاذانحن بالظعینة ،فقلنااخرجی الکتاب فقالت مامعی من کتاب فقلنالتخرجن الکتاب اولنلقین الثیاب فاخرجته من عقاصھا،فاتینابه النبی ﷺ فاذافیه من حاطب بن ابی بلتعة الی اناس من المشرکین ممن بمکة یخبرھم ببعض امر النبی ﷺ،فقال النبی ﷺ ماھذایاحاطب؟ قا ل لاتعجل علیَّ یارسول اللہ انی کنت امرأمن قریش ولم اکن من انفسھم، وکان ممن معک من المھاجرین لھم قرابات یحمون بھااھلیھم واموالھم بمکة، فاحببت اذفاتنی من النسب فیھم، ان اصطنع الیھم یدًایحمون قرابتی، ومافعلت ذالک کفراولاارتداداعن دینی، فقال النبی ﷺ انه قدصدقکم ،فقال عمر دعنی یارسول اللہ فاضرب عنقه ،فقال انه شھدبدراومایدریک لعل اللہ عزوجل اطلع علی اھل**

بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم فقال عمر و نزلت فيه یاایها الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم. الایة.

علیؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد تین آدمیوں کو بھیجا، فرمایا: (مکہ کے راستے پر) روضۂ خاخ تک چلے جاؤ (جو ایک مقام کا نام ہے) وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی (اس کا نام سارہ تھا) اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ علیؓ کہتے ہیں ہم تینوں آدمی گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ پہنچے تو (سچ مچ) وہاں ایک عورت شتر سوار ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال، وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا، لے اب خط نکالتی ہے یا ہم تجھ کو ننگا کریں، تو مجبور ہو کر اس نے اپنے جوڑے میں سے ایک خط نکال کر دیا، ہم وہ خط نبی ﷺ کے پاس لیکر آئے، اس کا مضمون یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام پر، اور نبی کریم ﷺ کی تیاری وغیرہ کا اس میں ذکر تھا کہ آپ ﷺ بڑی فوج لیکر آرہے ہیں۔ تم اپنا بچاؤ کرو، نبی ﷺ نے حاطب سے پوچھا ارے حاطب یہ کیا بات؟ (تو نے مسلمان ہو کر کافروں کو مخبری کی) حاطب نے عرض کیا یارسول اللہ جلدی نہ فرمائیے (میرا سب قصہ سن لیجئے، پھر جو جی چاہے سزا دیجئے) ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز ناطے دار قریش کے کافروں میں ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بار، مال اسباب محفوظ رہتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ جب میرا ناطہ ان سے نہیں ہے تو کچھ احسان ہی کر کے اپنا حق ان پر قائم کروں، تا کہ وہ اس کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) میں کافر ہوا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: حاطب نے سچ کہہ دیا، عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ بدر کی جنگ میں شریک تھا اور تجھ کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ پر سے بدر والوں کو جھانکا، فرمایا: اب تم کیسے بھی اعمال کرو (تم سے کیسے بھی گناہ ہو جائیں، بشرطیکہ کفر اور شرک نہ کرو) میں نے تو تم کو بخش دیا۔ پھر یہ ایت اتری: یاایها الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: جاء عبد لحاطب بن ابی بلتعة، احد بنی اسد، یشتکی سیده، فقال واللہ یارسول اللہ لیدخلن حاطب النار، فقال له رسول اللہ ﷺ کذبت لایدخله ابدا، انه قدشهد=

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾
لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) رُوگردانی کر کے پھر بیٹھے

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال

يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
دیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان کو معلوم نہیں

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ
کہ اللہ ان کے بھیدوں اور مشوروں تک سے واقف ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ جو (ذی استطاعت)

يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا
مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی خرچ کرتے) ہیں

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾
ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے۔

=بدرًا والحدیبیة(مسلم: رقم ۲۱۹۵، ترمذی: رقم ۳۸۶۴، نسائی فی الکبری رقم: ۸۲۹۶، طبرانی فی الکبری: رقم ۳۰۶۴). کہ حاطب کا غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاطبؓ سے شکایت کرتے ہوئے آیا، اور کہا کہ حاطب خواہ مخواہ آگ میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا۔ یہ آگ کو داخل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بدر اور حدیبیہ (کی لڑائی) میں حاضر تھا۔ اور ثعلبہؓ بدری تھے جیسا کہ ابن حجر نے الاصابہ: ۱۹۸/۱، میں اور محمود عداب نے تفصیل سے لکھا ہے، حاصل یہ نکلا کہ تفسیر ایت عام ہے منافقوں کے متعلق ہے، اور صحابہ کے متعلق اس ایت کریمہ میں دور کا اشارہ بھی نہیں مزید تفصیل کتاب ثعلبة بن حاطبؓ الصحابی المفتری علیه لمحمود عداب مطالعہ کیجئے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ
تم ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو (بات ایک ہے) اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا
اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾
یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْا
جولوگ پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر الٰہی (کی مرضی) کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا
أَنْ يُّجٰهِدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا
کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (اَوروں سے بھی) کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا
فِى الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾
(ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر یہ (اس بات کو) سمجھتے۔
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾
یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ان کو ان اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں بہت سا رونا ہوگا۔
فَإِنْ رَّجَعَکَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْکَ لِلْخُرُوْجِ
پھر اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے نکلنے کی اجازت طلب کریں
فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا
تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہوکر) دشمن سے لڑائی کرو گے
إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنۡهُم مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے

إِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿٨٤﴾

ہونا یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)[13]

---

[13] احادیث صحیحہ سے باتفاق امت ثابت ہے کہ یہ ایٰت عبداللہ بن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ ایت نازل ہوئی، اور اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، صحیح مسلم ۱۲۰/۸: ، بخاری: ۸۵/۶ میں عبداللہ بن عمرؓ کی رویت سے واقعہ نزول کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے، کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مر گیا تو اس کے صاحبزادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپؐ اپنا قمیص عطا فرمائیں، تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطا فرما دیا، پھر عبداللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپؐ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں، آپؐ نے قبول فرما لیا، اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے، تو عمر بن الخطابؓ نے آپؐ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپؐ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ وان کی نماز جنازہ سے منع فرما دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعا مغفرت کروں یا نہ کروں، اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کر سکتا ہوں، ایت سے مراد سورۃ توبہ کی وہی ایت ہے جو ابھی گذر چکی ہے یعنی، اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ أَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ إِن تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَن يَغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ ایت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنۡهُم ، الایۃ. چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔

وَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَالُهُمۡ وَأَوۡلَادُهُمۡ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنۡ يُّعَذِّبَهُم بِهَا

اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب کرے

فِي الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ أَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔

وَإِذَآ أُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ أَنۡ آمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَأۡذَنَكَ

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو

أُوۡلُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾

تو جوان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے ہی دیجئے کہ جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی ان کے ساتھ رہیں

رَضُوۡا بِأَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی

فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا مَعَهُ

ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب

جَاهَدُوۡا بِأَمۡوَالِهِمۡ وَأَنۡفُسِهِمۡ وَأُوۡلٰئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ وَأُوۡلٰئِكَ هُمُ

اپنے مال اور جان سے لڑے انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔

الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸۸﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡأَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

فِيۡهَا ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡأَعۡرَابِ

یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس) آئے

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ

کہ ان کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾

سو جولوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریکِ جہاد نہ ہوں یعنی)

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ

جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس ائے کہ ان کو سواری دو

قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے

أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔[14] الزام تو ان لوگوں پر ہے

---

[14] وعن جابرؓ قال: ماسُئل رسول اللهﷺ شيئاقط فقال لا. (بخاری: ۶۰۳۴ ومسلم: ۲۳۱۱)۔
جابرؓ کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کریمﷺ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپﷺ نے اس کو انکار کر دیا ہو۔ علامہ ابن حجر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص آپﷺ سے کچھ مانگتا اور آپﷺ کے =

يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ

جو دولت مند ہیں اور (پھر) تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

جو پیچھے رہ جاتے ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ سمجھتے ہی نہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ

جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے تو تم سے عذر کریں گے تم کہنا کہ عذر مت کرو ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے

= پاس ہوتا تو فوراً ادے دیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا اور سائل کا سوال پورا کرنے پر قادر نہ ہوتے تو اس صورت میں بھی صفائی کے ساتھ انکار نہ کرتے، بلکہ یا تو خاموشی اختیار کر لیتے، یا مناسب الفاظ میں عذر بیان کرتے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل: ۲۸، میں ہے۔ یا دعائیہ جملے ارشاد فرما دیتے، گویا آپ ﷺ کسی بھی حالت میں سائل کے سامنے اپنی زبان پر صاف انکار کا لفظ نہیں لاتے تھے۔

اور شیخ عزالدین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ''لا'' انکار کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی اس لئے نہیں آیا کہ کسی سائل نے آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا ہو، اور آپ ﷺ اس سوال کو ٹھکرانا چاہتے ہوں، یہ اور بات ہے کہ کوئی سوال پورا کرنا آپ ﷺ کے بس میں نہیں رہا ہو، اور آپ ﷺ نے عذر بیان کرنے کے لئے یا کسی اور مقصد کی خاطر اس لفظ کا استعمال فرمایا ہو، جیسے اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ نے فرمایا ''لا اجد ما احملکم علیه'' میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے کہ تمہیں سوار ہونے کے لئے دوں۔ مشہور شاعر فرزدق نے نبی کریم ﷺ کے اسی وصف کا، کہ ''لا'' کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، اپنے شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے:

ماقال لاقط الافی تشهده ☆ لولاالتشهد کانت لاؤه نعم

اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

نہ رفت کلمۂ لا بر زبان او ہرگز ☆ مگر باشہدان لا الہ الا اللہ۔

قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ

اللہ نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں اور ابھی اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھیں گے

إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾

پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جو عمل تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ

جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے رُوبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے درگزر کرو۔

إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

سو اُن کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں اُن کے بدلے اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ

یہ تمہارے آگے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے خوش ہو جاؤ لیکن اگر تم اُن سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٩٦﴾ اَلْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّأَجْدَرُ

تو نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔ دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت)

أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾

اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اُن سے واقف (ہی) نہ ہوں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ

اُنہی پر بُری مصیبت (واقع) ہو اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر

بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ
اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کو اللہ کی قربت اور پیغمبر کی دعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں
اَلَاۤ اِنَّہَا قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ سَیُدۡخِلُہُمُ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۙ﴿۹۹﴾
دیکھو بلاشبہ وہ اُن کیلئے (موجبِ) قربت ہے اللہ اُن کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے
وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ
جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں
اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ
نے نیکوکاری کیساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کیلئے باغات تیار کئے
تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾
ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے [15]

---

[15] اس سے پہلی ایت میں دیہاتی مؤمنین مخلصین کا ذکر تھا، اس آیت میں تمام مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے جن میں ان کے درجات فضیلت کا بھی بیان ہے۔ اَلسَّابِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہَاجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ، اس جملہ میں اکثر مفسرین نے حرف {من} کو تبعیض کے لئے قرار دے کر مہاجرین وانصار، صحابہ کرامؓ کے دو طبقے قائم کئے ہیں، ایک سابقین اولین کا دوسرا دوسرے درجے کے صحابہ کرامؓ کا۔

پھر اس میں اقوال مختلفہ ہیں، بعض نے صحابہ کرام میں سے سابقین اولین ان کو قرار دیا ہے جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے، یعنی تحویل قبلہ سے پہلے جو مسلمان ہو چکے تھے وہ سابقین اولین ہیں، یہ قول سعید بن مسیّبؒ اور قتادہؒ کا ہے، عطاء بن ابی رباحؒ نے فرمایا کہ سابقین اولین وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اور شعبیؒ نے فرمایا کہ جو صحابہ کرامؓ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں، اور ہر قول کے مطابق باقی صحابہ کرامؓ مہاجر

ہوں یا انصار سابقین اولین کے بعد دوسرے درجے میں ہیں (مظہری، قرطبی)

اور تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ حرف ''من'' کو اس آیت میں تبعیض کے لئے نہ لیا جائے، بلکہ بیان کے معنی میں ہو، تو مفہوم اس جملے کا یہ ہوگا کہ تمام صحابہ کرامؓ بہ نسبت باقی امت کے سابقین اولین ہیں، اور ''مــن المـهاجرين والانصار'' اس کا بیان ہے، پہلی تفسیر کے مطابق صحابہ کرامؓ میں دو طبقے ہوجاتے ہیں، ایک سابقین الین کا، دوسرا وہ جو تحویل قبلہ یا غزوۂ بدر یا بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے، اور آخری تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب سابقین اولین ہی ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے۔

وَالَّـذِيْنَ اتَّبَعُوْهُم بِإِحْسَان یعنی جن لوگوں نے اعمال و اخلاق میں سابقین اولین کا اتباع مکمل طریقہ پر کیا، پہلے جملے کی پہلی تفسیر کے مطابق ان لوگوں میں درجہ اول ان مہاجرین و انصار صحابہ کرام کا ہے جو تحویل قبلہ یا غزوۂ بدر یا بیعت حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو کر صحابہ کرام میں داخل ہوئے، دوسرا درجہ ان کے بعد کے سب مسلمانوں کا ہے، جو قیامت تک ایمان اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ میں صحابہ کرامؓ کے اسوہ پر چلے، اور ان کا مکمل اتباع کیا، اور دوسری تفسیر کے مطابق **الــذيــن اتبــعـوا** میں صحابہ کرامؓ کے بعد کے لوگ داخل ہیں، جن کو اصطلاح میں تابعی کہا جاتا ہے، اور پھر ان اصطلاحی تابعین کے بعد قیامت تک آنے والے وہ سب مسلمان بھی اس میں شامل ہیں جو ایمان و عمل صالح میں صحابہ کرامؓ کا مکمل اتباع کریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنت میں ہیں، اگرچہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہیں، اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ (اس کی کیا دلیل ہے؟) انہوں نے فرمایا قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو **الســابـقـون الاولـون** اس میں تمام صحابہ کرام کے متعلق بلا کسی شرط کے **رضـى الله عنهم ورضوا عنه** ارشاد فرمایا ہے۔ البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بلا کسی قید و شرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الٰہی سے سرفراز ہیں، (بغوی) تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک سب صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر اس سے بھی زیادہ واضح استدلال اس آیت سے ہے: **لايستـوى مـنكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقـاتـلـوا وكـلا وعـدالله الحسنىٰ** ، (حدید: ۱۰) اس آیت میں پوری صراحت سے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اولین ہوں یا آخرین سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے=

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى
اور تمہارے گرد ونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے
النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ
ہم جانتے ہیں، ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔
عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَآخَرَ
اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا
سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ
قریب ہے کہ اللہ اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اُن کے مال میں سے زکوٰۃ

= کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوسکتی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۲/۳۳۰)

تنبیہ:۔ جولوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بنا پر بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوسکیں، وہ اپنے آپ کو ایک خطرناک راستہ پر ڈال رہے ہے (نعوذ باللہ منه)۔ امام دارمی نے فرمایا ہے کہ:لیس اختلاف التابعین سنة لازمة کسنة النبیﷺ واصحابه ،فاماان لایکون اثرا ،فانه اثر لاشک فیه،واقاویلهم الزم للناس من اقاویل ابی یوسف واصحابه،لان اللہ تعالی اثنی علی التابعین فی کتابه فقرأ هذه الایة.عقائد السلف للدارمی: ۲/ ۶۵۹، ۳۸۳۔اورص۵۰۳، میں لکھاہے کہ ولولم یکن فیه عن الرسول وقال اصحابه من بعده کانوااولی فیه بالحق منا،لان اللہ اثنی علی من بعدهم باتباعهم ایاهم،وکذاعن الاوزاعی عند الهروی: ۱۵۰/۴،اورابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں یہ مسئلہ مفصل ذکرکیاہے اوراحمد سلام نے اس کوایک مستقل رسالہ میں بنام''البینات السلفیة علی ان اقوال الصحابة حجة شرعیة'' کے نام سے شائع کیاہے۔

أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ
قبول کرلو کہ اس سے تم اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو
إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ
کہ تمہاری دعا اُن کیلئے موجبِ تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی
هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا اور صدقات لیتا ہے اور بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا
الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
مہربان ہے ۔ اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اُس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے
وَسَتُرَدُّونَ إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾
اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتا دے گا
وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ
اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا
حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
حکمت والا ہے ۔ اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں
وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ
اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں ۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اُن کیلئے گھات کی جگہ بنائیں ۔

وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں [16]

---

[16] منافقین کے حالات اور خلاف اسلام ان کی حرکتوں کا ذکر اوپر بہت سے آیات میں آ چکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں بھی ان کی ایک سازش کا ذکر ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابوعامر نامِ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور ابوعامر راہب کے نام سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے، حنظلہؓ مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اس لئے غسیل ملائکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

جب رسول پاک ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابوعامر راہب حاضر خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کئے، رسول اللہ ﷺ کے جواب پر بھی اس بدنصیب کا اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دور ہو کر پردیس میں مرے، اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا، وہیں جا کر اپنے احباب و اقارب سے دور مر گیا، جو دعا کی تھی وہ اس کے سامنے آ گئی جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے خود ہی اپنی دعا سے ذلیل وخوار ہوا۔

مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا، چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر امادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ اسی سازش کی ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے، جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ، اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو، یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورے سے بات طے کیا کرو۔

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ کے محلّہ قبا میں جہاں اول ہجرت میں نبی کریم ﷺ نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ان منافقین کے نام بھی ابن اسحٰق وغیرہ نے نقل کئے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب دینے، اور دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول کریم ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوادیں، تاکہ سب مسلمان مطمئن ہوجائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے، ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبا کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف، بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے، اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہوجائے۔

رسول کریم ﷺ اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے آپ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول پاک ﷺ نے اپنے چند اصحاب جس میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہ وغیرہ شریک تھے ان کو حکم دیا کہ ابھی جاکر اس مسجد کو ڈھادو، اور اس میں آگ لگادو، یہ سب صحابہ اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کرکے اس کی عمارت کو ڈھاکر زمین کے برابر کردی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے واپس مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے عاصم بن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنالیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوچکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ ثابت بن اقرم ضرورتمند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ان کو اجازت دے دیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ ؐ نے یہ جگہ ثابت بن اقرم کو دیدی، مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت ؓ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے سے بچہ دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قبا کے کچھ فاصلہ پر ویراں پڑی

ہے۔واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد آیات مذکورہ کے متن کو دیکھئے،پہلی آیت میں فرمایا''والذین اتخذوا مسجدا'' یعنی جس طرح اوپر دوسرے منافقین کے عذاب اور ذلت ورسوائی کا ذکر ہوا ہے یہ منافقین بھی ان میں شامل ہیں،جنہوں نے مسجد کا نام رکھ کر ایک ایسی عمارت بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔

اس آیت میں مسجد مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں:اول ''ضـــــرارًا ''،یعنی مسلمانوں کو نقصان پہچانے کے لئے لفظ''ضــرر'' اور''ضــرار'' دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔بعض اشخاص نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ضرر تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو دوسروں کو نقصان پہنچے،اور''ضــرار'' دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فاہدہ بھی نہیں ،چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لئے یہاں لفظ ''ضرار''استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی ''تفـریقابین المؤمنین '' بتلائی گئی ہے،یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دوٹکڑے ہوجاویں،ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہوجائے ،اور یہ کہ قدیم مسجد قبا کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض''وارصـادالـمن حارب الله'' بتلائی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔

اس مجموعہ بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا، بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے،اس سے معلوم ہوگیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں ،اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں، تو اگر چہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المومنین کی وجہ سے گناہگار رہوگا،لیکن باین ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا ،اورتمام آداب اوراحکام مسجد کے اس پر جاری ہونگے ،اس کا ڈھانا،آگ لگانا، جائز نہیں ہوگا،اور جولوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہوجائے گی اگر چہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس طرح ریاونمود کے لئے یا ضد وعناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنالے اگر چہ مسجد بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ ہوگا، مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا، بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہہ دیتے ہیں یہ درست نہیں، البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں، اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔(کشاف)۔اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے" لاتقم فیه ابدا" اس میں قیام سے مراد نماز کے لئے قیام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلاکسی ضرورت کے محض ریاونمود کے لئے یا ضد وعنا کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگر چہ نماز ہوجاتی ہے۔اسی آیت میں آپ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ آپ کا نماز پڑھنا اسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد اول سے تقوی پر رکھی گئی ہے۔اوراس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہیں اور اللہ بھی ایسے مطہرین کو پسند کرتا ہے۔سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے جس میں اس وقت نبی کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اور بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (**کمارواہ ابن مردویه عن ابن عباسؓ وعمرو بن شیبه عن سهل الانصاری وابن خزیمه فی صحیحه عن عویمر بن ساعده ،ازمظهری**) اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ مسجد نبوی جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقوٰی پر ہے اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مطہر کون ہوسکتا ہے اس لئے وہ بھی اس کی مصداق ضرور ہے۔ **کمارواہ الترمذی و صححه عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعا،ازقرطبی).**

"**فیه رجال یحبون ان یتطهروا**" آیت مذکورہ میں رسول کریم ﷺ کی نماز کے لئے اس مسجد کو احق قرار دیا جس کی بنیاد اول سے تقوی پر رکھی گئی جس کی مفہوم میں مسجد قبا اور مسجد نبوی دونوں داخل ہیں اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی بتلائی گئی کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے اور معاصی اور اخلاق رذیلہ سے پاکی بھی، مسجد قبا اور مسجد نبوی کے نمازی عموما ان سب اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ

تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے

أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ

کہ اُس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ

پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی رضا مندی پر رکھی وہ

خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں (موجب)

فِىْ قُلُوْبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

خلجان رہے گی (اور اُن کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ اُن کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کیلئے جنت (تیار کی) ہے،

يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰاةِ

یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، یہ تورات

وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ ؕ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ

اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اُسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے،

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُم بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

تو جو سودا تم نے اُس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

التَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنّٰهُوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ

نیک کاموں کا حکم کرنے والے اور بُری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا

اور اے پیغمبر مومنوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو ۔ پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک

لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِیْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ

اہلِ دوزخ ہیں تو اُن کیلئے بخشش مانگیں گو وہ اُن کے قرابت دار ہی ہوں ۔

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اُس سے کر چکے تھے

إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

لیکن جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے [17]

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُوْنَ

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک اُن کو وہ چیز نہ بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں

---

[17] امام بخاری نے مسیّب بن حزم صحابی سے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو نبی کریم ﷺ ان کے =

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اللہ ہی ہے جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے
يُحْيِ وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ
وہی زندگی بخشا اور (وہی) موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ بیشک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی
اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ
کی اور مہاجرین اور انصار پر باوجود اس کے کہ اُن میں بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں
مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُفٌ
پیغمبر کیساتھ رہے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی بیشک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور)
رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ
مہربان ہے۔ اور اُن تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہوگئی

= پاس تشریف لے گئے، دیکھا تو وہاں ابوجہل بن ھشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ ام سلمہؓ کے بھائی جو سخت کافر تھے بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا چچا میاں تم ایک کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لو، میں پروردگار کے پاس تمہاری لئے گواہی دوں گا، یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ بولے، ابوطالب کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاتے ہو؟ عرض نبی کریم ﷺ برابر یہ کلمہ ان پر پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں وہی کہتے رہے کہ آپ اپنے باپ عبد المطلب کے دین سے پھر جاتے ہو، ابوطالب نے اخر بات جو کہی وہ یہی تھی کہ عبدالمطلب کے دین پر ہوں، لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا، اس وقت نبی کریم ﷺ بہت رنجیدہ ہوکر یہ فرمایا! خیر جو ہونا تھا وہ ہوا، اب میں تمہارے لئے اس وقت تک دعا کرتا رہوں گا جب تک منع نہ کیا جاؤں، پھر اللہ نے یہ ایت اتاری ''ما کان للنبی'' اخر تک۔ بخاری رقم: کتاب التفسیر و مسلم: ۲۴۔

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّآ إِلَيْهِ

اور اُن کی جانیں بھی اُن پر دوبھر ہوگئیں اور اُنہوں نے جان لیا کہ اللہ (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

پھر اللہ نے اُن پر مہربانی کی تا کہ توبہ کریں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۔ اے اہلِ

آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کیساتھ رہو[18] ۔ اہلِ مدینہ کو اور جوان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو شایاں نہ تھا

---

[18] امام بخاری نے کعبؓ سے تخلف کا واقعہ تفصیل سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ میں نبی کریم ﷺ کو کسی لڑائی میں چھوڑ کر پیچھے نہیں رہا، صرف غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا، اور جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالی نے کسی پر عتاب نہیں فرمایا تھا، جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے قریش کا قافلہ لوٹنے کے نیت سے تشریف لے گئے تھے، لڑائی کا ارادہ نہ تھا، مگر اللہ تعالی نے مسلمانوں اوران کے دشمنوں کو اچانک بن وعدہ اور بن ٹھہراؤ ٹھرادیا لڑائی ہوگئی، اور میں لیلۃ العقبۃ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا، جہاں ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا اور نبی کریم ﷺ کی مدد کرنے کا مضبوط قول قرار کیا تھا، مجھ کو تو جنگ بدر اس رات سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے، اگر چہ بدر کا شہرہ لوگوں میں اس رات سے زیادہ ہے، میرا حال یہ گذرا کہ غزوہ تبوک کے وقت میں خوب چاق و چوبند اور مال دار تھا، جب نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے رہ گیا تھا، میرے پاس سواری کی دو انٹنیاں کبھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں، اس جنگ کے وقت میرے پاس ایک چھوڑ دو اونٹیناں سواری کے لئے موجود تھیں، اور نبی کریم ﷺ کا یہ قاعدہ تھا جب کہیں جنگ پر جانے والے ہوتے تو اس کو صاف نہیں بیان کرتے، گول گول ایسا فرماتے کہ لوگ دوسرا کوئی مقام سمجھیں، جب اس جنگ کا وقت ایا تو اتفاق سے اس وقت سخت گرمی تھی، اور سفر بھی دور دراز راستے میں غیر آباد جنگل (بے آب وگیا) دشمن بے شمار، روم کے نصاریٰ، عرب کے نصاریٰ، اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے صاف صاف بیان کر دیا، کہ ہم تبوک کو جانا چاہتے ہیں آپ ﷺ کی غرض یہ تھی کہ وہ اچھی طرح لڑائی اور سفر کا سامان درست کرلیں، خیر نبی کریم ﷺ نے صاف صاف تبوک کا ارادہ مسلمانوں سے بیان کر دیا، اس وقت مسلمانوں کا شمار بہت تھا، اور کوئی دفتر وغیرہ نہ تھا، جس میں ان کے نام محفوظ ہوتے، کعبؓ نے کہا کوئی

مسلمان ایسا نہ تھا جو اس لڑائی میں غیر حاضر رہنا چاہتا تھا، مگر وہ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کا غیر حاضر رہنا نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہ ہوگا جب تک اس کے باب میں کوئی وحی نہ اترے، نبی کریم ﷺ نے اس لڑائی کا اس وقت قصد کیا جب درختوں کا میوہ پک گیا تھا، اور سایہ میں رہنا آدمی کو بہت پسند تھا یعنی سخت گرمی تھی، خیر نبی کریم ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کیا۔ میں بھی ہر صبح کو جاتا کہ سفر کا سامان تیار کروں پھر خالی لوٹ آتا کچھ تیاری نہ کرتا، میں اپنے دل میں کہتا میں ہر وخت اپنا سامان تیار کر سکتا ہوں جلدی کیا ہے؟ اس طرح دن گذرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے محنت مشقت اٹھا کر اپنا اپنا سامان تیار کر لیا۔ اور نبی کریم ﷺ اور مسلمان ایک صبح کو روانہ ہو گئے اس وقت تک بھی میں نے کوئی تیاری نہ کی تھی۔

لیکن میں نے اپنے دل میں کہا (آپ کو جانے دو) میں ایک یا دو دن میں سب تیاری کر کے آپ ﷺ سے مل جاؤں گا، جب وہ روانہ ہو گئے، تو دوسری صبح کو میں نے سامان تیار کرنا چاہا، لیکن اس روز بھی خالی پھر آیا، کوئی تیاری نہ کی، پھر تیسری صبح کو بھی ایسا ہی ہوا، خالی لوٹ آیا، کوئی تیاری نہ کی، میرا برابر یہی حال رہا کہ آج نکلتا ہوں کل نکلتا ہوں، ادھر سب لوگ جلدی جلدی سفر کر کے دور نکل گئے میرا (کئی بار) قصد ہوا کہ میں بھی کوچ کروں اور ان سے مل جاؤں، کاش میں ایسا کرتا، مگر قسمت میں نہ تھا۔ اب ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں مدینہ میں نکلتا اور گھوم پھر کر دیکھتا تو وہی لوگ نظر آتے جو منافق کہلاتے تھے یا معذور تھے، ضعیف وناتواں تھے، اس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا، ادھر نبی کریم ﷺ نے تبوک پہنچنے تک مجھ کو یاد نہیں فرمایا، جب تبوک پہنچے تو ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھے تھے اتنے میں فرمایا کعب بن مالک ؓ کہاں ہے؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ اپنے حسن وجمال یا لباس کی خوبی پر اترا کر رہ گیا۔

آپ ﷺ کے ساتھ نہیں آیا، یہ سن کر معاذ بن جبل ؓ نے کہا تو نے بری بات کہی، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! ہم تو اس کو اچھا ادمی سچا مسلمان سمجھتے ہیں، نبی کریم ﷺ خاموش ہو رہے کعب بن مالک ؓ کہتے ہیں جب یہ خبر آئی کہ نبی کریم ﷺ تبوک سے لوٹے آ رہے ہیں، تو میرا غم تازہ ہو گیا جھوٹے جھوٹے خیال دل میں آنے لگے، یہ عذر کروں گا وہ عذر کروں گا، مجھ کو یہ فکر ہوئی کعب ؓ اب کل آپ ﷺ کے غصے سے تو کیوں کر بچے گا؟ میں نے اپنے عزیزوں میں سے جو عقل والے تھے ان سے بھی مشہورہ لیا جب یہ خبر آئی کہ آپ ﷺ مدینہ کے قریب آ پہنچے اس وقت سارے جھوٹے خیالات میرے دل سے مٹ گئے، اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ جھوٹی باتیں بنا کر میں آپ ﷺ کے غصے سے بچنے والا نہیں۔ اب میں نے یہ ٹھان

لیا جو ہونا ہو وہ ہو، میں تو سچ سچ کہہ دوں گا، خیر صبح کے وقت آپ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے آپ کی عادت تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے، وہاں ایک دوگانہ آدا فرماتے، آپ ﷺ نے مسجد میں دوگانہ ادا کیا پھر لوگوں سے ملنے کیلئے بیٹھے، اب جو جو منافق لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور لگے اپنے اپنے عذر بیان کرنے، قسمیں کھانے، ایسے لوگ اسی (۸۰) پر کئی آدمی تھے، آپ ﷺ نے ظاہر میں ان کا عذر مان لیا ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، ان کے دلوں کی بھید کو اللہ کے حوالے کیا۔

کعبؓ کہتے ہیں میں بھی آیا میں نے جب آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ مسکرائے، مگر جیسے کوئی آدمی غصہ میں مسکراتا ہے، پھر فرمایا آؤ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کعبؓ تو کیوں پیچھے رہ گیا، تو نے تو سواری بھی خرید لی تھی، میں نے عرض کیا بے شک اگر کسی دنیادار شخص کے سامنے میں اس وقت بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصے سے بچ جاتا، میں خوش تقریر بھی ہوں مگر اللہ کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بولکر آپ ﷺ کو خوش کرلوں، تو کل اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کھول کر پھر آپ ﷺ کو مجھ پر غصہ کردے گا۔ اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟ میں سچ ہی کیوں نہ بولوں؟ گو آپ ﷺ اس وقت سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ کریں گے، مگر آئندہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی مجھ کو امید تو رہے گی، اللہ کی قسم میں سراسر قصوروار ہوں (زور طاقت قوت دولت) سب میں میرا کوئی برابر نہ تھا، اور میں یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے پیچھے رہ گیا، یہ سنکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کعبؓ نے سچ سچ کہہ دیا، کعبؓ اب تو ایسا کر چل جا، جبتک اللہ تعالیٰ تیرے باب میں کوئی حکم نہ اتارے، میں چلا، بنی سلمہ کے کچھ لوگ اٹھ کر میرے پیچھے ہوئے، اور کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو معلوم نہیں کہ تو نے اس سے پہلے بھی کوئی قصور کیا ہو، تو نے اور لوگوں کی طرح جو پیچھے رہ گئے تھے، نبی کریم ﷺ سے کوئی بہانہ کیوں نہ کر دیا، اگر تو بھی کوئی بہانہ کرتا تو نبی کریم ﷺ کی دعا تیرے قصور کے لئے کافی ہو جاتی، وہ برابر مجھ کو لعنت ملامت کرتے رہے اللہ کی قسم، ان کی باتوں سے میرے دل میں آیا، کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر چلوں، اور اپنی اگلی بات (گناہ) کے اقرار کو جھٹلا کر کوئی بہانہ نکالوں۔

میں نے ان سے پوچھا، اور بھی کوئی ہے جس نے میری طرح گناہ کا اقرار کیا ہے، انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں، جنہوں نے تیری طرح اقرار کیا، اور ان سے بھی نبی کریم ﷺ نے یہی فرمایا ہے، جو تم سے فرمایا ہے، میں نے پوچھا وہ دو شخص کون ہیں؟ انہوں نے کہا مرارہ بن ربیع، اور ہلال بن امیہ واقفی، انہوں نے ایسے دو نیک شخصوں کا بیان کیا، جو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکے تھے، اور جن کے ساتھ رہنا مجھ کو اچھا معلوم ہوا، خیر جب انہوں نے ان دو شخصوں کا بھی نام لیا تو مجھکو تسلی ہوگئی

میں چل دیا، نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا خاصکر ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے، اور دوسرے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے جنہوں نے جھوٹے بہانے کئے تھے، ان کے لئے یہ حکم نہیں دیا، اب لوگوں نے ہم سے پرہیز شروع کیا، کوئی بات تک نہ کرتا، بالکل کورے ہو گئے جیسے کوئی آشنائی ہی نہ تھی، ایسے معلوم ہوا جیسے زمین آسمان بدل گئے، وہ زمیں ہی نہ رہی جس پر ہم رہتے تھے، خیر پچاس راتیں اسی پریشان حالی میں گذریں، میرے دونوں ساتھی مرارہ بن ربیعؓ اور ہلالؓ تو روتے پیٹتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے، اور میں جوان مضبوط آدمی تھا تو مصیبت پر صبر کرکے باہر نکلتا، جماعت کی نماز میں شریک ہوتا، بازاروں میں گھومتا رہتا، مگر کوئی شخص مجھ سے بات نہ کرتا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آتا، نبی کریم ﷺ نماز پڑھکر اپنی جگہ بیٹھے ہوتے، میں آپ ﷺ کو سلام کرتا، پھر مجھے شبہ رہتا، آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹ ہلا کر مجھ کو سلام کا جواب بھی دیا، یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا، اور دزدیدہ نظر سے آپ کو دیکھتا رہتا، آپ ﷺ کیا کرتے جب میں نماز میں ہوتا، تو مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ کو دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے، جب اسی طرح ایک مدت گذری، اور لوگوں کی روگردانی دوبھر ہو گئی، تو میں چلا اور اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کی باغ کی دیوار پر چڑھا، اس سے مجھ کو بہت محبت تھی، میں نے اس کو سلام کیا تو اللہ کی قسم اس نے سلام کی جواب تک نہ دیا، میں نے کہا، ابوقتادہ تجھ کو اللہ کی قسم، تو مجھ کو اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ سمجھتا ہے یا نہیں؟ جب بھی اس نے جواب نہ دیا میں نے پھر قسم دیکر دوبارہ یہی کہا لیکن جواب نہ دارد، پھر تیسری بار قسم دیکر یہی کہا تو اس نے یہ کہا، اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں، بس اس وقت تو مجھ سے رہا نہ گیا، میری انکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے، اور پیٹھ موڑ کر دیوار پر چڑھکر وہاں سے چل دیا، میں ایک بار مدینے کے بازار میں جا رہا تھا اتنے میں ملک شام کا ایک نصرانی کسان ملا جو مدینہ میں اناج بیچنے لایا تھا، وہ کہہ رہا تھا، لوگو! کعب بن مالک کو بتلاؤ، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، اس نے غسان کے بادشاہ کا جو (نصرانی تھا) ایک خط مجھ کو دیا، مضمون یہ تھا مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے، کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تم پر ستم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ایسا ذلیل نہیں بنایا ہے، نہ بیکار، تم تو کام کے آدمی ہو، تم ہم لوگوں سے آکر مل جاؤ، ہم تمہاری خاطر مدارت خوب کریں گے، میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہنے لگا یہ ایک دوسری بلا ہوئی، میں نے وہ خط لے کر آگ کے تندور میں جھونک دیا، ابھی پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزری تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا پیغام لانے والا خزیمہ بن ثابت میرے پاس آیا، کہنے لگا، نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ہے، تم اپنی جورو (عمیرہ بنت جبیر) سے بھی الگ رہو، میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دیدوں یا کیسا کروں؟ اس نے کہا نہیں، اس سے الگ رہو، صحبت وغیرہ نہ کرو، میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا، اخر میں نے اپنی جورو سے کہہ دیا، نیک بخت تو اپنے کنبے والوں میں چلی

جا، وہیں رہ، جبتک اللہ میرا کچھ فیصلہ نہ کرے، وہ چلی گئی، کعب نے کہا، ہلال بن امیہ کی جورو (خولہ بنت عاصم) نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی، یارسول اللہ ہلال بن امیہ میرا خاوند بوڑھا پھونس ہے اگر میں اس کا کام کاج کرتی رہوں، تو کیا آپ ﷺ اس کو برا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کام کاج کرنے میں قباحت نہیں، وہ تجھ سے صحبت نہ کرے، اس نے کہا اللہ کی قسم وہ تو کہیں چلتا پھرتا بھی نہیں ہے۔ جب سے واقعہ ہوا ہے تب سے برابر رو رہا ہے، اج تک وہ اسی حال میں ہے، کعب نے کہا مجھ سے بھی میرے بعضے عزیزوں نے کہا تم بھی اگر اپنی جورو کے باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگو کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، تو مناسب ہے، جیسے نبی کریم ﷺ ہلال بن امیہ کی جورو کو خدمت کی اجازت دی، تم کو بھی اجازت دیں گے، کعب نے کہا اللہ کی قسم کبھی اس باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا، کیونکہ مجھ کو معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ کیا فرمائیں، اجازت دیں یا نہ دیں، میں جوان آدمی ہوں، ہلال کی طرح ضعیف اور ناتوان نہیں ہوں، خیر اس کے بعد دس راتیں اور گزریں، اب پچاس راتیں پوری ہوگئیں، اس وقت سے جب سے آپ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے سلام کلام کی ممانعت فرمادی تھی، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں صبح کی نماز پڑھکر اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا، تو جیسے اللہ تعالی نے قران شریف میں فرمایا: (وضاقت علیھم انفسھم) میرا دل تنگ، زندگی بھی تنگ ہو رہی تھی، اورزمین اتنی کشادہ ہونے پھربھی تنگ ہوگئی تھی، اتنے میں، میں نے ایک پکارنے والے کی اواز سنی، جوسلع پہاڑ پر چڑھکر پکار رہا تھا (یہ ابوبکر صدیق ؓ تھے) کعب بن مالک خوش ہوجا، یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا، اور مجھ کو یقین ہوگیا، اب میری مشکل دور ہوئی، اور نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو خبر کردی، کہ اللہ تعالی ہمارا قصور معاف کردیا ہے، اب لوگ خوشخبری دینے کو میرے پاس اور میرے دونوں ساتھیوں (مرارہ اور ہلال) کے پاس جانے لگے ایک شخص زبیر بن عوام گھوڑا کداتے ہوئے میرے پاس آئے، اور اسلم قبیلے کا یک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا، اور پہاڑ پر کی اواز گھوڑیوالے سے جلد مجھ کو پہنچی، خیر جب یہ شخص جس کی خوشخبری کی آواز مجھ کو پہنچی میرے پاس آیا، تو میں نے خوشی میں آکر کیا کیا، وہ کپڑے جو میرے پاس تھے، وہ کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے، اس وقت کپڑوں کی قِسم سے میرے پاس یہی دو کپڑے تھے، اور میں نے ابوقتادہ سے دو کپڑے مانگ کر پہنے، اور نبی کریم ﷺ کے پاس چلا ایا، راستے میں فوج درفوج لوگ مجھ سے ملتے جاتے تھے، اور مجھ کو مبارک بادی دیتے جاتے تھے، اور کہتے تھے، اللہ کی معافی تم کو مبارک ہو، کعب کہتے ہیں جب میں مسجد میں پہنچا، دیکھا تو نبی کریم ﷺ بیٹھے ہیں، لوگ آپ ﷺ کے گرد ہیں، طلحہ بن عبیداللہ مجھ کو دیکھ کر دوڑ اٹھے اور مصافحہ کیا، مبارکبادی دی، اللہ کی قسم مہاجرین میں سے اور کسی نے اٹھ کر مجھ کو مبارک بادی نہیں دی، میں طلحہ کا یہ احسان کبھی

بھولنے والانہیں، کعب کہتے ہیں جب میں نے نبی کریم ﷺ کوسلام کیا، میں نے دیکھا آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کعب! اس دن کی تجھ کو بشارت ہو جوان دنوں میں سے سب سے بہتر ہے، جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ معافی اللہ کی طرف سے ہوئی یا آپ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایانہیں، اللہ کی طرف سے ہوئی، اس نے خود معافی کا حکم اتارا، نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو جاتا، ہم لوگ اس کو پہچان لیتے، خیر میں جب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اپنی معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال خیرات کر دوں؟ اللہ اور اللہ کے رسول کو دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑا مال اپنے لئے بھی رہنے دے، یہ تیرے حق میں بہتر ہے، میں عرض کیا بہت خوب، خیبر میں جو میرا حصہ ہے، میں وہ رہنے دیتا ہوں، باقی سب خیرات کر دیتا ہوں، پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے جو سچ بول دیا، اس وجہ سے مجھ کو نجات ملی، اور میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ اب میں جیئے تک ہمیشہ سچ ہی کہوں گا، اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے کسی مسلمان پر اتنا فضل کیا ہو جتنا مجھ پر فضل کیا ہے، جب سے میں نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملے میں سچ سچ عرض کر دیا، اس وقت سے اج کی دن تک میں نے کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا، اور مجھ کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جیئے تک مجھ کو جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایت اتاری: ''لقد تاب اللہ علی النبی و المھاجرین............ و کونوا مع الصادقین'' تک، اللہ کی قسم، میں تو اسلام کی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان اپنے اوپر اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا، کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے مجھ کو سچ بولنے کی توفیق دی، اور جھوٹ سے بچایا، اگر میں جھوٹ بولتا تو دوسرے منافق لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا، جیسے وہ تباہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹوں کے لئے برالفظ اتارا کہ ویسا برا کسی کے لئے نہیں اتارا۔

فرمایا اب جب تم لوٹ کر آئے تو یہ لوگ اللہ کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے'' اخیر آیت ''فان اللہ لا یرضی عن القوم الفاسقین'' تک۔ کعب نے کہا ہم تینوں آدمیوں کا حکم ملتوی رکھا گیا اور ان لوگوں کا مقدمہ جنہوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں تھیں فیصل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، اور ہمارے مقدمہ کو ڈھیل میں ڈال دیا، اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری معافی کا حکم اتارا، اور اس ایت: ''وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا'' میں سے ''خلفوا'' سے یہی مراد ہے کہ ہمارا مقدمہ ملتوی رکھا گیا۔ اور ہم ڈھیل میں ڈال دئے گئے، یہ مراد نہیں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہ گئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے رہے جنہوں نے قسمیں کھا کر عذر بیان کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے۔ رقم الحدیث بخاری: ۴۴۱۸ و مسلم ۲۷۶۹۔

وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ وَلَا يَرْغَبُوْا

کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں

بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ

یہ اس لئے نہیں کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَطَؤُنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ

یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے

وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ

یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر اُن کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے

إِنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً

کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔ اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا

وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

یا بہت یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ اُن کیلئے (اعمالِ صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ

تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے ۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب

لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

نکل آئیں تو یوں کیوں نہ ہوا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین (کا علم سیکھتے

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْآ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈرسناتے تاکہ وہ بچیں ۔[19] اے اہل

آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیئے کہ وہ تم میں (اپنے لئے) سختی معلوم کریں اور

وَاعْلَمُوْآ أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ

جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کیساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (مذاق کرتے اور) پوچھتے ہیں

يَّقُوْلُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ إِيْمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا

کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا

---

[19] مفسر قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت طلب علم دین کی اصل اور بنیاد ہے، اور غور کیا جائے تو اسی آیت میں علم دین کا اجمالی نصاب بھی بتلا دیا گیا ہے، اور علم حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض بھی، اور بعض کم علموں نے اس آیت سے تقلید جامد ثابت کرنے کے لئے استدلال کیا ہے، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس آیت میں تو اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ہر قوم اپنے عالم کی بات مانے گی، لیکن مقلدین نے تو پوری امت پر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید فرض کردی ہے۔ اور مذاہب اربعہ نے صرف ائمہ اربعہ کو ''منذرین'' قرار دیا ہے، حالانکہ اس سے پوری امت کے علماء مراد ہیں۔ اس آیت میں نہ صرف تقلید شخصی کی تردید ہے بلکہ علم اور انذار کو صرف ائمہ اربعہ میں منحصر کرنے پر واضح رد بھی موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء کرام اپنی قوم کو محض اپنی رائے اور اجتہاد کی روشنی میں یا کسی تیسرے کی بات کی روشنی میں ڈرائیں گے، یا پھر قران وحدیث کی روشنی میں؟ یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کو بے وقوف نہ بنائیں بلکہ کتاب وسنت کا صریح حکم ان کو بتائیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں تقلید کا رد ہے نہ کہ اثبات۔ فیروز آبادی اپنی کتاب ''التبصرۃ فی الاصول'': ۴۰۷، میں لکھتا ہے کہ: ان المراد بذلک قبول الاخبار وما سمعوہ من النبی ﷺ، فنحملها علیه او نحملها علی العامة، وکذا فی " العدة" لابی یعلی: ۴/۱۲۳۲۔

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اور وہ خوش ہوتے ہیں ۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
اُن کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر
أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ
کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے
وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ
اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۔اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (اور پوچھتے ہیں
هَلْ يَرٰكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
کہ) بھلا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں، اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے
لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
کام نہیں لیتے ۔(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ
تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دو کہ مجھے
اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾
اللہ کافی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔



سورة یونس (مکیة)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ

الر ۔یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں ۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے

اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ اُن کے رب کے ہاں اُن کا سچا درجہ ہے (ایسے

عِنْدَ رَبِّھِمْ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ

شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔ تمہارا رب تو اللہ ہی ہے

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنائے پھر عرش (عظیم) پر قائم ہوا، [۱]

مسئلہ استوی علی العرش

[۱] یہاں ہم تفسیر مظہری والے کا قول نقل کرتے ہیں تا کہ ان متعصبین کو حقانیت مذہب اہل حدیث معلوم ہوجائے (و شھد شاھدمن اھلھا):۔

سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا باتفاق عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالی تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض سے پاک ہے، لیکن آیت مذکورۃ الصدر اور اس جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ تعالی کا اتصاف ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک وعقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب دئے گئے ہیں۔

(۱) تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہری الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں: جوشان الٰہی کے مناسب ہیں۔کیونکہ ایت : وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ میں "الراسخون" کا عطف "اللہ" پر ہے۔مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانیین بھی واقف ہیں۔اس کی تفصیلی بحث سورۂ ال عمران میں گزر چکی ہے، اس توجیہ کی روشنی میں ایت مذکورہ میں " استوی" کو بمعنی "استولی" قرار دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ عرش جو سب سے اعلی اور بالا مخلوق ہے، جب اللہ اس پر غلبہ رکھتا ہے، تو دوسری مخلوق پر اللہ کا تسلط بدرجہ اولی ظاہر ہے، پس ساری مخلوق اس کے زیر تسلط ہے۔لیکن بغویؒ نے کہا "استوی" کو بمعنی استیلاء وتسلط قرار دینا معتزلہ کا قول ہے۔

(۲) سلف صالحین کا مسلک اہل تاویل کے مسلک کے خلاف ہے تمام علماء سلف کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے، ان کی تنقیح اور موشگافیوں سے اجتناب لازم ہے۔ان کی حقیقت کے علم کو اللہ کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔اسی بناء پر امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا: کہ پورب سے پچھم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے، کہ قران اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں انکو (یونہی) بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے، جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے۔اس کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں۔امام مالک بن انسؒ نے فرمایا "استوی" کا حقیقی ترجمہ مجہول نہیں، "استواء" کی کیفیت معلوم نہیں، اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔سلف صالحین تنزیہ باری تعالی کے قائل تھے، اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو بغیر تاویل کے مانتے تھے۔امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اللہ آسمان میں یقیناً ہے زمین میں نہیں، رواہ البیہقی۔

اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ جس نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: الرحمٰن علی العرش استوی۔اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا! اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے، وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونا، اور نیچے اترنا، تینوں قول صحیح ہیں۔لیکن عرش پر موجود ہونے، مخلوق کے قریب ہونے، اور نیچے اترنے، کی کیفیت معلوم نہیں۔

ایسا ہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی مروی ہے۔اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے،تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی ، بخاری ،ابوداؤد،ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ،ابویعلی ،بیہقی ،ذہبی اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی قول ہے،ابوذرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔حافظ عثمان بن سعید دارمی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمان ون کے اوپر ہے، سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا، وہ کیسے مستوی ہوسکتا ہے؟ ہمارے لئے (استوی) کو ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی عرش پر ہے۔محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران مآب ہوگا۔محمد بن خزیمہ نے کہا جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمان وں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے۔اس سے توبہ کرائی جائے تو بہ کرلے تو خیر، ورنہ اسکی گردن ماردی جائے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش وکرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے۔اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی چیزوں سے بھی وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز سے اوپر ہے۔شیخ ابوالحسن اشعری بصری اپنی کتاب **اختلاف المضلین ومقالات الاسلامیین** میں اہل السنۃ اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے: جس کی خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے پرشتوں ، کتابوں، اور پیغمبروں کا ماننا، اور جو کلام اللہ کی طرف سے ایا ہے، اور جو رسول کریم ﷺ کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے۔سب پر اقرار کرنا ضروری ہے، ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خود آیت **الرحمٰن علی العرش استوی** میں فرمایا ہے: اور اللہ کے دو ہاتھ بھی ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے "**خلقت بیدیّ**"۔

ابونعیم نے حلیہ میں لکھا ہے: ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے جو کتاب اللہ احادیث نبی کریم ﷺ اور اجماع کے پیرو تھے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے ،کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات میں کامل ہے،۔اخر میں ابونعیم نے کہا جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے، اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی (مخلوقی) کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے، اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اللہ عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے، جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔خطیب نے کہا سلف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی متشابہ آیات کا اقرار کیا جائے اور ان کے ظاہری معنی پر ہی الفاظ کو محمول کیا جائے اور کیفیت

وتشبیہ کی نفی کی جائے، یعنی کوئی کیفیت اور تمثیل وتشبیہ بیان نہ کی جائے، کہ معنی معلوم ہے مگر معنی کی کیفیت مجہول ہے، اور وجہ الله یا ید اللہ یا استوی علی العرش کو ہم مخلوق کے چہرے ہاتھ اور استواء سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ یہ چیزیں اللہ کی صفات ہیں مگر ویسی ہیں جیسی اس کی شان کے مناسب ہیں، امام الحرمین نے کہا: عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے۔ ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی وضاحت وتفصیل کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اہل السنّت قائل ہیں کہ " استویٰ علی العرش "اللہ کی صفت ہے، بلا کیف، اس پر ایمان واجب ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ "استویٰ علی العرش "اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے۔ استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔ ابوبکر علی بن عیسٰی شبلی جو اپنے زمانہ کے صوفیاء میں سب سے بڑے عالم تھے، کہتے ہیں: رب آسمان میں ہے، حکم دیتا ہے، اور فیصلہ نافذ کرتا ہے۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری نے اخبار شتّیٰ میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے، اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ (جس کا خلاصہ وہی ہے جو علماء سلف سے منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک) یہ تمام اقوال ذہبی نے "کتاب العلوّ" میں نقل کئے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء، اور صوفیہ کے کثیر جماعت (تقریبا سب) کا یہی مسلک ہے۔

میں نے مختصرا سورۂ اعراف کی آیت "ثم استوی علی العرش یغشی اللیل و النھار" اور سورۂ البقرہ کی ایت" یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام " کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔ کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالی کی خصوصی تجلی اور خاص پرتو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نورچیں ہوتی ہے۔ اس سے ذات باری تعالی محل حوادث نہیں بن جاتی نہ خالص مرتبہ تنزیہ سے اس کا (تشبیہ کی طرف) تنزل ہوتا ہے) بلکہ ممکنات میں ایسا جوہر پیدا ہو جاتا ہے جو پرتو اندوزی کے قابل بن جاتا ہے، امکان وحدوث کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس میں جلوہ پذیری کی قابلیت بڑھ جاتی ہے، اور بڑھتی رہتی ہے۔ اس جلوہ پاشی سے وجوب وقدم میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ وجوب سے امکان اور قدم سے حدوث کی طرف ذات واجب وقدیم کا تنزل نہیں جاتا، میں نے سورۂ بقرہ میں "ثم استوی الی السماء فسواھن سبع سمٰوات " کی تفسیر کے ذیل میں اس جلوہ پاشی کی تنقیح کر دی ہے، جو مومن کے دل پر، کعبہ پر، اور عرش عظیم پر خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی بعض مخلوق تجلی الٰہی کی خصوصی جولانگاہ ہے، خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ الٰہی سے نورچیں ہوتی ہے، اس پر خاص چمکارا اور پرتو پڑتا ہے، اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان وزمان اور حامل

کیف وکم ہونالازم نہیں آتا۔وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے۔بے مکان ہے بے زمان ہے اور ہر حادث مقدار،وعوارض سے پاک ہے۔انتہیٰ بلفظہ۔اوراس مسئلہ کے متعلق سید امیر علی نے تفسیر مواہب الرحمان:۳/۲۱۷، میں لکھا ہے کہ: اورحق اس مسئلہ میں قول اکابر اہل اللہ تعالی ہے،اوراسی کے قریب قول عدم تاویل کا ہے،اورسب سے اخس قول تاویل ہے،اگرچہ متاخرین نے اس کومحکم ومضبوط قرار دیا ہے۔لیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔اورمترجم کوتعجب ہے کہ کیونکر بندے یہ جرأت کرتے ہیں کہ حق عزوجل کی صفات پاک کواپنی سمجھ کے موافق کرلیں۔ ''**فاستقم ،والله هو العلى الكبير** ''اورایسی قول بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری:۱/۲۲۲ کہا ہے۔

اورمذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے'' پھرعرش پرمستوی ہوا''،کرخی نے لکھا کہ عرش پرمستوی ہونا اللہ تعالی کی ایک صفت ہے،اس کی کیفیت بالکل سمجھ سے باہر ہے،مفسر نے لکھا کہ یہ استواء ایسا ہے جواس کی شان کے لائق ہے،یعنی کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ عرش پرمستوی ہونا ایسی کیفیت پر ہے،یااس کی مثال اس طرح ہے،یایوں متصور ہے،کیونکہ حضرت باری تعالی کوکسی چیز سے تشبیہ نہیں،اورنہ آدمی کے قیاس کومجال ہے،پس جب یہ صریح آگیا کہ اللہ تعالی کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے تواتنا بالیقین معلوم ہوگیا کہ جوکیفیت بندہ تصور کرے وہ حادث ہوگی،اوراللہ تعالی حادث سے پاک ہے،تواس کی کیفیت کبھی معلوم نہیں،اورچونکہ اللہ تعالی نے'' **استواء على العرش** ''کوبیان فرمایا توہم یہ نہیں کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے، بلکہ یقین کرتے ہیں کہ جوکچھ اس نے فرمایاوہ صحیح ہے،اورکیفیت ہم کومعلوم نہیں ہے،ہاں اتنا یقین ہے کہ کوئی تشبیہ وتمثیل وتصور یہاں نہیں ہے،پس یہ طریقہ توسلف الامۃ واماموں کا ہے،کہ ایسی ایات کوجواللہ تعالی کی شان میں ہیں،ان پربدون تاویل کے اسی طرح ایمان لاتے ہیں کہ جس طرح وارد ہوا ہیں،بدون کیفیت کے،اوریقین جانتے ہیں کہ یہاں قیاس وگمان ووہم وغیرہ سب باطل ہے،اورپچھلے علماء نے ان آیات میں تاویلیں کیں،تاکہ سمجھ سے موافق ہوجاوے،لیکن بے ضرورت تاویل ہے اوربکثرت احادیث جوصفات میں وارد ہیں ان میں تاویل بعض جگہ بنتی ہے اوربعض جگہ بالکل نہیں بنتی،توتاویل بے کار رہے،اورکوئی آدمی جس کوذرابھی عقل ہووہ ایمان لانے کے لئے اس بات پرہٹ نہیں کرے گا،کہ مجھے شان وصفت الٰہیٰ کا علم ہوجاوے،اس لئے کہ مخلوق کواتنا مجال نہیں کہ حضرت خالق تبارک وتعالی کاعلم حاصل کرے،لہٰذا آیات واحادیث صفات کواپنے معنی پریقین کرے بدون دخل اپنے قیاس کے،اورجان لے کہ یہ صفت الٰہی ہے جس طرح اس کی شان پاک کے لائق ہے اسی طرح ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

وہی ہرایک کام کا انتظام کرتا ہے،[2] کوئی (اُس کے پاس) اُس کی اِجازت حاصل کئے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کرسکتا یہی اللہ

---

[2] آیت مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے چھ دن میں آسمان وزمین اور تمام کائنات بنائی، اور اس کے بعد عرش پر قیام فرمایا، یہ یقینی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی جسم اور جسمانیت اور اس کی تمام صفات وخصوصیات سے بالا وبرتر ہے، اس کا کسی مکان میں قیام اس طرح کا نہیں ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ میں ہوتا ہے، پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ ہے، یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو انسان کی عقل وفہم نہیں پاسکتی۔

اسی لئے قرآن حکیم کا ارشاد ان کے بارے میں یہ ہے کہ ﴿ ومایعلم تأویله الاالله، والراسخون فی العلم یقولون امنابه ﴾ ،یعنی ان کو سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا اور مضبوط اور صحیح علم والے اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت جاننے کی فکر میں نہیں پڑتے ،اس لئے اس قسم کے تمام معاملات میں اللہ تعالی کی نسبت کسی مکان یا جہت کی طرف کی گئی ہے، یا جن میں حق تعالی کے لئے اعضاء، ید، وجہ، ساق وغیرہ کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے ،عقیدہ جمہور علماء امت کا یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ پر حق ہیں اور ان سے جو مراد حق تعالی کی ہے وہ صحیح ہے اور اس کی کیفیت وحقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے:

اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں، کہ شاید یہ معنی ہوں، اس معنی کو یقینی وہ نہیں فرماتے اور نرے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کرسکتے،

اس لئے صاف اور سیدھا مسلک سلف صالحین اور صحابہ وتابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علم الہٰی کے سپرد کرنے پر قناعت فرمائی، اس کے بعد فرمایا: ﴿یدبر الامر﴾ یعنی عرش پر مستوی ہوکر وہ تمام عالموں کا انتظام خود دست قدرت سے انجام دیتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا

تمہارا رب ہے تو اُسی کی عبادت کرو بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟۔اُسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے،اللہ کا وعدہ سچا

إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہے، وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو

بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ

انصاف کیساتھ بدلہ دے اور جو کافر ہیں اُن کیلئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد ناک عذاب ہو گا

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا

کیونکہ (اللہ سے) انکار کرتے تھے ۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منوّر بنایا

وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا

ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٥﴾

ہے سمجھنے والوں کیلئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ

(سب میں) ڈرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں ۔جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش

الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيٰتِنَا غٰفِلُونَ ﴿٧﴾

اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

أُولَٓئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
اُن کا ٹھکانہ اُن (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے ۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
اور نیک کام کرتے رہے اُن کو اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کی وجہ سے (ایسے محلوں کی) راہ دکھائے گا (کہ) اُن کے نیچے
الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا
نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔ (جب وہ) اُن میں (اُن کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ!
سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ
اور آپس میں اُن کی دعا السلام علیکم ہو گی اور اُن کا آخری قول یہ (ہو گا) کہ
أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ
اللہ رب العالمین کی حمد (اور اُس کا شکر) ہے ۔ اور اگر اللہ لوگوں کی بُرائی میں جلدی کرتا
اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا
جس طرح وہ طلبِ خیر میں جلدی کرتے ہیں تو اُن کی (عمر کی) میعاد پوری ہوچکی ہوتی سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں
فِي طُغْيٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖ
انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں ۔اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا
أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ
اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دُور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور)
مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلٰى ضُرٍّ مَسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا
اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے

يَّعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا
اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں ۔ اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا
وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
ہلاک کر چکے ہیں اور اُن کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، ہم گنہگاروں کو اسی
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ
طرح بدلا دیا کرتے ہیں ۔ پھر ہم نے اُن کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تا کہ ظاہر کریں کہ تم کیسے
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ
کام کرتے ہو۔ اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں وہ کہتے ہیں
لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ
کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہہ دو کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے
أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ
بدل دوں میں تو اُسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں
إِنِّيْٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾
تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرٰكُمْ بِهٖ
(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا،
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں؟ ۔ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

عَلَـى اللهِ كَـذِبًـا أَوْ كَـذَّبَ بِـآيٰتِـهٖ إِنَّـهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْـرِمُوْنَ ﴿١٧﴾

جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلائے بیشک گنہگار فلاح نہیں پائیں گے

وَيَـعْبُـدُوْنَ مِـنْ دُوْنِ اللهِ مَـا لَا يَـضُـرُّهُـمْ وَلَا يَـنْـفَـعُهُـمْ

اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں۔

وَيَـقُـوْلُـوْنَ هٰـؤُلَآءِ شُـفَـعَـآؤُنَـا عِنْدَ اللهِ ۚ قُلْ أَتُـنَبِّـئُـوْنَ اللهَ بِـمَـا

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں کہہ دو کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ [3]

لَا يَعْلَـمُ فِـي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِـي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰـنَـهُ وَتَـعٰـالٰـى عَمَّـا

آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور (اُس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے

يُشْـرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَمَـا كَـانَ الـنَّـاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِـدَةً فَـاخْتَلَفُوْا

اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے پھر جدا جدا ہو گئے

وَلَـوْلَا كَـلِـمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾

اور اگر ایک بات جو تمہارے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُن میں فیصلہ کر دیا جاتا

---

[3] ''وَيَـقُـوْلُـوْنَ هٰـؤُلَآءِ شُـفَـعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ'' اگر اس ایت سے شفاعت اخروی مراد ہو، تو معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت آ بھی جائے تو یہ ہماری سفارش کریں گے، اور اگر دنیوی مراد ہو تو پھر اس سے شفاعت مافوق الاسباب مراد ہے، اور اصنام کی طرف ان کی نسبت بطریق سببیت کے ہے، کہ وہ بت انہوں نے ہی نیک لوگوں کے صورتوں پر بنائے تھے، کفار کا خیال تھا کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ ذوات فاضلہ ہماری سفارش کریں گے (روح المعانی)۔جیسا کہ آج کل کے قبروں پرستوں کا یہی خیال ہے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ

اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے

فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً

سوتم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت

مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ

(سے آسائش) کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ بہت جلد حیلہ کرنے والا ہے

إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ

اور جو حیلے تم کرتے ہو ہمارے فرشتے اُن کو لکھتے جاتے ہیں۔ وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے

حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ

کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے

وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ

سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے

وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ

اُن پر جوش مارتی ہوئی آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی

مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ

عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں[4]

[4] جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو عکرمہ (ابوجہل کا بیٹا) بھاگ کر بحری جہاز میں سوار ہوا، مخالف ہوا چلنے لگی تو جہاز=

لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾
کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں
فَلَمَّآ أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا
لیکن جب وہ اُن کو نجات دیدیتا ہے تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری
بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا تم دنیا کی زندگی کے فائدے اٹھاؤ پھر تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے،
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے ۔ دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے
أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ
کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برسایا پھر اُس کیساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں
حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ
ملا کر نکلا یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں
عَلَيْهَآ أَتَاهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ
ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اُس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

=والے لوگوں نے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہمیں نہیں بچا سکتا، لہٰذا اب صرف اللہ تعالیٰ ہی سے بچاؤ کی دعا کرو، یہ سنکر عکرمہ نے کہا! اے اللہ جب سمندر میں بچانے والا تو ہی ہے تو پھر خشکی میں کوئی اور بچانے والا ہوگا؟ اے اللہ اگر تو نے مجھے نجات دی تو میں جاتے ہی اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ہی میں دوں گا، چنانچہ پہنچتے ہی مسلمان ہوا (ابن عباسؓ)۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ
جولوگ غور کرنے والے ہیں اُن کیلئے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔اور اللہ سلامتی
السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا
کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے جن لوگوں نے نیکوکاری کی
الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اُن کیلئے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی اور اُن کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی، یہی
الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ
جنتی ہیں کہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے تو بُرائی کا بدلہ
بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَّا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
ویسا ہی ہو گا اور اُن کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہو گا
كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اُن کے مونہوں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے ۔ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے
اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ
کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم اُن میں تفرقہ ڈال دیں گے اور اُن کے شریک (اُن سے) کہیں گے
مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے

إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ

ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کر لے گا

وَرُدُّوْآ إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہے گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

(اُن سے) پوچھو کہ تمہیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ

اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا

الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ

انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟۔ یہی اللہ تو تمہارا رب ہے

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟۔ اسی طرح اللہ کا ارشاد اُن

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْآ أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

(ان سے) پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتداء پیدا کرے (اور)

ثُمَّ يُعِيْدُهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر اُس کو دوبارہ بنائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِیْ إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ
پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی
يَهْدِیْ لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَّهْدِیْ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُّتَّبَعَ أَمَّنْ لَّا
حق کا رستہ دکھاتا ہے بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ
يَهِدِّیْ إِلَّا أَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾
کہ جب تک کوئی اُسے رستہ نہ بتائے رستہ نہ پائے تو تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟
وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا
اوران میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہوسکتا
إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُّفْتَرٰى
بیشک اللہ تمہارے (سب) افعال سے واقف ہے۔اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنالائے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ
ہاں (یہ اللہ کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں اُن کی تصدیق کرتا ہے اور اُنہی کتابوں کی (اس میں)
لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ
تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے
قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ
اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلاسکو بلا
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ
بھی لو۔حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے اُنہوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا ۔
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ
اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور تمہارا رب
أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ
شریروں سے خوب واقف ہے ۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھے میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں
عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ
تمہارے اعمال (کا) تم میرے اعمال کے جواب دِہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دِہ نہیں ہوں ۔ اور ان میں بعض
مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ إِلَيْكَ ۭ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾
ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سنتے) سمجھتے نہ ہوں؟
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ إِلَيْكَ ۭ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا
اور بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں؟
يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ
اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں
يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے
يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ
ہی نہیں تھے (اور) آپس میں ایک دوسرے کو شناخت بھی کریں گے ، جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ
وہ خسارے میں پڑ گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہوئے اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں
أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾
تمہاری آنکھوں کے سامنے کریں یا تمہاری مدتِ حیات پوری کردیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
اور ہر ایک اُمت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا، جب اُن کا پیغمبر آتا ہے تو اُن میں انصاف کیساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے اور اُن پر کچھ
يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾
ظلم نہیں کیا جاتا ۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (جس عذاب کا) یہ وعدہ (ہے وہ) کب آئے گا؟
قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ؕ
کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے ہر ایک اُمت کیلئے (موت کا) ایک وقت
إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ
مقرر ہے جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں ۔ کہہ دو بھلا دیکھو
إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
تو اگر اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آجائے رات کو یا دن کو تو پھر گنہگار کس بات کی جلدی کریں گے؟
أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهٖ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
کیا جب وہ واقع ہوگا تب اُس پر ایمان لاؤ گے اور اب (ایمان لائے)؟ اسی کیلئے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ
پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا کہ عذابِ دائمی کا مزہ چکھو (اب) تم اُنہی (اعمال) کا بدلا پاؤ گے جو (دنیا میں)

تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِيْ وَرَبِّيْ إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ
کرتے رہے۔ اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے؟ کہہ دو کہ ہاں اللہ کی قسم سچ ہے اور تم (بھاگ کر اللہ کو)
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ
عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور اگر ہر ایک نافرمان شخص کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو (عذاب سے بچنے کے)
لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ
بدلے میں (سب) دے ڈالے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (پچھتائیں گے اور) ندامت کو چھپائیں گے
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
اور اُن میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی طرح کا) اُن پر ظلم نہیں ہو گا۔ سن رکھو کہ جو کچھ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾
آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور یہ بھی سن لو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے
هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ
وہی جان بخشتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور تم لوگ اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ لوگو! تمہارے پاس
مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ
رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا
آ پہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں،

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ
یہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ۔[5] کہو کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا
فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾
تو تم نے اُس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟
وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّ اللّٰهَ
اور جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بیشک اللہ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ
لوگوں پر مہربان ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور تم جس حال میں ہوتے ہو
وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا
یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو

---

[5] فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے توفیق ایمان واسلام مراد ہے، یا دونوں سے مراد قران ہی ہے، اس آیت میں نہایت تاکید اور اہتمام سے قرآن کے ساتھ جو اللہ تعالی کا فضل ورحمت ہے خوش ہونے کا حکم دیا گیا ہے، اس آیت کی فصاحت وبلاغت کا کمال یہ ہے کہ لفظی تکرار کے بغیر اس میں معنوی تکرار اور تاکید موجود ہے، چنانچہ یہاں تین بار اس کی تاکید ہے: (۱) بفضل اللہ کا متعلق محذوف ہے اصل میں تھا بفضل اللہ وبرحمته فليفرحوا، (۲) فبذلك، فاء، اس پر دلالت کررہی ہے کہ ''بذلک'' کا متعلق محذوف ہے، جو قرینہ مابعد ''ليفرحوا'' ہے، (۳) ''فليفرحوا'' جملہ ہے، جس کا متعلق بذلک مقدر ہے اس طرح فبذلك فليفرحوا'' دو مستقل جملے ہونگے اور اصل کلام یوں ہوگا، فبذلك ليفرحوا'' فبذلك ليفرحوا'' پہلے جملہ سے فليفرحوا اور دوسرے جملہ سے بذلك محذوف ہوگا، فبذلك فليفرحوا میں ظرف کی فعل پر تقدیم مفید حصر ہے، اسی ہی کے ساتھ انہیں خوش ہونا چاہئے، نہ کسی دوسری کتاب یا دنیوی مال ومنال سے ۔=

إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ

ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں

وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ

اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی، مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

مُّبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۔تو اُن کیلئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے

وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔[6]

= دیگر مفسرین نے صرف دو جملے بنائے ہیں ایک بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا، دوم ،فبذلک فلیفرحوا'' امام رازیؒ فرماتے ہیں وتقدیرہ بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا'' ثم یقول مرۃ اخری ،فبذلک فلیفرحوا''والتکرار للتاکید.

[6] آیات مذکورہ میں اولیاء اللہ کے مخصوص فضائل اوران کی تعریف اور پہچان پھر دنیا اوآخرت میں ان کے لئے بشارت کا ذکر ہے،ارشادفرمایا کہ اولیاء اللہ کونہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہوجانے کا غم ،اوراولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جوایمان لائے اورجنہوں نے تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کی ،ان کے لئے دنیامیں بھی خوش خبری ہے اورآخرت میں بھی۔اس میں چند باتیں قابل غور ہیں ،اول یہ کہ اولیاء اللہ پرخوف وغم نہ ہونے کے کیامعنیٰ ہیں؟ دوسرے یہ کہ اولیاءاللہ کی تعریف کیا ہے اوان کی علامات کیا ہیں؟ تیسرے یہ کہ دنیاوآخرت

میں ان کی بشارت سے کیا مراد ہے؟۔

پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب کے بعد جب ان کو ان کے مقام جنت میں داخل کر دیا جائے گا، تو خوف وغم سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی، نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب ومطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا، بلکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی، اس معنی کی اعتبار سے تو مضمون ایت پر کوئی اشکال نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کی کوئی خصوصیت نہ رہی بلکہ تمام اہل جنت جن کو جہنم سے نجات مل گئی وہ اسی حال میں ہوں گے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ انجام کار جنت میں پہنچ گئے وہ سب اولیاء اللہ ہی کہلائیں گے۔

دنیا میں ان کے اعمال کتنے ہی مختلف رہے ہوں، مگر دخول جنت کے بعد سب کے سب اولیاء اللہ کی ہی فہرست میں شمار ہونگے۔ لیکن بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونا دنیا وآخرت دونوں کے لئے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف وغم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف وغم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔

مگر اس پر حالات وواقعات کے اعتبار سے یہ اشکال ہے کہ دنیا میں تو یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اولیاء اللہ تو کیا انبیاء علیہ السلام بھی اس دنیا میں خوف وغم سے محفوظ نہیں، بلکہ ان کا خوف وخشیت اوروں سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ قران کریم کا ارشاد ہے (**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء**) (فاطر: ۲۸) یعنی اللہ تعالی سے پوری طرح علماء ہی ڈرتے ہیں، اور دوسری جگہ میں اولیاء اللہ ہی کا یہ حال بیان فرمایا ہے "**والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون ط ان عذاب ربھم غیر مامون**". (معارج: ۲۸) یعنی یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں، کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے فکر ہوکر بیٹھ سکے۔

اور واقعات بھی یہی ہیں جیسا کہ شمائل ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر حالات میں متفکر وغمگین نظر آتے تھے، اور آپؐ نے خود فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالے سے ڈرتا ہوں۔ صحابہ کرام میں سب سے افضل صدیقؓ وفاروق رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ وزاری اور خوف اخرت کے

واقعات بیشمار ہیں۔

اس لئے روح المعانی میں علامہ آلوسی نی یہ فرمایا کہ اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں، کہ دنیوی مقاصد آرام وراحت، عزت ودولت میں ذراسی کمی ہوجانے پر مرنے لگتے ہیں، اور ذرا ذراسی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا و بلند ہوتا ہے ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت ودولت، راحت وآرام کوئی چیز ہے، جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت وکلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے، جس کی مدافعت میں پریشان ہوں۔ اللہ جل شانہ، کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان اولیاء پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج وراحت سود وزیاں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے،

دوسری بات اولیاء اللہ کی تعریف اور ان کی علامات سے متعلق ہے، اولیاء ولی کی جمع ہے لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور دوست ومحبّ کے معنی میں بھی، اللہ تعالی کے قرب ومحبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان وحیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہوتو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالی جل شانہ سے حاصل ہے، گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے، مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے، مگر لفظ اولیاء اللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت ومحبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالی کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے، یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے حق تعالی کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اسکے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اس

کی کوئی حرکت وسکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ بخاری:۲۰۵٦۔

اور اس ولایت خاصہ کے درجات بیشمار اور لامتناہی ہیں، اس کا اعلی درجہ انبیاء علیہ السلام کو حاصل ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سیدالانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ادمی کا قلب اللہ تعالی کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، اس کے حب وبغض اور محبت وعداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر وباطن اللہ تعالی کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے، اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام طاعت، یعنی اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل کم وبیش ہوتے ہیں ایک حدیث میں بروایت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی (مظہری، از بن مردویہ)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انہیں لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ امت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم ﷺ ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو رسول کریم ﷺ کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیض صحبت صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجہ ولایت تمام امت کے اولیاء سے بالاتر تھا، بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائط بڑھتے

جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق بڑھتا جاتا ہے۔ یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہے جو رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگ ہوئے، آپ ؐ کی سنت کے پیرو ہیں، ایسے لوگوں کے کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو۔

یہی نسخہ درجہ ولایت حاصل کرنے کا جو تین جز سے مرکب ہیں کسی ولی اللہ کی صحبت اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہوں کیونکہ کثرت ذکر سے آیئنہ قلب کو جلا ہوتی ہے، تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہقی نے شعب الایمان :۲۰۱۴، میں بروایت ابن عمرؓ نقل فرمایا ہے۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہے جو کسی مومن سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ اپ ؐ نے فرمایا "المرء مع من احب" یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے (ترمذی: ۲۳۸۵) اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت وصحبت انسان کے لیے حصول ولایت کا ذریعہ ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں رزینؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے رزینؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و اخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کا اہل ذکر کی مجلس وصحبت کو لازم پکڑ و اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لیے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لیے کرو (شعب الایمان: ۸۷۳۴)۔

مگر یہ صحبت ومجالست انہیں لوگوں کی مفید ہے جو خود ولی اللہ متبع سنت ہوں، اور جو رسول کریم ﷺ کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجہ ولایت سے محروم ہیں، چاہے کرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں، اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو، اگر چہ اس سے کبھی کوئی کرامت ظاہر نہ ہوئی ہو، وہ اللہ کا ولی ہے (مظہری)۔

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالی

نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں (بغوی)۔

اور ابن ماجہ: ۴۱۰۹، میں بروایت اسماء بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی ''الذین اذا رء وا ذکر اللہ'' یعنی جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے، تفسیر مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف وکرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں، اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

آخر آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور اخرت میں بھی، اخرت کی خوش خبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ تعالی کے پاس لے جایا جائے گا، اس وقت اس کو خوش خبری جنت کی ملے گی، پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت جنت کی خوش خبری دی جائے گی، جیسا کہ بیہقی نے بروایت ابن عمر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اہل لا الہ الا اللہ'' کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی، نہ قبر میں، اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، گویا میری انکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے '' الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن'' یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کردیا (شعب الایمان: رقم: ۱۰۰) اور دنیا کی بشارت کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں جو انسان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے جن میں ان کے لیے خوش خبری ہو۔ (مسلم: رقم: ۲۰۸)

اور دنیا کی دوسری بشارت یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تلک عاجل بشری الموء من'' یعنی عام مسلمانون کا اچھا سمجھنا اور

تعریف کرنا مومن کے لیے نقد خوش خبری ہے۔(مسلم:۶۸۹۱،وبغوی)۔

عن عطاء بن یسارؓ عن رجل من اھل مصر،قال سألت ابا الدرداءؓ عن قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لھم البشری فی الحیواۃ الدنیا﴾ فقال ماسألنی عنھا احد غیرک،الارجل واحد منذ سألت رسول اللّٰہ ﷺ ،سألت رسول اللّٰہ ﷺ ،فقال ماسألنی عنھا احد غیرک ،منذ انزلت،ھی الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم اوتری لہ"(ترمذی:۲۲۷۳،ومسنداحمد:۶/۴۴۵تا۴۴۷،۴۵۲ ومسند الحمیدی:۲/۱۹۳). روایت ہے عطاء بن یسار سے،وہ روایت کرتے ہیں ایک مرد سے اہل مصر کے،کہا اس مرد نے پوچھا میں نے ابوالدرداءؓ سے،معنی اس قول کے "**لھم البشری**" الایۃ،سوفرمایا:ابو الدرداءؓ نے،نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے سوا تیرے،مگر ایک شخص نے جب سے کہ پوچھ رکھا ہے میں نے رسول اللہ پاک ﷺ سے،پوچھا میں نے رسول پاک ﷺ سے،سوفرمایا آپؐ نے "نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے جب سے اتری یہ آیت سوا تیرے" مراد بشری سے اس آیت میں خواب نیک ہے کہ دیکھتا ہے اس کو مسلمان کو دکھایا جاتا ہے اس کو یعنی من جانب اللہ۔

عن انس بن مالکؓ قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ :ان الرسالۃ و النبوۃ قدانقطعت،فلارسول بعدی ولانبی ،قال فشقَّ ذلک علی الناس،فقال لکن المبشرات ،قالوایارسول اللّٰہ،وما المبشرات؟قال رؤیا المسلم ،وھی جزء من اجزاء النبوۃ.رواہ الترمذی:۲۲۷۲، ومسنداحمد:۳/۲۶۷۔ روایت ہے انس بن مالکؓ سے،کہ فرمایا رسول پاک ﷺ نے،کہ رسالت اور نبوت تمام ہوگئی،پس اب کوئی رسول نہیں میرے بعد،اور نہ کوئی نبی،کہا راوی نے،پس گراں ہوئی لوگوں پر یہ بات،تب فرمایا آپؐ نے،لیکن مبشرات باقی ہیں،عرض کی لوگوں نے،یارسول اللہ مبشرات کیا چیز ہے؟فرمایا آپؐ نے،خواب مسلمان کا،اور یہ ایک ٹکڑا ہے نبوت کے ٹکڑوں سے۔

اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**رؤیا المسلم جزء من ستۃ واربعین جزأً من النبوۃ ،و الرؤیاثلاث ، فالرؤیا الصالحۃ بشری من اللّٰہ،و الرؤیامن تحزین الشیطان ،و الرؤیاممایحدث**

بها الرجل نفسه، الحديث. رواه الترمذی: ۲۲۷۰، بخاری: ۷۰۱۷، مسلم: ۲۲۶۳ .

کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم: جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جز ہے یعنی اللہ تعالی کی طرف سے الہام ہے۔ دوسری قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے، کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں، تیسری قسم، حدیث نفس ہے یعنی مرد کی خیالات جو متصور ہوتے ہیں حالت بیداری میں، پھر اس کو خواب میں دیکھتے ہیں۔

یہ قسم جو حق اور صحیح ہے، اور صحیح احادیث نبویہ میں نبوت کا ایک جز قرار دی گئی ہے، اس میں روایات حدیث مختلف ہیں، بعض میں چالیسواں جز اور بعض میں چھیالیسواں جز بتلایا، اور بعض روایات میں انچاس اور پچاس اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے، یہ سب روایتیں تفسیر قرطبی میں جمع کر کے ابن عبدالبر کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ان میں کوئی تضاد و تخالف نہیں، بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ صحیح و درست ہے، اور تعداد اجزا کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بنا پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہے اس کا خواب نبوت کا چالیسواں جز ہوگا، اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھیالیسواں یا پچاسواں جز ہوگا، اور جو اور کم ہے اس کا خواب نبوت کا ستر واں جز ہوگا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سچے خواب کے جزء نبوت ہونے سے کیا مراد ہے؟ تفسیر مظہری میں اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ پر وحی نبوت کا سلسلہ تیئیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے ششماہی میں یہ وحی الٰہی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں جبرئیل امین کی پیغام رسانی کی صورت میں آئی، اس حساب سے سچی خوابیں وحی نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوا، اور جن روایات میں کم وبیش عدد مذکور ہیں، ان میں یا تقریبی کلام کیا گیا ہے، یا وہ سند کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ اس کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں، مثلا یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھیں جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو اس کا ذریعہ بجز امداد والہام الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، جو اصل =

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۶۵

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہونا (کیونکہ) عزت سب اللہ ہی کی ہے وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ ہی کے (بندے اور اُس کے مملوک) ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ

اور جو یہ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے صرف گمان کے پیچھے

= میں خاصہ نبوت ہے، اس لئے اس کو ایک جز نبوت قرار دیا گیا۔

یہاں کچھ لوگوں کو ایک عجیب مغالطہ لگا ہے، کہ اس جز نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے سے نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے، جو قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف اور پوری امت کے اجماعی عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے، اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم آتا ہے، اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس ایک پرزہ یا ایک اسکرو موجود ہو اور وہ کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اس کو جھوٹا سمجھیں گے یا بیوقوف۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم یبق من النبوۃ الا المبشرات، یعنی آئندہ نبوت کا کوئی جزء بجز مبشرات کے باقی نہ رہے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ سچے خواب، جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کسی قسم یا کسی صورت سے باقی نہیں، صرف اس کا چھوٹا سا جزء باقی ہے جس کو مبشرات یا سچے خواب کہا جاتا ہے۔ بخاری: ۶۴۷۵۔

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا
چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں ۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو
فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور روزِ روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو) جو لوگ سماعت رکھتے ہیں اُن کیلئے ان میں نشانیاں ہیں
قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اُس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔
وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَآ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے (اے افتراء پردازو!) تمہارے پاس اس (باطل قول) کی کوئی
تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
دلیل نہیں ہے، تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں ۔ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں
لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
فلاح نہیں پائیں گے ۔ (اُن کیلئے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر اُن کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے
ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اُس وقت ہم اُن کو عذابِ شدید چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوْحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ
اور ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تمہیں میرا تم میں رہنا
وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوْٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ
اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کیساتھ مل کر ایک کام

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴿۷۱﴾

مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو

فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَن

اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن اُن لوگوں نے اُن کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو اور جو لوگ

مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

اُن کیساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں

بِآيَاتِنَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِ رُسُلًا

کو جھٹلایا اُن کو غرق کر دیا تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا۔ پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیغمبر

إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا

اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب

بِهِ مِن قَبْلُ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۷۴﴾

کر چکے تھے اُس پر ایمان لے آتے اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا

بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۷۵﴾

تو اُنہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوٓا إِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ
تو جب اُن کے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے ۔ موسیٰ نے کہا
مُوسٰىٓ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآئَكُمْ أَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ
کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پا سکتے
السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
وہ بولے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ہیں
وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾
اُن سے ہمیں پھیر دو اور (اس) ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں
وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ
اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے اُن سے کہا
لَهُمْ مُّوْسٰى أَلْقُوْا مَآ أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ أَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى
کہ جو تمہیں ڈالنا ہو ڈالو، جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ نے کہا
مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ
کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا، اللہ شریروں کے کام
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾
سنوارا نہیں کرتا ۔ اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دے گا اگرچہ گنہگار بُرا ہی مانیں
فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰىٓ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ
تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے

أَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۸۳﴾

کہ کہیں وہ اُن کو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ

اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اُسی پر

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا

بھروسہ رکھو ۔ تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں اے ہمارے رب!

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے قومِ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوسٰى وَأَخِيْهِ أَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ

کفار سے نجات بخش ۔ اور ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کیلئے مصر میں

بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجد یں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِيْنَةً وَّأَمْوَالًا

اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے اللہ! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ

وزور دے رکھا ہے اے اللہ! ان کا مآل یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے اللہ! ان کے مال کو برباد کر دے

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ

اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تمہاری

أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے نہ چلنا

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّعَدْوًا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی سے اُن کا تعاقب کیا

حَتّٰى إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهِ

یہاں تک کہ جب اُس کو غرق نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر

بَنُوآ إِسْرَآئِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ

بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں[7] اب (ایمان لاتا ہے)؟

---

[7] ''قال آمنت'' جب فرعون ڈوب رہا تھا تو اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ میں اس اللہ پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں، فرعون کا ایمان عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد تھا، اس لئے قبول نہ ہوا ''الـٰئن و قدعصیت'' جب ایمان لانے اور اللہ کی عبادت وطاعت کا وقت تھا اس وقت تو نے انکار کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں، اور شرک پھیلا کر دنیا کو شر وفساد سے بھر دیا، اس لئے اب ایمان لانے سے کیا فائدہ؟

''فالیوم ننجیک'' یہ نجوہ (اونچی جگہ) سے ماخوذ ہے یعنی آج ہم تیری لاش کو اونچی جگہ ڈالیں گے تا کہ تو باقی ماندہ لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت کا نشان بن جائے، نلقیک بنجوۃ من الارض، مدارک ۔

یعنی ہم موجوں میں تیرے بدن کو بہادیں گے اس صورت میں ''نجو'' سے مشتق ہے یعنی اونچی جگہ کو نجوہ کہتے ہیں۔تحقیقات کے مطابق فرعون کا بدن قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے لیکن الفاظ قرآن کی صحت اس پر موقوف نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت کا ایمان لانا شرعا معتبر نہیں، اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی=

وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ
حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تا کہ تو
خَلْفَكَ آيَةً وَّإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا
پچھلوں کیلئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔[۴] اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کو عمدہ جگہ
بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا
دی اور کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں لیکن وہ باوجود علم حاصل ہونے کے اختلاف کرتے رہے
حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
بیشک جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تمہارا رب قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ
اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں
فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ
پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے

=بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں، جبتک غرغرہ موت کا وقت نہ آجائے (ترمذی:۳۵۳۸، وابن ماجہ:۴۲۵۳) ''غرغرہ موت'' سے مراد وہ وقت ہے جب نزع روح کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں، اس وقت دار العمل دنیا کی زندگی ختم ہو کر آخرت کے احکام شروع ہو جاتے ہیں، اس لئے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں، ایسے وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو مومن نہیں کہا جائے گا، اور اس کے ساتھ کفن دفن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جائے گا، جیسا کہ فرعون کے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ بالا جماع فرعون کی موت کفر پر قرار دی گئی ہے نصوص قران سے بھی یہی واضح ہے اور جس کسی نے فرعون کے اس ایمان کو معتبر کہا ہے (جیسا کہ ابن عربی نے فتوحات:۲/۴۱۰، ۵۳۳/۳، وفصوص الحکم:۳۹۰، میں تصریح کیا ہے) یا تو اس کی کوئی تاویل کی جائے، ورنہ اسے غلط کہا جائے گا۔

مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔[8]اور نہ ان لوگوں میں ہونا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں،

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ

نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے ۔ جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے

رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔ جب تک عذابِ الیم نہ دیکھ لیں خواہ اُن کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے

﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُس کا ایمان اُسے نفع دیتا ہاں یہ یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دُور کر دیا اور ایک مدت تک اُن کو بہرہ مند رکھا [9]

---

[8] اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں، اس لئے اس خطاب کے ذریعہ مقصود امت کو سنانا ہے، خود آپ ﷺ مقصود نہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہو، کہ اے انسان اگر تجھ کو اس وحی الٰہی میں کوئی شک ہے جو بواسطہ محمد ﷺ تیری طرف بھیجی گئی، تو تُو ان لوگوں سے دریافت کر جو تجھ سے پہلے اللہ کی کتاب تورات وانجیل پڑھتے تھے، وہ تجھے بتلائیں گے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابیں محمد ﷺ کی خوشخبری دیتی آئی ہیں، جس سے تیرے وساوس دور ہوجائیں گے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو دین کے معاملہ میں کوئی شبہ پیش آجائے تو اس پر لازم ہے کہ علماءِ حق سے سوال کرکے اپنے شبہات دور کرے، ان کی پرورش نہ کرتا رہے۔

[9] اس آیت میں ارشاد ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ منکر قومیں ایسے وقت ایمان لے آتیں کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا، یعنی موت کے وقت یا وقوع عذاب اور مبتلا عذاب ہوچکنے کے بعد یا قیام قیامت کے وقت جب کہ توبہ کا دروازہ

بند ہو جائے گا۔ کسی کی توبہ اور ایمان مقبول نہ ہو گا۔ اس سے پہلے پہلے اپنی سرکشی سے باز آ جاتیں، اور ایمان لے آتیں، بجز قوم یونس علیہ السلام کے کہ انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا دیکھا تو فوراً توبہ کر لی اور ایمان لے آئے جس کی وجہ سے ہم نے ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹا لیا۔

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آ جانے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ اخرت کا عذاب سامنے آ جانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور عذاب آخرت کا سامنے آنا یا قیامت کے دن ہو گا یا موت کے وقت، خواہ وہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر ہو جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہو جانا عام ضابطہ الٰہیہ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب آتا ہوا دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے کر لی، بخلاف فرعون اور دوسرے لوگوں کے جنہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اور غرغرہ موت کے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اس لئے ان کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

قوم یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ایک نظیر خود قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ ہے جس میں کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر کے ان کو ڈرایا گیا اور توبہ کرنے کا حکم دیا گیا انہوں نے توبہ کر لی تو وہ توبہ قبول ہوئی۔ جس کا ذکر سورۂ بقرہ ۶۳، میں ہے۔ ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوۃ؛ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عذاب کے واقع ہونے اور موت میں مبتلا ہونے سے پہلے محض عذاب کا اندیشہ دیکھ کر توبہ کر لی تھی، اسی طرح قوم یونس علیہ السلام نے عذاب کو آتا ہوا دیکھ کر اخلاص اور الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کر لی جس کے تفصیل آگے آتی ہے تو اس توبہ کا قبول ہو جانا ضابطہ مذکورہ کی خلاف نہیں (قرطبی)۔

اس جگہ بعض مفسرین سے بہت سخت غلطی ہوئی ہے کہ یونس علیہ السلام کی طرف فریضہ رسالت ادا کرنے میں کوتاہیوں کی نسبت کر دی، اور قوم سے عذاب ہٹ جانے کا سبب پیغمبر کی کوتاہی کو قرار دیا، اور اسی کوتاہی کو سبب عتاب بنایا جس کا ذکر سورۂ انبیاء اور سورۂ صٰفٰت میں آیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا، اس لئے جب اثار عذاب دیکھ کر آشوریوں نے توبہ واستغفار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف

کر دیا۔قرآن مجید میں الٰہی دستور کے جو اصول وکلیات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر دیتا پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے خود ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالی کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارہ نہ کیا (تفہیم القرآن)۔

یہاں سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلّمہ عقیدہ ہے، جس پر تمام امت کا اجماع ہے اس کی تفصیلات میں کچھ جزوی اختلافات بھی ہیں کہ یہ عصمت ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے ہے یا صرف کبیرہ سے اور یہ کہ یہ عصمت قبل از نبوت کے زمانے کو بھی شامل ہے یا نہیں۔لیکن اس میں کسی فرقہ کسی شخص کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب ادائے رسالت کے فریضہ میں کبھی کوتاہی نہیں کر سکتے۔کیونکہ انبیاء علیہ السلام کے لئے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہوسکتا کہ جس منصب کے لئے اللہ تعالی نے ان کا انتخاب فرمایا ہے خود اسی میں کوتاہی کر بیٹھیں یہ تو فرض منصبی میں کھلی ہوئی خیانت ہے جو عام شریف انسانوں سے بھی بعید ہے اس کوتاہی سے بھی اگر پیغمبر معصوم نہ ہوا تو پھر دوسرے گناہوں سے عصمت بے فائدہ ہے۔قران وسنت کے مسلمہ اصول اور اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کے بظاہر خلاف اگر کسی جگہ قران وحدیث میں بھی کوئی بات نظر آتی تو اصول مسلمہ کی رو سے ضروری تھا کہ اس کی تفسیر و معنی کی ایسی توجیہ تلاش کی جاتی جس سے وہ قرآن وحدیث کے قطعی الثبوت اصول سے متصادم ومختلف نہ رہتے۔

مگر یہاں تو عجیب بات یہ ہے کہ مصنف موصوف نے جس بات کو قرآنی اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات کے حوالہ سے پیش کیا ہے وہ صحیفہ یونسؑ میں ہو تو ہو، جس کا اہل اسلام میں کوئی اعتبار نہیں، قرآنی اشارہ تو ایک بھی نہیں بلکہ ہوا یہ کہ کئی مقدمے جوڑ کر یہ نتیجہ زبردستی نکالا گیا ہے، پہلے تو یہ فرض کر لیا گیا کہ قوم یونسؑ علیہ السلام سے عذاب کا ٹل جانا الٰہی دستور کے خلاف واقع ہوا، جو خود اسی آیت کے سیاق وسباق کے بھی بالکل خلاف ہے اور اہل تحقیق ائمہ تفسیر کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اس کے ساتھ یہ فرض کر لیا گیا کہ الٰہی قانون کو اس موقعہ پر اس لئے توڑا گیا تھا کہ خود پیغمبر سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔اس کے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا کہ پیغمبر کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خاص وقت نکلنے کا مقرر کر دیا گیا تھا۔وہ اس وقت مقرر سے فریضہ دعوت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اگر ذرا بھی غور وانصاف سے کام لیا جائے تو ثابت ہوجائے کہ قران وحدیث کا کوئی اشارہ ان فرضی مقدمات کی طرف نہیں پایا جاتا۔خود آیت قرآن کے سباق پر غور کیجئے تو الفاظ آیت کے یہ ہیں: **فلولا کانت قریة امنت فنفعها ایمانها**

الاقوم یونس.

جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ دنیا کے عام بستی والوں کے متعلق بطور اظہار افسوس یہ ارشاد ہے (یعنی تم افسوس کرو) کہ وہ ایسے کیوں نہ ہو گئے کہ ایمان اس وقت لے آتے جس وقت تک ایمان مقبول اور نافع ہوتا ہے، یعنی عذاب میں یا موت میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے ایمان لے آتے تو ان کا ایمان قبول ہو جاتا، مگر قوم یونس اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ اثار عذاب دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تو ان کا ایمان وتوبہ قبول ہوگئی۔ آیت کا یہ واضح مفہوم خود بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی الٰہی قانون نہیں توڑا گیا بلکہ عین الٰہی دستور کے مطابق ان کا ایمان اور توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ اکثر مفسرین بحر محیط، قرطبی، زمخشری، مظہری، روح المعانی وغیرہ نے آیت کا یہی مفہوم لکھا ہے جس میں قوم یونس کی توبہ قبول ہونا عام قانون الٰہی کے تحت ہے۔ قرطبی کے الفاظ یہ ہیں: **وقال ابن جبير غشيهم العذاب كمايغشى الثوب القبر، فلماصحت توبتهم رفع الله عنهم العذاب. وقال الطبرى خص قوم يونس من بين سائر الامم بان تيب عليهم بعدمعاينة العذاب وذكرذلك عن جماعة من المفسرين. وقال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانمارأو العلامة التى تدل على العذاب ولورأوعين العذاب لمانفعهم ايمانهم. قلت قول الزجاج حسن فان المعاينة لاتنفع التوبة معهاهى التلبس بالعذاب كقصة فرعون و لهٰذاجاء بقصة قوم يونس على اثرقصة فرعون ويعضدهذاقوله عليه السلام ان اللّٰهيقبل توبة العبدمالم يغرغر، و الغرغرة الحشرجة، وذلك هوحال التلبس بالموت. وقدروى معنى ماقلناه عن ابن مسعودؓ (الى) هذايدل على ان توبتهم قبل رؤية العذاب (الى) وعلى هذافلااشكال ولاتعارض ولاخصوص.**

یعنی ابن جبیر کہتے ہیں کہ عذاب نے ان کو اس طرح ڈھانپ لیا تھا، جیسے قبر پر چادر، پھر چونکہ ان کی توبہ صحیح ہوگئی (کہ وقوع عذاب سے پہلے تھی) تو ان کا عذاب اٹھا دیا گیا۔

طبری فرماتے ہیں کہ قوم یونسؑ کو تمام اقوام عالم سے یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ معائنہ عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

زجاج نے فرمایا کہ ان لوگوں پر ابھی عذاب پڑا نہیں تھا، بلکہ علامات عذاب دیکھی تھیں، اور اگر عذاب پڑ جاتا تو ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوتی۔ =

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَآمَنَ مَن فِی الْأَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا ط أَفَأَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے

حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ

ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ۔ حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے

وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا

اور جو لوگ بےعقل ہیں اُن پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے ، (ان کفار سے) کہو کہ دیکھو تو

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ

آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے نشانیاں اور ڈراوے

عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا مِثْلَ أَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ

کچھ کام نہیں آتے ۔سو جیسے (بُرے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں اُسی طرح کے (دنوں کے) یہ منتظر ہیں کہہ دو

= قرطبی فرماتے ہیں کہ زجاج کا قول اچھا اور بہتر ہے کیونکہ جس معائنہ عذاب کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی وہ ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جائے جیسا واقعہ فرعون میں پیش آیا، اور اسی لئے اس سورت میں قوم یونسؑ کا واقعہ فرعون کے واقعہ کے بعد متصلا ذکر فرمایا ہے، تاکہ فرق واضح ہو جائے کہ فرعون کے ایمان ابتلا عذاب کے بعد تھا، بخلاف قوم یونسؑ کے کہ وہ وقوع عذاب سے پہلے ہی ایمان لے آئی ۔اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جبتک وہ غرغرہ کی حالت میں نہ پہونچ جائے ، اور غرغرہ موت کے وقت طاری ہونے والے سکرات کو کہتے ہیں، اور یہی بات ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں بتلایا ہے کہ قوم یونسؑ نے وقوع عذاب سے پہلے توبہ کر لی تھی ۔قرطبی فرماتے ہیں کہ اس تقریر وتفسیر پر نہ کوئی اشکال ہے نہ تعارض نہ قوم یونس کی تخصیص ۔

قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا

کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ اور ہم اپنے پیغمبروں کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اور مومنوں کونجات دیتے رہے ہیں اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کونجات دیں ۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ (اے محمد ﷺ! سب سے) یکسو ہو کر دینِ (اسلام) کی پیروی کئے جاؤ اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہونا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے

فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

تو ظالموں میں ہو جاؤ گے ۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں

لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہے تو اُس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا

مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ کہہ دو کہ لوگو!

قَدْ جَآءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَإِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ

تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے

فَـإِنَّـمَـا یَـضِـلُّ عَـلَیْهَـا وَمَـآ أَنَـا عَـلَیْـکُـمْ بِوَکِیْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِـعْ مَـا

تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں

یُـوْحٰـی إِلَیْکَ وَاصْبِـرْ حَتّٰـی یَـحْـکُـمَ اللهُ وَهُـوَخَیْرُ الْحٰکِمِیْن ﴿۱۰۹﴾

اور تمہیں جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کئے جاؤ اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

مصنف کی دیگر تصنیفات

١۔ اختلاف المطالع (اردو)

٢۔ اختلاف المطالع (پشتو)

٣۔ اداب السلام (اردو)

۴۔ کتاب الاذکار (اردو)

۵۔ کتاب الاذکار مختصر (پشتو)

٦۔ کتاب الاربعین (پشتو)

٧۔ نیل المفازة (پشتو)

٨۔ تحفة العروس (پشتو)

٩۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة (پشتو ترجمه)

١٠۔ کتاب التمائم

دچاپ ځائے
دارالکتب
پرنټنګ ایجنسی موبائل: +92-333-9084990